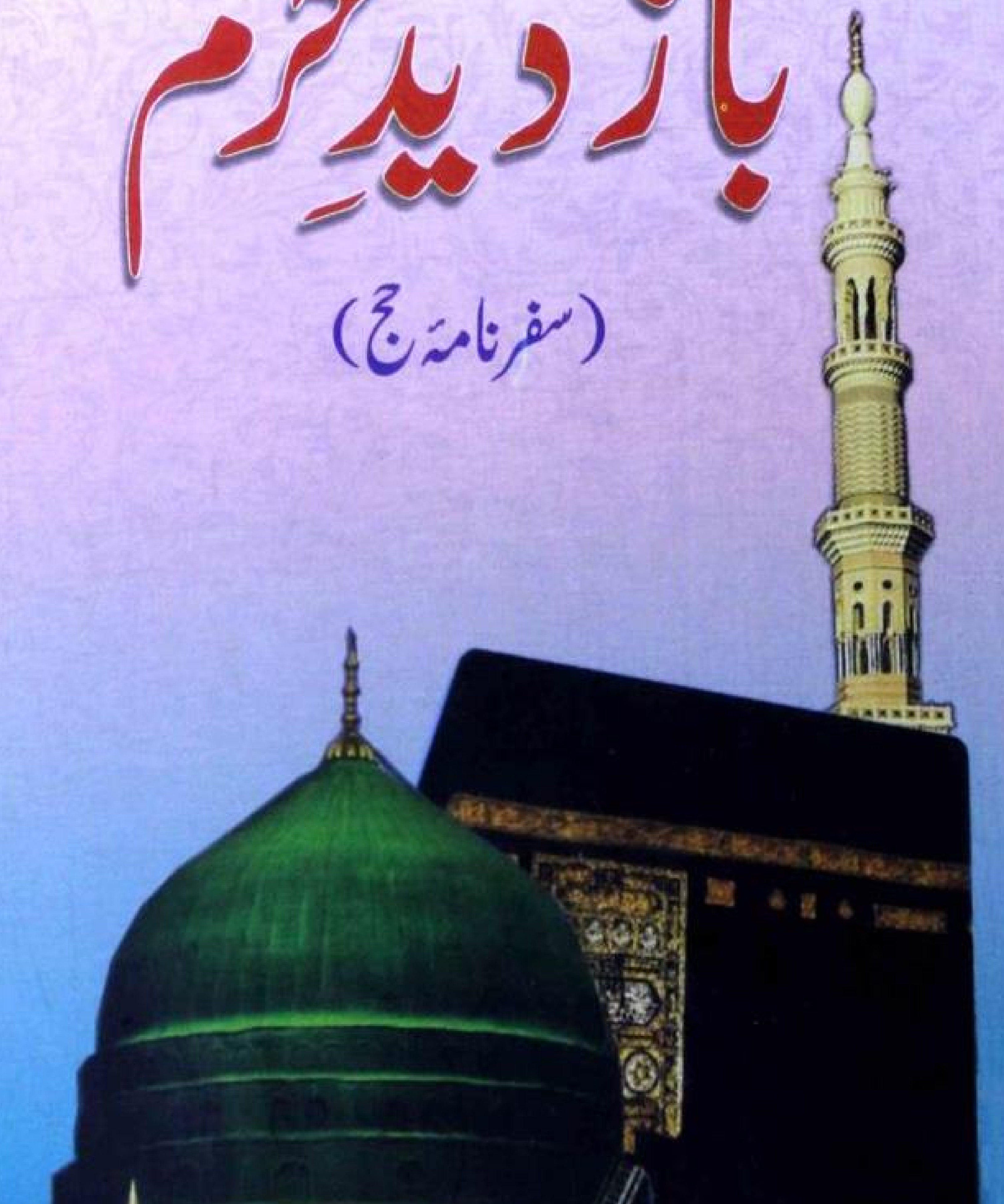
بازدیدِ حرم

(سفرنامہ حج)



سہیل انجم

بازدیدِ حرم

(سفرنامۂ حج)

سہیل انجم

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۶

BAZDEED-E-HARAM

by

Suhail Anjum

Year of Edition 2019
ISBN 978-93-89002-79-9

₹ 350/-

نام کتاب : بازدید حرم (سفرنامۂ حج)
مصنف : سہیل انجم
ناشر : سہیل انجم، 370/6 A ذاکر نگر، نئی دہلی
سن اشاعت : ۲۰۱۹ء
قیمت : ۳۵۰ روپے
صفحات : ۳۱۶
تعداد اشاعت : ایک ہزار
زیر اہتمام : مولانا انجم فاؤنڈیشن، ذاکر نگر، نئی دہلی ۔ 25
مطبع : روشان پرنٹرس، دہلی ۔ ۶
رابطہ : سہیل انجم، 370/6A ذاکر نگر، نئی دہلی 110025
M. 9818195929- 9582078862
email: sanjumdelhi@gmail.com

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
H.o. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)
B.o. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 45678285, 45678286, 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

فہرست

رودادِ حج ۲۰۱۸ء

(۱۷؍جولائی تا ۳۱؍اگست ۲۰۱۸ء)

جاتا ہے داغؔ کعبہ کو بتخانہ چھوڑ کر

ہم ابھی ادائیگیٔ عمرہ کی سرور انگیز کیفیتوں اور روح پرور ساعتوں سے لطف اندوز ہو ہی رہے تھے کہ ایک بار پھر بلاوا آ گیا۔ یہ کوئی معمولی بلاوا نہیں تھا۔ یہ بڑا عظیم بلاوا تھا۔ بڑا اہتمام بالشان Invitation (دعوت نامہ) تھا۔ فروری ۲۰۱۷ء میں ہم نے اہلیہ کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کی تھی۔ ہم نے خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دعا کی تھی کہ یا اللہ ہمیں پھر اپنے اس متبرک گھر کی زیارت کی توفیق عطا فرما اور ہمیں بار بار اس کا موقع عنایت کر۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کر لی اور تقریباً ۱۶ ؍مہینے کے وقفے کے بعد ہمارے نام فریضۂ حج کی ادائیگی کا قرعۂ فال نکل آیا۔

عمرہ سے واپسی کے بعد ہماری اہلیہ انیسہ انجم بار بار یہ تقاضہ کرتی رہیں کہ امسال حج کمیٹی کے توسط سے حج کا فارم پُر کر دیجیے۔ ہم نے عمرہ تو کر لیا ہے ہم حج بھی کرنا چاہتے ہیں۔ ہم انھیں تسلی دیتے رہے کہ ٹھیک ہے فارم بھر دیا جائے گا۔ لیکن ہماری کاہلی دیکھ کر انھوں نے بیٹے سلمان فیصل کو حکم دیا کہ جب حج کا فارم بھرنے کا اعلان ہو تو وہ ہم لوگوں کا فارم آن لائن بھر دے۔ وقت آیا اور اہل خانہ میں اس پر مشورہ ہونے لگا تو ہم نے کہا کہ ہم تو فریضۂ حج ادا کر چکے ہیں آپ کیوں نہیں بیٹے کے ساتھ چلی جاتیں۔ لیکن ماں بیٹے دونوں کا اصرار رہا کہ نہیں آپ بھی جائیے۔ ان لوگوں کی خواہش کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ ہم نے اجازت دے دی کہ ٹھیک ہے فارم پُر کر دو۔

عمرہ کی ادائیگی کے دوران اہلیہ کو وہاں پیش آنے والی دشواریوں کا اندازہ ہو گیا تھا لہٰذا انھوں نے کہا کہ وہ کسی اور کو بھی ساتھ لے جانا چاہتی ہیں۔ قرعۂ فال دوسری بیٹی ناہید درخشاں کے نام نکلا۔ اس طرح تین افراد کے فارم بھر دیے گئے۔ ہم ذہنی طور پر تیار نہیں تھے۔ لیکن یہ سوچ کر اجازت دے دی کہ تین چار یا پانچ سال تک کوشش کرنے کے بعد ہی نمبر آتا ہے۔ چلو کوئی بات نہیں، کئی سال لگ جائیں گے۔

فارم پُر کرنے کے بعد ہم لوگ اس معاملے کو بھول گئے۔ جب حج کمیٹی کی جانب سے ان خوش بختوں کے ناموں کا اعلان ہوا جن کو حج کی سعادت نصیب ہونے والی تھی تو ان میں ہم لوگوں کے نام نہیں تھے۔ اس سے ہم غمزدہ نہیں ہوئے کیونکہ ہمیں اندازہ تھا کہ پہلی کوشش میں منظوری ملنی بہت مشکل ہوتی ہے، الا یہ کہ اللہ نے مقدر میں لکھ دیا ہو۔ ہمارے نام ویٹنگ لسٹ میں ۲۵۶ر، ۲۵۷ر اور ۲۵۸ر نمبروں پر تھے۔ ہم لوگوں نے سوچا کہ یہ تو کنفرم نہیں ہوگا۔ لہٰذا اہلیہ نے پرائیویٹ ٹور آپریٹر کے توسط سے حج پر جانے کی ٹھان لی۔ پرائیویٹ ٹور آپریٹروں سے معلوم کیا گیا تو انھوں نے تقریباً چار لاکھ فی شخص کے آس پاس بتایا۔ ہم نے اہلیہ کو تسلی دی کہ ٹھیک ہے اگر اتنے پیسوں کا انتظام ہو گیا تو چلے چلیں گے۔ ہم جانتے تھے کہ اتنے پیسوں کا یعنی ۱۲ر لاکھ روپے کا انتظام نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا ایک بار پھر فریضۂ حج کی ادائیگی کا معاملہ ہمارے ذہن سے محو ہو گیا۔

رمضان المبارک کے آخری جمعہ سے پہلے والے جمعہ کی صبح یعنی ۸ر جون ۲۰۱۸ء کو دہلی حج کمیٹی کے دفتر سے فون آیا کہ آپ کی درخواست منظور ہو گئی ہے۔ آپ یہاں آکر تینوں افراد کے پاسپورٹ جمع کر دیجیے تاکہ آگے کی کارروائی کی جا سکے۔ پھر تو اچانک جذبۂ شوق کو مہمیز لگ گئی۔ لیکن سچ بات یہ ہے کہ حج کے دوران ہونے والی دشواریوں کی وجہ سے ہم ذہنی طور پر اب بھی پوری طرح تیار نہیں تھے۔ ہم نے کہا کہ ہم پیر کے روز پاسپورٹ جمع کریں گے۔ ہماری ذہنی غیر آمادگی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ابھی تو پچھلے سال ہی عمرہ کی ادائیگی کی ہے اور اس کے لیے ہم نے اپنے دفتر سے بیس روز کی چھٹی لی تھی۔

اب اگر ہم حج پر جاتے ہیں تو ڈیڑھ مہینے تو اسی میں لگیں گے۔ گویا کم از کم پونے دو ماہ کی چھٹی پھر لینی پڑے گی جو شاید مشکل سے ملے۔

ہم اسی ادھیڑ بن میں رہے کہ کیا ہوگا، کیسے جائیں گے اور چھٹی ملے گی یا نہیں۔ ادھر پاسپورٹ جمع کر دیا گیا۔ سلمان فیصل نے پیسوں کی آن لائن ادائیگی کی کوشش کی اور پہلے ایک لاکھ روپے ٹرانسفر کیے تو وہ پہنچے ہی نہیں۔ ادھر بینک سے منہا کر دیا گیا یعنی Debit ہو گیا۔ ہم نے دہلی حج کمیٹی کے چیف ایگزیکٹو آفیسر اور اپنے دوست جناب اشفاق عارفی صاحب کو فون کیا۔ انھوں نے کہا کہ آپ بینک کی تفصیلات لے کر دفتر آجائیں، یہیں سے ہو جائے گا۔ اس طرح ان کے دفتر جا کر ادائیگی کر دی گئی۔ ادائیگی ہونے کے ایک روز کے بعد اطلاع ملی کہ پہلے جو ایک لاکھ روپے جمع کیے گئے تھے وہ بھی پہنچ گئے ہیں۔ گویا حج کمیٹی کے اکاؤنٹ میں ایک لاکھ روپے فاضل جمع ہو گئے۔ جب اشفاق عارفی اور دہلی حج کمیٹی اسسٹنٹ ایگزیکٹو آفیسر جناب محسن علی صاحب کو اس کی اطلاع دی تو انھوں نے اطمینان دلایا کہ کوئی بات نہیں پیسہ واپس آجائے گا اور اگر نہیں آیا تو ہمیں بتایئے گا۔ (حج کا موسم ختم ہونے کے بعد اضافی پیسہ بینک اکاؤنٹ میں واپس آگیا)۔

ان لوگوں نے بتایا کہ آپ کی منظوری اضافی کوٹے میں ہوئی ہے اور اضافی کوٹے والوں کو منیٰ کی روایتی باؤنڈری کے اندر واقع خیموں کے بجائے اس کے باہر واقع خیموں میں جگہ دی جائے گی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ سوچ لیجیے بہت سے لوگ اس کی وجہ سے جھجکتے ہیں۔ ان کے بقول جو پچیس ہزار افراد اضافی کوٹے میں ہیں وہ سب باہری خیموں میں رہیں گے۔ محسن علی صاحب نے اس سقم کو دور کرنے کی ترکیب یہ بتائی کہ دن میں دو ایک بار منیٰ کے روایتی علاقے کا چکر لگا لیجیے گا یا آپ کا کوئی دوست وہاں ہوگا تو اس سے ملنے چلے جایئے گا۔ جب اس بارے میں مدینہ میں بعض اہل علم سے معلوم کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ کوئی بات نہیں۔ اب علماء نے فتویٰ دے دیا ہے کہ روایتی باؤنڈری کے

باہر بھی جو لوگ ہوں گے وہ بھی منیٰ ہی میں سمجھے جائیں گے۔ اس طرح ایک کشمکش سے نجات ملی۔ (لیکن جب ہم کو منیٰ لے جایا گیا تو اضافی غیر اضافی سارے حاجیوں کو منیٰ کی روایتی باؤنڈری کے اندر واقع خیموں میں رکھا گیا۔)

ادھر ہماری حالت چھٹی کے سلسلے میں غیر ہوتی جا رہی تھی۔ ابھی ہم نے دفتر کو اطلاع نہیں دی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حج کمیٹی کے ذمہ داروں نے بتایا کہ چونکہ آپ کی درخواست آخر میں منظور ہوئی ہے اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ آپ کو آخر میں بھیجا جائے گا۔ دہلی سے پروازوں کا جو شیڈول دیا گیا وہ ۱۴/ جولائی سے ۲۸/ جولائی کا تھا۔ ہمارا اور ان لوگوں کا بھی خیال تھا کہ ۲۵/ جولائی کے آس پاس ہماری پرواز ہوگی۔ لیکن ایک روز اچانک یہ اطلاع آئی کہ آپ لوگوں کی پرواز ایک ہفتہ بعد ۱۸/ جولائی کو رات میں تین بج کر دس منٹ پر ہے۔ اب تو ہنگامہ مچ گیا۔ یعنی تیاری کے لیے صرف ایک ہفتہ بچا تھا اور ابھی تک کوئی تیاری نہیں ہوئی تھی۔

ہم نے نمازوں میں دعائیں کیں کہ یا اللہ ہمارے مراحل آسان کر دے۔ یکا یک دل میں یہ خیال آیا کہ تمھیں ملازمت اور چھٹی کی پروا کیوں ہے۔ روزی روٹی کا ذمہ تو اس نے لے رکھا ہے جس کے گھر کا طواف کرنے تم جا رہے ہو۔ اسی نے یہ انتظام کیا ہے۔ وہ چاہے تو ابھی چھین سکتا ہے اور چاہے تو اس سے بھی بہتر انتظام کر سکتا ہے۔ اگر یہ ملازمت چھن بھی جائے گی تو کیا ہوا۔ یہ کوئی خسارے کا سودا نہیں ہے۔ اس میں سراسر نفع ہی نفع ہے۔ ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ندائے غیبی ہوئی ہو۔ پھر قلب و ذہن کو ایسا اطمینان حاصل ہوا کہ جیسے کوئی بات ہی نہیں ہے۔ واشنگٹن میں واقع اپنے دفتر کو اطلاع دے دی کہ ہم فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے فلاں تاریخ کو جائیں گے اور اختتام حج کے بعد واپس آئیں گے۔ اب تو وہاں سے بھی مبارکبادیوں کے پیغام آنے لگے۔ کئی ساتھیوں نے اپنے لیے دعاؤں کی درخواست کی۔ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں ہمارے قیام کے دوران بھی بذریعہ ای میل ان لوگوں سے رابطہ قائم رہا۔

ادھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں پی ایچ ڈی کے طالب علم عزیزم مولانا محمد شعیب کو اس کی اطلاع دے دی گئی۔ انھوں نے اور ان کی اہلیہ اور بچوں نے یعنی ہماری بھتیجی غزالہ اور دونوں بچوں نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔ مولانا شعیب نے کہا کہ ہم کئی سال سے غزالہ کو حج کرانا چاہتے تھے۔ اب جبکہ آپ لوگ آرہے ہیں تو ہم بھی درخواست دے دیتے ہیں۔ اتفاق سے ذی الحجہ کے اوائل میں ان کو درخواست منظور ہونے کی خوش خبری مل گئی اور اس طرح وہ لوگ بھی حج کے دوران ہم لوگوں کے ساتھ رہے۔

یہاں اس بات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ۲۰۰۶ء میں فریضہ حج کی ادائیگی کی تھی۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ نئی دہلی میں واقع سعودی سفارت خانہ نے جن پچاس افراد کو شاہی حکومت کی طرف سے حج کروایا تھا ان میں انھوں نے ہمارا بھی نام لکھ لیا تھا۔ اس کے لیے ہم ان کے ایک بار پھر شکر گزار ہیں۔ واپس آنے کے بعد ہم نے سفر نامہ لکھا تھا ''پھر سوئے حرم لے چل''۔ اس کی رسم رونمائی میں بیشتر مقررین نے اسے ایک دعائیہ نام قرار دیا اور یہ نوید سنائی تھی کہ سہیل انجم ان شاء اللہ پھر سفر حج پر جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کی البتہ اس میں کئی سال لگ گئے۔ ۲۰۰۶ء میں فریضہ حج ادا کیا اور ۲۰۱۷ء میں یعنی گیارہ برسوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے عمرہ کے لیے حاضری کا شرف بخشا۔ لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ ہم بہت جلد ایک بار پھر اس قدیم ترین عمارت کا طواف کرنے جائیں گے جسے روایات کے مطابق پہلے فرشتوں نے، پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور جس کا طواف بیشتر نبیوں اور رسولوں نے کیا ہے۔

اس طرح ہم لوگ ۱۷ر جولائی کی شب میں ۹ ربجے دیگر احباب خانہ سے اجازت لے کر نکل پڑے۔ بیٹے سلمان فیصل اور عزیزم جمال الدین ایئر پورٹ تک چھوڑنے

گئے۔

ہم نے یہ سوچ کر کہ سعودی عرب میں ڈیڑھ ماہ کا عرصہ گزارنا ہے، خالی وقت بھی بہت ملے گا، اپنے ساتھ لیپ ٹاپ بھی لے گئے۔ اس نے وہاں بڑا ساتھ دیا۔ جانے سے قبل ہم نے روزنامہ انقلاب کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر جناب یامین انصاری صاحب سے پوچھا کہ اگر ہم دورانِ حج کے اپنے تاثرات قلمبند کریں تو کیا اخبار میں شائع ہوں گے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں بالکل شائع ہوں گے۔ اس طرح مدینہ منورہ میں پہلے ہفتے کے قیام کے دوران ہی ہم نے پہلی قسط لکھی جو کہ انقلاب میں شائع ہوئی۔ اسے دوسرے اخباروں اور ویب سائٹوں نے بھی چھاپا۔ مولانا محمد شعیب نے جو کہ مسجد نبوی میں اردو مترجم بھی ہیں، اپنے مکتب کے منیجر جناب ابومنصور فارس الجربا سے ملاقات کرائی۔ ان سے کافی دیر تک گفتگو رہی۔ انھوں نے مسجد نبوی میں لے جا کر اہم اہم مقامات کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔ ہم نے ان کی تفصیلات کو اپنے کالم میں شامل کیا۔ موصوف نے اس مضمون کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ انھوں نے اسے بہت پسند کیا۔ اس کے بعد بھی ان سے ایک دو ملاقاتیں ہوئیں۔

وہاں سے جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو اپنے تاثرات، واقعات اور مشاہدات کو قلمبند کرنے لگے جسے اردو ویب سائٹ ''اردو تہذیب ڈاٹ کام'' ہفت روزہ اخبار نو اور اسٹار نیوز اردو ڈاٹ کام اور مضامین ڈاٹ کام اور دیگر کئی اخبارات بھی پابندی سے شائع کرتے رہے۔ روزنامہ انقلاب میں چار اور دیگر اخباروں میں آٹھ قسطیں شائع ہوئیں۔ ان اقساط کی اشاعت کی وجہ سے پہلے مدینہ منورہ اور پھر مکہ مکرمہ میں ہمارے بہت سے شناساؤں کو وہاں ہماری موجودگی کا علم ہو گیا۔ بہت سے لوگ ملنے آنے لگے۔ حرم مکی میں عربی وعظ و تقاریر کے اردو مترجم جناب مولانا ثناء اللہ صادق تیمی صاحب اور دیگر متعدد احباب نے فون پر بھی رابطہ قائم کیا۔ صادق تیمی ہمارا ایک تفصیلی انٹرویو کرنا چاہتے تھے لیکن مصروفیت کی وجہ سے وہ نہیں ہو سکا۔

بہر حال وہاں سے واپسی کے بعد جب ہم نے تمام اقساط کو کتابی فارمیٹ پر ڈالا تو وہ ۱۰۰ ر صفحات تک پہنچ چکی تھیں۔ ان پر نظر ثانی کی۔ ان کی ترتیب نو کی۔ بہت سی باتیں جو رہ گئی تھیں ان کو تحریر کے قالب میں ڈھالا۔ ہم حج کے تاثرات کی اشاعت کے لیے روزنامہ انقلاب کے مدیر جناب شکیل حسن شمسی صاحب اور جناب یامین انصاری صاحب، اردو تہذیب کے مدیر جناب سید اجمل حسین صاحب ہفت روزہ اخبار نو کے مینجنگ ایڈیٹر جناب مودود صدیقی صاحب، اسٹار نیوز ٹوڈے کے ایڈیٹر جناب نوشاد احمد صاحب اور مضامین ڈاٹ کام کے عرفان وحید اور خالد سیف اللہ صاحب اور ان تمام اخباروں کے انتہائی شکر گزار ہیں جنھوں نے ہماری رودادِ حج کو نمایاں انداز میں شائع کیا۔ قارئین نے ان مضامین کو بے حد پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ ہم ان تمام قارئین کے بھی انتہائی شکر گزار ہیں۔

اب تھوڑی سی گفتگو عمرہ کی ادائیگی کے تعلق سے۔

جب ہم نے عمرہ کا پلان بنایا تو یہ ارادہ کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ عمرہ کی سعادت بخشتا ہے تو اس سفر کے تاثرات قلمبند کریں گے۔ واپسی پر ہم نے روزنامہ انقلاب میں ایک تاثراتی مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ''وادئ جن کی سیر''۔ مدینہ میں ایک وادی ہے جس کا نام ''وادئ بیضہ'' ہے لیکن وہاں پہاڑوں کی مخصوص بناوٹ اور مخصوص کشش ثقل کی وجہ سے نشیبی علاقہ اونچا دکھائی دیتا ہے اور اونچائی والا نشیب نظر آتا ہے۔ لہٰذا جب موٹر کاریں نشیب کی طرف خود بخود چلتی ہیں تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اونچائی کی طرف چڑھ رہی ہیں۔ اسی لیے زائرین نے اس وادی کا نام وادئ جن رکھ دیا ہے۔ اس کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں بھی لوگوں نے مشہور کر دی ہیں۔ انقلاب میں شائع ہونے والے اس مضمون کو قارئین نے بہت پسند کیا تھا۔ اس کے بعد قارئین نے مزید قسطوں کی فرمائش کی۔

پھر ہم نے ''حرم شریف میں نماز فجر کا ایمان افروز منظر'' کے عنوان سے ایک

مضمون قلمبند کیا جو حرم مکی میں نماز تہجد اور فجر سے متعلق ذاتی اور قلبی تاثرات پر مبنی تھا۔ اسے سینئر صحافی اور ہمارے دوست جناب معصوم مرادآبادی نے اپنے روزنامہ اخبار جدید خبر نئی دہلی میں شائع کیا۔ اسے بھی لوگوں نے بہت زیادہ پسند کیا۔

بعض احباب نے مشورہ دیا کہ ہم سفرِ حرمین کے تاثرات کو مکمل طور پر قلمبند کریں۔ ہم نے وہاں کچھ نوٹس لے لیے تھے۔ ان کی بنیاد پر ہم نے اپنے تاثرات کو قسطوار لکھنا شروع کر دیا۔ معصوم مرادآبادی صاحب نے اسے اپنے اخبار میں ہفتہ واری چھاپنے پر رضامندی ظاہر کی۔ پھر ہم ہر ہفتے ایک قسط لکھتے جو جدید خبر میں شائع ہوتی۔ اس طرح ہم نے آٹھ طویل قسطیں تحریر کیں اور سب اس اخبار میں شائع ہوئیں۔ ہم نے آٹھویں قسط میں سفر واپسی لکھ کر اسے ختم کر دیا تھا۔ ان قسطوں کی اشاعت پر ہم معصوم مرادآبادی صاحب کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہیں۔ دوسرے کئی اخباروں میں اور نیوز پورٹلس پر بھی یہ قسطیں شائع ہوتی رہیں۔ ہم ان تمام اخباروں اور پورٹلس کے مدیروں کے بھی انتہائی ممنون ہیں۔

جب یہ سلسلہ بند ہو گیا تو کئی لوگوں نے اسے اور آگے بڑھانے کی فرمائش کی۔ ان میں دو بہت ہی محترم شخصیات بھی شامل تھیں۔ ایک سینئر اور بزرگ صحافی اور ہمارے کرم فرما جناب عالم نقوی صاحب اور دوسرے جامعہ ہمدرد نئی دہلی کے شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کے استاد اور ہمارے دوست پروفیسر اشتیاق دانش صاحب۔ ہم نے ان دونوں حضرات سے عرض کیا کہ یہ سفر تو بارہ تیرہ دنوں پر مشتمل تھا اور اب تاثرات ختم ہو گئے، اب کیا لکھیں گے۔ دونوں نے یہ مشورہ دیا کہ اس میں کچھ اور تفصیلات ڈال کر کم از کم سو صفحات کی کتاب شائع کر دیجیے۔

پروفیسر اشتیاق دانش صاحب نے ایک بہت اچھا مشورہ یہ دیا کہ جذبات و کیفیات اور وارداتِ قلبی کا بیان تو سبھی کرتے ہیں، آپ نے بھی کیا ہے، لیکن آپ اس میں ایک اور پہلو جوڑ سکتے ہیں۔ وہ پہلو ہے حج و عمرہ سے سعودی عرب کو ہونے والی آمدنی

اور اس آمدنی سے سعودی معیشت پر پڑنے والے اثرات۔ اس کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے۔ ہم نے کہا کہ ہاں موضوع تو بہت اچھا ہے۔ اس پر لکھا بھی جانا چاہیے۔ کیونکہ حج وعمرہ عبادت تو ہیں ہی، یہ ایک قسم کی مذہبی سیاحت بھی ہے۔ حج وعمرہ سے ظاہر ہے سعودی عرب کو بہت زیادہ مالی فائدہ ہوتا ہے اور اس کے اچھے اثرات وہاں کی معیشت پر پڑتے ہیں۔

اس کے بعد ہم نے اس سلسلے میں تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن کہیں سے کچھ بھی مواد ملنا مشکل تھا۔ لیکن بہر حال کسی طرح کچھ حاصل کیا اور ایک مختصر سا مضمون لکھ دیا۔ اسے کتاب کے آخر میں شامل کیا گیا ہے۔ اس میں اختصار کے ساتھ اس کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے کہ حج وعمرہ سے سعودی عرب کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ حج وعمرہ سے متعلق سعودی حکومت کے وژن ۲۰۳۰ء کا بھی ہلکا سا خاکہ پیش کر دیا گیا ہے۔

ہم عالم اسلام کی معروف اور معزز شخصیت جناب شیخ صلاح الدین مقبول احمد کے صمیم قلب سے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہماری ایک ادنیٰ درخواست پر رودادِ عمرہ کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند فرمائے۔ اس سے قبل بھی ہم پر ان کی کرم فرمائیاں رہی ہیں۔ ہم نے تکرار اور طوالت سے بچنے کی خاطر رودادِ عمرہ کا کم از کم نصف حصہ حذف کر دیا ہے۔ ورنہ وہ روداد بجائے خود ایک کتاب کی متقاضی تھی۔ ہم نے یہی بہتر سمجھا کہ دو کتابیں شائع کرنے کے بجائے رودادِ عمرہ کو بھی اس میں ضم کر دیں۔

اس موقع پر ہم ان تمام اعزا واقربا، رشتے داروں، دوست احباب اور کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا اپنے اوپر فرض تصور کرتے ہیں جنھوں نے عمرہ اور حج کی ادائیگی کے دوران کسی بھی طرح ہمارے ساتھ تعاون کیا اور ہمیں اپنی عنایتوں سے نوازا۔ سب سے پہلے ہم عزیزم مولانا محمد شعیب اور ان کی اہلیہ اور ہماری بھتیجی غزالہ کے شکر گزار ہیں جنھوں نے دونوں اسفار میں ہم لوگوں کو یہ احساس ہی نہیں ہونے دیا کہ ہم وطنِ غیر میں

ہیں۔ انھوں نے ہر لحاظ سے ہم لوگوں کا خیال رکھا اور ہم پر اپنی محبتیں اور عنایتیں نچھاور کیں۔ ان کے دونوں بچوں نے بھی ہمیں اس کا احساس نہیں ہونے دیا کہ ہم اپنے پوتے اور پوتی سے دور ہیں۔ ہم مدینہ میں پی ایچ ڈی کے اسکالر مولانا جاوید ندیم صاحب کے بھی شکر گزار ہیں کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ ہمیں مدینہ کے تاریخی مقامات کی زیارت کرائی اور ان کی تفصیلات بتائیں بلکہ بہت اچھی ضیافت بھی کی۔ ہم اپنے سمدھی اور بیٹے سلمان فیصل کے سسر جناب قمر الدین انصاری صاحب اور ان کی اہلیہ کے بے حد شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہماری غیر موجودگی میں نہ صرف ہمارے گھر کا بلکہ ہمارے بچوں کا بھی اپنے بچوں کی مانند خیال رکھا۔ انھوں نے ہم لوگوں کو گھر کی فکر سے بے نیاز کر دیا تھا۔ عزیزم جمال الدین بھی اظہار تشکر کے حقدار ہیں کہ انھوں نے دونوں اسفار میں بہت زیادہ معاونت کی۔ بیٹے سلمان فیصل، بہو شبیہ ناز، داماد عزیزم مسیح الدین، بڑی بیٹی نسیم صبا اور سب سے چھوٹی بیٹی شمع فروزاں کا بھی شکریہ ادا کرنا ہمارا فرض ہے کہ انھوں نے ہم لوگوں کو دوسرے ملک میں تمام تفکرات سے آزاد کر دیا تھا۔ ہمارے پوتے فیحان انجم اور پوتی اقدس فاطمہ بھی بہرحال شکریے کے مستحق ہیں کہ اس دوران ان دونوں نے اہل خانہ کو زیادہ تنگ نہیں کیا۔ ہم اپنی دوسری بیٹی ناہید درخشاں کے بھی، جو کہ ہمارے ساتھ حج کے سفر پر ساتھ گئی تھی، ممنون ہیں کہ اس نے ہم دونوں اور بالخصوص اپنی والدہ کا بے حد خیال رکھا اور مشکل وقت میں ان کا ساتھ دیا اور وہ انھیں تسلی دیتی رہی۔ اگر وہ ہمارے ساتھ نہ ہوتی تو ہمیں خاص طور پر مکہ مکرمہ میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

ان لوگوں کے علاوہ اپنے چھوٹے بھائی قمر جمال انجم مقیم جدہ اور دو اور چھوٹے بھائیوں مولانا آصف ہلال انجم اور ڈاکٹر شمس کمال انجم کے بھی شکر گزار ہیں کہ انھوں نے بارہا خیریت لی اور ہمارے فریضۂ حج کی ادائیگی پر اظہار مسرت کیا۔ ان کے علاوہ مکہ مکرمہ میں مقیم اپنے ہم وطن عزیزم مولانا عبد الرؤف صاحب، قمر جمال انجم کے دوست

جناب محمد ابرار صاحب، اپنے گاؤں کے بچوں مولانا انیس الرحمٰن، نور عالم اور سہیل احمد صاحبان کے بھی ممنون ہیں کہ وہ مکہ میں نہ صرف ہماری خیریت لیتے رہے بلکہ انھوں نے ہم لوگوں کی بڑی خدمت بھی کی۔ خاص طور پر مولانا عبدالرؤف اور محمد ابرار نے ہم لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ ابرار ہمارے مکہ پہنچنے سے قبل ہی فون کر کر کے پوچھتے رہے۔ انھوں نے ہم لوگوں کی اشیائے خورد ونوش کا بھی بہت خیال رکھا۔ ہم ان کے تئیں شکر گزاری کے جذبات پیش کرتے ہیں۔ نور عالم اور سہیل احمد نے وقتاً فوقتاً ہم لوگوں سے ملاقات کر کے ہماری ضرورتیں معلوم کیں اور بڑھ چڑھ کر ہم لوگوں کے ساتھ تعاون کیا اور حتیٰ المقدور مہمان نوازی کی۔ وہاں سے آنے کے بعد بھی وہ لوگ بار بار کال کر کے ہم لوگوں کی خیریت معلوم کرتے رہتے ہیں۔ ہم مکہ میں اپنے روم پارٹنر جناب قمر الدین قریشی صاحب اور ان کی اہلیہ خاتون بیگم کے بھی شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہمارے ساتھ بہت تعاون کیا۔ ہم اپنے ایک اور ساتھی جناب مطلوب رانا صاحب، بیورو چیف ہندی روزنامہ شاہ ٹائمس، نئی دہلی، کے بھی ممنونِ کرم ہیں کہ وہ بوقت ضرورت ہماری مدد کرتے رہے۔ اگر ہم اپنے دوست، انتہائی مخلص انسان اور دہلی اردو اکادمی کے کارکن جناب محمد احمد صاحب کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا نہ کریں تو یہ بڑی ناسپاسی ہوگی۔ جب ان کو ہمارے سفرِ حج پر جانے کا علم ہوا تو انھوں نے نہ صرف یہ کہ انتہائی مسرت کا اظہار کیا بلکہ ہر طرح کا تعاون بھی پیش کیا۔ ان کا یہ تعاون سفر پر جانے سے قبل شروع ہوا، سفر کے دوران قائم رہا اور واپسی پر بھی ملتا رہا۔ اسی کے ساتھ ہم اپنے ایک اور دوست جناب منیر انجم صاحب کے بھی ممنونِ کرم ہیں کہ انھوں نے ہر ضروری موڑ پر ہماری رہنمائی کی۔ مکہ مکرمہ میں بھی اور دہلی میں بھی۔ وہ خادم الحجاج کی حیثیت سے گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے وہاں اپنے فریضے کو بخوبی نبھایا۔ جناب اشفاق عارفی صاحب اور جناب محسن علی صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ہمارے اوپر فرض ہے کہ انھوں نے بھی ہر ممکن ہماری مدد کی۔ محسن صاحب تو واقعی محسن ہیں۔ گویا اسم بامسمیٰ ہیں۔

ہم محترم ڈاکٹر حلیم کوثر چاند پوری اور ڈاکٹر آئی یو خان کے بھی ممنون کرم ہیں جنھوں نے ہماری ایک ادنیٰ سی درخواست پر ہم تینوں کے لیے ہیلتھ اور فٹ نیس سرٹی فلکیٹ بنا کر دیے۔

جن احباب اور محسنین کرام کے نام ہم سے نادانستگی میں رہ گئے ہیں ہم ان سے معذرت خواہ ہیں اور ان کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ہم ڈاکٹر شفقت اعظمی اور پروفیسر عارف علی صاحبان کے بھی دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اپنے گراں قدر خیالات وتاثرات کے لیے وقت فارغ کیا۔ ان دونوں حضرات نے بھی اِسی سال فریضہ حج کی ادائیگی کی ہے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ اگر ان کو اس میں کچھ خامیاں نظر آئیں تو ہمیں ضرور ان سے واقف کرائیں اور انھیں ہماری کوتاہی سمجھ کر معاف کردیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور راقم اور اس کتاب کے قارئین کے گناہوں کو معاف کرے۔ آمین۔

سہیل انجم

تقدیم

ڈاکٹر خورشید احمد شفقت اعظمی

سابق ڈپٹی ڈائریکٹرسی، سی، آر، یو، ایم، نئی دہلی

سفر کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی حضرت آدمؑ کی جنت سے دنیا میں تشریف آوری۔ لیکن ربِ کائنات نے دنیاوی امور کو اتنی وسعت اور تنوع عطا فرمادیا کہ اقبال کو شوخ انداز میں کہنا پڑا:

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

سفر اگر با مقصد ہو تو وجہِ انبساط ثابت ہوتا ہے، خواہ سیاحت یا تفریح ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن بے مقصد سفر بارِ خاطر ہوتا ہے جس میں تھکن کا احساس فزوں تر ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰؑ کا مشہور واقعہ جسے سورۂ کہف میں بیان کیا گیا ہے۔ جب بحکمِ ربی حضرت موسیٰؑ حضرت خضرؑ کی جستجو میں نکلے اور دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو وہیں سو گئے۔ بیدار ہونے کے بعد جب آگے بڑھے تو اپنے ہمسفر سے کھانا طلب کیا اور اس بات کا اظہار فرمایا کہ اپنے اس سفر میں بڑا تعب پایا:

"فَلَمّا جاوَزا قال لِفتٰه آتنا غد آء نا ، لقد لقینا من سفرِنا هذا نَصَباً"

(پھر جب آگے چلے کہا موسیٰؑ نے اپنے جوان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا ہم نے پائی اپنے اِس سفر میں تکلیف)

اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ اگلا سفر بے مقصد تھا۔ کیونکہ تلی ہوئی مچھلی تو وہیں

عجب انداز میں پانی کے بغیر سرنگ بناتی ہوئی چلی گئی تھی جو اس بات کی علامت تھی کہ حضرت خضرؑ وہیں ملیں گے۔ حج کا مقصد تو بہت عظیم ہے بلکہ حاصلِ زندگی ہے۔ انتہائی پرتعب سفر ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ آسان فرمادیتے ہیں کیونکہ مقصد عظیم ہوتا ہے۔ والہانہ بلکہ عاشقانہ انداز میں حاجی جمیع صعوبتوں کو بطیبِ خاطر انگیز کرتا چلا جاتا ہے۔ جس میں مشکلیں بھی راحت افزا ہو جاتی ہیں۔

دنیا کی تقریباً ہر زبان میں سفرنامے لکھنے کا رواج رہا ہے۔ اردو میں بھی بکثرت سفرنامے لکھے گئے۔ نثر میں عجائبات فرنگ اور نظم میں مثنوی نادر کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ تاہم بعد کی تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ میر تقی میر کا منظوم سفرنامہ نہنگ نامہ نادر سے پیشتر لکھا جا چکا تھا۔

حج کا سفرنامہ لکھنے کا چلن بھی نیا نہیں ہے، بالخصوص اردو زبان میں ایک کارواں موجود ہے جس میں اولیائے کرام، علمائے عظام، سیرت نگار اور مفکرین، محققین، مورخین، ادبا اور دانشورانِ علم وفن سبھی شامل ہیں۔ زیرِ نظر سفرنامہ ''باز دید حرم'' کے مصنف کا نام بھی نیا نہیں۔ موصوف اِس کوچے میں پہلی نہیں دوسری بار داخل ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے اولین حج (۲۰۰۷ء) کا سفرنامہ ''پھر سوئے حرم لے چل'' لکھ کر پہلے ہی خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

محبّ محترم جناب سہیل انجم کا نام اردو دنیا میں معروف صحافی کی حیثیت سے کافی روشن ہے۔ موصوف کو قدرت نے تقریر وتحریر دونوں پر بڑی فیاضی کے ساتھ دسترس عطا فرمائی ہے اور یہ ان کی خوش طالعی ہے کیونکہ بالعموم اچھا مقرر اچھا ادیب نہیں ہوتا اور ایک اچھے ادیب کا بہترین مقرر ہونا ضروری نہیں۔ 'ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ ان کے دلنشیں و پرمغز کالم تو مختلف اخبارات و رسائل میں پڑھنے کی توفیق ہوتی رہتی تھی لیکن تقریریں سننے کے مواقع اس وقت ملے جب بیسویں صدی آخری پائیدان پر تھی اور نئی صدی بلکہ نئے الفیہ (New Millennium) کی آمد آمد تھی۔ نئی صدی میں محب کرم جناب ڈاکٹر سید احمد خاں صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا یونانی طبی کانگریس نے کسی

کانفرنس میں باقاعدہ تعارف کرایا تھا۔ ملحوظ رہے کہ ان کے سیمیناروں اور پروگراموں کی نظامت کے فرائض اکثر سہیل انجم ہی نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے ہیں اور صحیح معنوں میں سامعین کا دل جیت لیتے ہیں۔ بلاشبہ ایں سعادت بزور بازو نیست۔ سہیل انجم نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے اردو میں پوسٹ گریجویشن کی تکمیل کے بعد سے اس زبان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ وہ مختلف ادوار میں مختلف اخبارات سے ممتاز حیثیت سے وابستہ رہے ہیں جن میں ہفتہ وار بلٹز بمبئی، اخبار نو دہلی، نئی دنیا دہلی، ہمارا قدم دہلی، اپنا ہفت روزہ دہلی، ملی ٹائمز دہلی، روزنامہ اردو نیوز جدہ (بطور کالم نگار) اور روزنامہ قومی آواز دہلی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ ایک مدت تک صحافتی خدمات انجام دینے کے نتیجے میں موصوف نے اردو صحافت کی صف اول میں جگہ بنالی ہے۔ انھوں نے محض جلبِ منفعت کے لیے اس میدان کا انتخاب نہیں کیا بلکہ زبان و ادب نیز سماج کی خدمت کی خاطر اس کے وسیع و عمیق مطالعہ کے بعد صحافت کا تنقیدی جائزہ لیا۔ ممتاز شخصیات پر قلم اٹھایا، ملک کے سلگتے ہوئے مسائل کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور انگریزی سے اردو میں تراجم بھی کیے۔ نتیجۃً کار اب تک کم وبیش دو درجن مطبوعات منظر عام پر آچکی ہیں جن میں میڈیا روپ اور بہروپ (اردو-ہندی)، میڈیا اردو اور جدید رجحانات، اردو صحافت اور علماء، مغربی میڈیا اور اسلام، احوال صحافت، دہلی کے ممتاز صحافی، مولانا محمد عثمان فارقلیط حیات وخدمات، مولانا محمد عثمان فارقلیط کے منتخب اداریے، دینی رسائل کی صحافتی خدمات وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے آخرالذکر نے راقم الحروف کو بطور خاص متاثر کیا جسے خرید کر میں نے ذاتی کلکشن میں نہ صرف شامل کیا بلکہ اس پر تبصرہ بھی کیا اور اپنے ایک انٹرویو میں اس کا ذکر بھی کیا۔ دونوں چیزیں دہلی سے شائع ہونے والے رسالے اردو بک ریویو میں شائع ہوئیں۔ اس کتاب سے یہ بات بھی منکشف ہوئی کہ موصوف کے سینے میں ایک مومن کا دل دھڑک رہا ہے جو مسلکی تعصبات سے یکسر پاک ہے۔ کیونکہ اس میں ہر مکتب فکر کے رسائل کا احاطہ کیا گیا ہے اور صرف محاسن کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب جب مفتی محمد عبداللہ پھولپوری کو پیش کی گئی تو بے حد خوش ہوئے کیونکہ اس میں ان کے مجلّہ ''فیضان

اشرف'' کا عکس بھی موجود ہے جو مدرسہ بیت العلوم، سرائے میر، اعظم گڑھ سے اب بھی اُسی آب و تاب سے شائع ہو رہا ہے۔ سہیل انجم مختلف اداروں اور تنظیموں سے وابستہ ہیں۔ وہ کئی رسائل کی مجلس ادارت و مشاورت میں بھی شامل ہیں اور زبان و ادب کی خدمت عبادت سمجھ کر کر رہے ہیں۔

اردو دنیا میں سہیل انجم روشن منارہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی دلپذیر تحریریں دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں جو اساتذہ وطلبہ دونوں کے لیے وجہ استفادہ بنتی ہیں۔ لیکن ان کی سب سے بڑی خوبی کے تذکرہ کے بغیر ان کا تعارف ناقص رہے گا اور وہ ہے ان کی خوش مزاجی اور منکسر المزاجی۔ ان کے اندر ترفع اور تمکنت برائے نام بھی نہیں ہے۔ جب بھی ملتے ہیں اخلاص، بھرپور انہماک اور خندہ پیشانی کے ساتھ۔ یہ ادائے دلبری ہر ملنے والے کو گرویدہ بنانے کے لیے کافی ہے۔

سہیل انجم دوران حج خدا جانے کہاں سے اتنا وقت نکال لیتے تھے کہ اپنے تاثرات کو مسلسل قلمبند کرتے جا رہے تھے جو مختلف اخبارات میں شائع بھی ہوتے رہے۔ اس دوران پرورشِ لوح وقلم کا ہی نتیجہ ہے کہ حج مکمل ہونے کے بعد بہت جلد زیر نظر کتاب نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔ اس زودنویسی پر میں حیران رہ گیا کیونکہ یہ سفر نامہ بسیار نویسی کے نقائص سے مبرا ہے۔ انھوں نے دوران گفتگو ایک دفعہ فرمایا تھا کہ میرے احباب بالخصوص پروفیسر خالد محمود نے پہلے سفرنامۂ حج ''پھر سوئے حرم لے چل'' کو دیکھ کر برجستہ فرمایا تھا کہ آپ دوبارہ حج کرنے جائیں گے۔ ان کی یہ پیش قیاسی درست ثابت ہوئی۔ پہلے حج کے تجربات اور اس کے سفر نامہ سے مصنف نے یقیناً بھرپور استفادہ کیا ہوگا۔ نتیجۂ کار اس سفر نامہ یعنی ''بازدیدِ حرم'' میں تجرباتِ سیاحت، ادائیگی فرض اور مشاہدہ و تحریر کے جملہ محاسن سمٹ کر آ گئے ہیں جس سے کتاب مزید جاذبِ دیدہ و دل ہوگئی ہے۔

پیش لفظ ''جاتا ہے داغ کعبہ کو بتخانہ چھوڑ کر'' بڑا پُر مغز اور مصنف کے جذب دروں کا غماز ہے۔ اس کے بعد ١٩ ر عنوانات کے تحت تجربات، واقعات، مشاہدات،

محاکات وتاثرات قلمبند کیے گئے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جابجا غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کیا گیا ہے اور اصل تاریخ دوہرائی گئی ہے۔ مثلاً ایک جگہ انھوں نے لکھا ہے کہ یہ بات کہ شہدا کی لاشیں محفوظ رہتی ہیں صرف تجربے سے ثابت ہے کتابوں کے حوالے سے نہیں۔ مسجد قبا کے ذیل میں اپنی نئی اور قدرے چمکدار سینڈل غائب ہونے کا واقعہ لکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ''شاید کسی نے ہاتھ کی صفائی دکھائی تھی''۔ آگے لکھتے ہیں کہ ''سعودی حکومت نے کم از کم چھ ملکوں کے مسلم متاثرین کو پناہ دی ہے جن میں سب سے زیادہ مراعات برما کے پناہ گزینوں کو حاصل ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ مظلوم ہیں''۔

مسجد قبلتین کے ذیل میں تحویل قبلہ کا اصل واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جنت البقیع، بازار داؤدیہ اور مسجد ترکی وغیرہ کا بھی تذکرہ ہے جس سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ حجاج کرام کی شکایتوں اور پیش آمدہ دقتوں کا تذکرہ بھی حقیقت بیانی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جب کہ حج وعمرہ کی نیت ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عبادت میں دقتیں پیش آتی ہیں جن کو صبر وتحمل سے انگیز کرنا آدابِ حج میں شامل ہے۔ ماضی کے مقابلے میں گوکہ آج بے پناہ سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ دشواریاں بیشتر اژدحام، بالخصوص وہیل چیر کی وجہ سے پیش آتی ہیں۔ اِس سلسلے میں منتظمین کی کمیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مصنف بعض غلط فہمیوں کے ازالہ کے ساتھ ساتھ حج کے مفید رموز و نکات بھی بیان کرتے جاتے ہیں مثلاً:

> ''مزدلفہ میں چاروں طرف کنکریاں پھیلادی گئی ہیں۔ حجاج وہیں سے رمی کرنے کے لیے کنکریاں چنتے ہیں۔ بہت سے حاجی کنکریوں کو دھو لیتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے البتہ بعض علماء نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔''

مدینہ اور مکہ کے بازاروں میں اشیاء کی قیمتوں کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ بالخصوص سیزن میں قیمتیں دوتین گنا بڑھادی جاتی ہیں۔ پھر ایک مضمون کے حوالے

سے ایک دلچسپ قول بھی نقل کیا گیا ہے۔

ہندوستانی حج کمیٹی کی جانب سے عزیزیہ مکہ مکرمہ میں تعینات ایک ڈاکٹر کی بدخلقی اور اس کا علاج بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ اکثر لوگ اس کا شکار ہوتے ہیں۔ دوائیں بھی ضرورت سے بہت کم دستیاب ہوتی ہیں۔ مارکیٹ میں بڑی بڑی فارمیسی اونچی دکان پھیکا پکوان کا منظر پیش کرتی ہیں۔ اول تو زبان کا مسئلہ اردو تو اردو انگریزی بھی سمجھنے سے قاصر بلکہ ہمدردانہ گفتگو کے بھی روادار نہیں۔ ایک دو گولی تو درکنار ایک اسٹرپ بھی نہیں ملتی بلکہ پورا ڈبہ لینا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے اتنی ساری دافع درد (Analgesics)، ملینات (Laxatives) یا دافع حساسیت (Anti Histamin) دواؤں کو لے کر کوئی کیا کرے گا۔ ۲۰۰۷ء میں یہ نقص نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ 'الندیٰ' جیسی فارمیسی کی عالیشان عمارتوں میں دکانیں بالکل سنسان نظر آتی ہیں۔ یوسف ہیں مگر کوئی خریدار نہیں ہے۔ اکثر دواؤں کے برانڈ جو انڈیا میں بکثرت دستیاب ہیں وہاں نہیں ملتے اور ان کے فارماکوپیائی ناموں تک سے فارمیسٹ نابلد ہوتے ہیں۔

اردو کا جلوہ کے زیرِ عنوان تفصیل سے اردو کی فرماں روائی پر روشنی ڈالی گئی ہے جو محبانِ اردو کے لیے بڑی خوش آئند بات ہے۔ راقم الحروف کا بھی یہی تاثر ہے کہ حرمین شریفین میں بیشتر مقامات پر اردو میں بھی جگہوں کے نام لکھے گئے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ عربی کے معاً بعد اردو، اس کے بعد انگریزی یا کسی دوسری زبان مثلاً فارسی یا ترکی وغیرہ کا نمبر آتا ہے مثلاً 'الی الحرم'، حرم کی طرف جانے کا راستہ، 'دورات المیاہ للرجال' وضو خانہ مردوں کے لیے۔ 'دورات المیاہ للنساء' وضو خانہ عورتوں کے لیے وغیرہ۔ اردو کے چلن کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وقفۂ ابلاغ (Communication Gap) کافی حد تک کم ہوگیا ہے اور بالخصوص برصغیر کے حاجیوں کو کہیں بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔

منیٰ کا روح فرسا منظر بیان کرتے ہوئے مصنف نے منظر نگاری اور تمثیل کا اعلیٰ

معیار قائم کیا ہے:

"خیمے کے اندر گئے تو وہاں کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ چوڑے اسفنج کے گدے یوں ملا ملا کر بچھائے گئے تھے کہ ان کے درمیان سوئی بھی نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ ایک حاجی کے حصے میں ایک گدا تھا۔ ہر گدے پر ایک انتہائی گندی سی چادر رکھی ہوئی تھی جس کے روئیں جھڑ جھڑ کر کپڑوں میں چپک رہے تھے۔ ایک خیمے میں بمشکل پچاس افراد کی گنجائش تھی لیکن اس میں ڈیڑھ دو سو حاجیوں کو ٹھہرایا گیا تھا اور طرفہ تماشہ یہ کہ اسی حالت میں پانچ روز قیام کرنا ہے۔ جب سارے گدوں پر حاجی براجمان ہو گئے اور وہ بھی دو سفید چادروں میں تو ایسا محسوس ہوا کہ ہم لوگ انسان نہیں بلکہ Broiler Chiken یعنی مرغ ہیں، جن کو جالیوں والے بکسوں میں ٹھونس دیا جاتا ہے اور پھر بوقت ضرورت انہیں ذبح کیا جاتا ہے۔ مرغ تو ایک ہی بار ذبح کیے جانے کی اذیت سے گزرتے ہیں مگر ہم لوگوں کے سامنے ایسے مراحل بار بار آتے رہے۔ مزید ستم ظریفی یہ کہ گدے ہی پر آپ کو ناشتہ بھی کرنا ہے، کھانا بھی کھانا ہے، چائے بھی پینی ہے، نماز بھی ادا کرنی ہے، اپنا سامان بھی رکھنا ہے، اپنی چپلوں کے رکھنے کا انتظام بھی کرنا ہے اور سونا بھی ہے۔ جگہ اتنی کم کہ کروٹ لینے پر اپنے پڑوسی پر چڑھ جانے کا اندیشہ الگ۔ بقول بشیر بدر:

زندگی تو نے مجھے قبر سے کم دی ہے زمیں
پاؤں پھیلاؤں تو دیوار سے سر لگتا ہے

یہاں صورت حال یہ ہے کہ ہمارے پیر دوسرے حاجیوں کے سر سے لگ رہے ہیں۔"

منظر نگاری کا اس سے بہتر مرقع اور کیا ہوسکتا ہے۔ اس اقتباس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اس فن پر سہیل انجم کی گرفت کتنی مضبوط ہے۔ ہمیں بھی اس دشوار گزار منزل

سے گزرنا پڑا تھا۔ اگر سفر اتنا مبارک نہ ہوتا تو شاید آئندہ کے لیے تائب ہو جاتے۔ سفرِ حج کی روانگی سے پیشتر واٹس ایپ پر بڑے دلکش خواب دکھائے جا رہے تھے کہ اس بار تھری ٹائر سلیپر کی طرح آہنی چارپائیوں کا اہتمام کیا گیا ہے جس سے نہ صرف یہ کہ حجاج کی رہائش آرام دہ ہو جائے گی بلکہ آمد و رفت کے لیے بھی درمیان میں کافی جگہ رہے گی۔ لیکن وہاں پہنچے تو اس کے بالکل برعکس اور روح فرسا منظر دیکھ کر دہشت طاری ہو گئی کہ ایک رات گزارنا قیامت سے کم نہیں چہ جائیکہ پانچ یوم اور اگر بد خلق حاجی مل جائے تو پٹرول کی کمی بھی دور ہو جائے گی۔ یہی حال میرا بھی ہوا۔ کیونکہ چلنے پھرنے کا جو راستہ تھا اس پر حاجیوں کو لٹا دیا گیا تھا۔ پاؤں ذرا سا بھی لگ جاتا تو وہ بڑی درشتی سے پیش آتا تھا۔ میرا بیڈ چونکہ دروازے پر تھا اس لیے رات بھر لوگ کچلتے ہوئے جاتے تھے۔ جھپکی اگر لگتی بھی تھی تو لوگ کچل کر بیدار کر دیتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہو گا کہ وہاں سے نکلنے کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ ہم قید بامشقت کی سزا کاٹ کر رہا ہوئے ہیں۔

کھانے کے نام پر جو زہر سپلائی کیا گیا اسے بھی ضبطِ تحریر میں لا کر حقائق پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ حج کمیٹی والوں نے سعودی حکومت کو اور سعودی حکومت والوں نے حج کمیٹی کو ذمہ دار بتا کر اپنا اپنا دامن چھڑا لیا۔ آئندہ اس کی اصلاح ہو گی یا نہیں؟ حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ حاجیوں کا کوٹہ بتدریج بڑھتا جا رہا ہے۔

حج انتظامات کی کہانی کچھ عام حجاج کرام کی زبانی کافی معلومات آفریں اور حقائق و تجربات سے لبریز ہے۔ اس باب میں کم و بیش ۱۹ حجاج کرام کے تلخ و شیریں تاثرات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں رعایت لفظی اور بزلہ سنجی سے انداز نگارش انتہائی دلکش ہو گیا ہے۔ بالخصوص اردو دوست حضرات سے ملاقات کے تذکرے پر انشائیہ کی چھاپ موجود ہے۔ خاص طور سے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ڈاکٹر عارف علی صاحب سے ملاقات کا ذکر پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ منیٰ و عرفات کے نظارے، رمی کی دشواریاں، طوافِ افاضہ، سعی اور جمرات کے مسائل و حقائق پر عالمانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ ذاکر نگر، نئی دہلی کی مسجد اصلاح کے خطیب اور امام مولانا قاری عارف جمال صاحب نے جو دس روزہ تربیت دی

تھی، جس میں راقم الحروف کو بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی، اس کا ذکر بھی بہت خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔ یہ تجویز برمحل ہے کہ اگر اُن معلومات کو کتابی شکل میں شائع کردیا جائے تو بہت مفید ثابت ہوگا اور دور افتادہ مقامات کے حجاج کرام بھی کافی حد تک مستفیض ہوسکیں گے اور انشاء اللہ شائع بھی ہوگی۔ قاری صاحب نے اپنا عندیہ دوران ٹریننگ ہی ظاہر کردیا تھا۔ یہ درست ہے کہ حج پڑھنے کی نہیں بلکہ سیکھنے کی عبادت ہے۔ لہٰذا بالخصوص نو واردوں کو ممکنہ حد تک ٹریننگ ضرور لے لینی چاہیے۔

مصنف نے اپنے برادر خرد قمر جمال انجم کے دوست محمد ابرار کے مشورہ پر عمل کیا جو درج ذیل ہے:

"لوگ یہاں جوش میں آکر بہت زیادہ عبادت کرتے ہیں۔ روزانہ کئی کئی طواف کرتے ہیں۔ کھانے پینے میں احتیاط نہیں کرتے۔ جس سے وہ بیمار پڑ جاتے ہیں۔ یہاں اگر کوئی بیمار پڑ جائے تو جلد ٹھیک نہیں ہوتا۔ آپ بہت کیجئے گا تو روز ایک طواف معمول بنایئے گا اس سے زیادہ نہیں۔ آپ خود کو ان دنوں کے لیے بچا کر رکھیے گا جن کے لیے آپ آئے ہیں۔"

راقم کو بھی ایک دوست ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے یہی مشورہ ۲۰۰۷ء کے حج کے وقت دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ لوگ جاتے ہی دھکا دھک نفلی عمرہ اور طواف کرنے لگتے ہیں۔ نتیجۃً کار حج کی منزل آتے آتے سارا جوش و خروش ختم ہوجاتا ہے اور بسا اوقات حج کے مراحل بہ طیب خاطر انجام نہیں دے پاتے۔ واقعی یہ مشورہ صائب ہے۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو ہجوم کا مسئلہ بھی کافی حد تک کم ہوسکتا ہے۔ کتاب میں کچھ ناپسندیدہ حرکتوں کا بھی ذکر ہے اور خوشگوار مناظر کا بھی۔ میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ امسال خواتین کی تعداد نسبتاً زیادہ تھی۔ جس کی ایک بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ محرم کا لزوم سعودی حکومت نے ختم کردیا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ خواتین دائیں سے بائیں صف بندی کرکے چلتی ہیں بالخصوص مطاف (صحنِ حرم) میں جسے مردوں کے لیے عبور کرنا عام طور سے ممکن نہیں ہوتا چہ جائیکہ پیچھے سے لوگ دھکا مکی بھی کرتے رہتے ہیں۔

ملحوظ رہے کہ ہمارے واٹس ایپ پر اور تربیتی کیمپوں میں بھی بار بار متنبہ کیا گیا تھا کہ وہاں سیلفی یا فوٹو گرافی، ویڈیو گرافی وغیرہ سے گریز کیا جائے۔ یہ فعل غیر شرعی تو ہے ہی، فون بھی چھین لیا جائے گا۔ لیکن حقیقت کچھ اور ہی نکلی۔ کافی لوگ اپنی عبادت کی حرمت کو پامال کرتے ہوئے نظر آئے لیکن کوئی دار و گیر نہیں۔ کتاب میں حرمین کے تقدس اور سیلفی کے جنون کے زیرِ عنوان اسمارٹ فون کی لعنتوں پر بڑی تفصیل سے ناقدانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔

حرمین میوزیم کے ذیل میں کسوا فیکٹری کا بھی ذکر ہے جہاں غلاف کعبہ بنایا جاتا ہے۔ اس کا تذکرہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ ماضی میں مختلف بیرونی ممالک بشمول ہندوستان سے یہ پردے آتے تھے۔ لیکن اب اس کی سعادت صرف سعودی عرب کو حاصل ہے۔

مکہ کلاک ٹاور کے ذکر کے بغیر سفرنامہ نامکمل رہتا جو اب وہاں کی شناخت بن گیا ہے۔ یہ بہت دور سے حتیٰ کہ مسجد عائشہ اور جدہ کے قریب سے بھی نظر آتا ہے۔ اس سے ۲۰-۲۱ کلومیٹر کے دائرے میں سمت قبلہ متعین کرنے میں بھی آسانی ہوتی ہے اور قطب نما کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بالخصوص ہندوستانی حاجیوں کے لیے۔ کیونکہ ہندوستان سے قبلہ پچھم کی طرف ہے جب کہ کعبہ کے اطراف و جوانب میں سمتیں بدلتی رہتی ہیں۔ میں نے محلّہ اجیاد کے ہوٹل فندق الرافدین الماسی میں اہلیہ سے کہا کہ فون میں ٹائم بھی آتا ہے، لہٰذا اگر اذان کی آواز نہ آئے تو دیکھ کر نماز پڑھ لیا کریں۔ لیکن گرین زمرہ میں ہمارا ہوٹل ایک کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہونے کے باوجود اپنے بیڈ کی کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اذان کی آواز صاف سنائی دیتی ہے، ٹائم بھی یہیں سے دیکھ لیتی ہوں۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو واقعی ایسا معلوم ہوا کہ بُعد مکانی ختم ہو گیا ہے اور ٹاور اپنی بلندی کے سبب بلڈنگ سے متصل ہے۔ ٹاور اپنی رفعت اور سبز روشنی کے ساتھ عجب بہار دکھا رہا تھا اور اس پر گردش کرنے والی دعائیں بآسانی پڑھی جا سکتی تھیں۔ مکہ کلاک ٹاور کے زیرِ عنوان الحاج سہیل انجم نے اتنی اہم معلومات فراہم کی ہیں کہ قاری ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا ہے۔

اس میں اُن کے تحقیقی ذہن کی کارفرمائی بھرپور انداز میں جلوہ گر ہے۔

''حجاز اور اہل حجاز۔ تب اور اب'' باب بھی بڑا معلومات آفریں ہے۔ عہد قدیم سے لے کر اب تک کا سفر قاری محویت ومحبوبیت کے عالم میں طے کرتا ہے۔ اسے ہم ان کے اعجاز فن کے علاوہ اور کس چیز سے تعبیر کر سکتے ہیں؟ مکہ میں پہاڑوں کے کاٹنے کا سلسلہ تیزی سے منصوبہ بند طریقے سے جاری ہے۔ حتیٰ کہ اس کے لیے امریکہ سے درآمد کیا ہوا کیمیکل برسادیا جاتا ہے جس کے بعد پورا کوہستانی سلسلہ مطلوبہ حد تک راکھ میں تبدیل ہو جاتا ہے جسے ہٹا کر زمین کو ہموار کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے لرزہ خیز نتائج کی پیش قیاسی سہیل انجم کے مخصوص اسلوب میں ملاحظہ فرمائیے:

''اللہ نے زمین پر جو میخیں گاڑی ہیں، آج کا انسان ان کو ختم کرتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پہاڑوں کو ایسا کر دیں گے کہ وہ چلنے لگیں گے۔ وہ روئی کے گالے کی مانند اڑیں گے۔ لیکن ان پہاڑوں کی کٹائی دیکھ کر ہمیں یہ خیال پریشان کرتا رہا کہ اللہ جب ان کو چلائیں گے تب چلائیں گے، انسان تو ابھی سے انہیں چلا رہے ہیں۔ وہ ابھی سے انہیں روئی کے گالے کی طرح اڑا رہے ہیں۔ اللہ نے جو میخیں ٹھونکی ہیں آج کا انسان اُن کو اکھاڑ رہا ہے، انہیں نیست و نابود کر رہا ہے۔ کیا یہ سب قرب قیامت تو نہیں؟''۔

اس سے ان کی وسعتِ مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ بلاشبہ قرآن وحدیث پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔

''مکہ۔ جدہ۔ دہلی'' میں مسائل اور وسائل کا ذکر بڑی خوبی سے کیا گیا ہے۔ حاجیوں کی بدعملی کے سبب بھی بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور بہت سے مسائل انتظامیہ کے عدم التفات کا شاخسانہ ہوتے ہیں۔ بہر حال مسائل بھی یہی لوگ پیدا کرتے ہیں اور وسائل بھی یہی فراہم کرتے ہیں۔ بہت سے حاجی نامساعد سے نامساعد حالات میں بھی حواس باختہ نہیں ہوتے اور دوسرے پریشان حال ساتھیوں کے لیے سہارا بن

جاتے ہیں محض اللہ کی رضا کے لیے۔ یہ بھی بہت بڑی خوش طالعی ہوتی ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

"عازمین حج کی ٹریننگ اور ضروری امور" کا باب تفصیلی ہے جس میں جزئیات و کلیات دونوں کا احاطہ کرنے کے ساتھ ساتھ ذاتی تجربات و مشاہدات کو بھی قلمبند کیا گیا ہے۔ اس کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے آخر میں رقم طراز ہیں:

> "عازمین حج کا یہ سوچ کر کہ وہ تو سب کچھ جانتے ہیں ایسی ٹریننگوں کا حصہ نہ بننا بڑے خسارے کی بات ہے۔ گوکہ کسی کو سارے مسائل وفضائل معلوم ہوں پھر بھی اگر وہ ان تربیتی کلاسوں میں شرکت کرلے تو اس کا کیا بگڑے گا۔ اس کو ایسا کچھ نہ کچھ تو مل ہی جائے گا، جس سے وہ اب تک محروم تھا۔"

کتاب کے اختتام پر حج وعمرہ سے ہونے والی آمدنی کے سعودی معیشت پر اثرات، سعودی حکومت کے بعض اہم اعلانات اور حج وعمرہ وژن ۲۰۳۰ عنوان کے تحت بہت معلوماتی مواد فراہم کیا گیا ہے۔ جب کہ اس طرح کے اعداد وشمار بالخصوص سعودی عربیہ میں حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔ کیونکہ انھیں مصلحتاً پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔

مذکورہ تینوں موضوعات پر خامہ فرسائی سے پیشتر اس قلیل المدتی عمرہ کی روداد کی تلخیص پیش کی گئی ہے جسے موصوف نے ۱۷ تا ۲۸ فروری ۲۰۱۷ء میں یعنی ایک سال پیشتر ادا کیا تھا۔ لیکن کتاب بوجوہ شائع نہ ہوسکی۔ جب کہ اولین سفرنامۂ حج ۲۰۰۷ء "پھر سوئے حرم لے چل" پہلے ہی شائع ہو چکا تھا۔ زیرِ نظر کتاب حج کا سفرنامہ ہی نہیں بلکہ اس میں رپورتاژ بھی ہے اور انشائیہ بھی۔ زبان کوثر وتسنیم میں دھلی ہوئی ہے۔ سلاست اور روانی کا یہ عالم ہے کہ اس پر کسی آبشار کا گمان ہوتا ہے۔ منظر نگاری ایسی کہ جملہ مناظر اور کردار زندہ ہوکر چشم تصور کے سامنے نمودار ہوجاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اب بھی حالتِ احرام میں ہیں۔ طواف وسعی میں مصروف ہیں۔ مدینہ، مکہ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور پھر منیٰ اور آخر میں مکہ بلکہ جدہ ایرپورٹ سے لے کر دہلی ایرپورٹ تک ہم سہیل انجم کے قدم بہ

قدم چل رہے ہیں۔

میرے خیال میں ہر حاجی کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے جو نہ صرف اُسے خود اپنی روداد معلوم ہوگی بلکہ معلومات میں یک گونہ اضافہ بھی ہوگا اور جن لوگوں نے ابھی تک حج نہیں کیا ہے انہیں بھی کافی رہنمائی حاصل ہوگی اور حج کی سعادت حاصل کرنے کی تڑپ دل میں پیدا ہوگی۔ میں مصنف کی اِس دلآویز پیشکش پر صمیم قلب سے ہدیۂ تہنیت پیش کرتا ہوں۔ امید کہ وسیع مطالعہ، گہرے مشاہدہ اور بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ لکھا گیا سہیل انجم کا یہ منفرد سفرنامہ علمی، ادبی اور دینی حلقوں میں یکساں مقبولیت حاصل کرے گا۔ اس طرح ان کے جذبۂ تصنیف وتالیف کی مناسب داد بھی مل سکے گی۔

مشاہداتِ سفرِ حج

پروفیسر عارف علی
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے حج کمیٹی آف انڈیا نے جب ہماری درخواست پہلی ہی دفعہ میں منظور کر لی تو وہ اسلامی تاریخ جو ہم بچپن سے پڑھتے آرہے تھے، ذہن میں فلم کی طرح چلنے لگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مکی اور مدنی حالات نگاہوں کے سامنے مسلسل تصویر کی مانند سامنے آنے لگے۔ میں اور میری بیگم ڈاکٹر ثروت علی دعائیں اور وظائف یاد کرنے لگے۔ ہمارے احباب مختلف قسم کے اپنے تجربات سے ہمیں آگاہی دینے لگے اور کچھ نے تو دعاؤں کے ساتھ ساتھ ارکان حج کی کتاب بھی تحفتہً دی۔ غرضیکہ گہما گہمی کا عالم رہا۔

سرزمین حجاز پر ہماری آمد پہلے مدینہ منورہ میں ۱۸۔۱۹ر جولائی کی شب میں ہوئی۔ ہماری بس جب ہمیں ہوائی اڈے سے ہوٹل کی جانب لے جا رہی تھی تو چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد جب بس نے ایک موڑ لیا تو اچانک مسجد نبوی کے روشن مینار نظر آنے لگے۔ تجلیوں کی اس ہماہمی نے ہمارے جسم کے ہر خلیے میں نئی جان سی پھونک دی۔ اگلی صبح جب ہم مسجد کے صحن میں پہنچے تو تقریباً دوڑتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے۔ ہم نے نماز کے لیے روضۂ مبارک سے قریب تر جگہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ چونکہ ابھی موسم حج کی ابتدا تھی اس لیے کامیابی بھی مل گئی۔ اس وقت میری جو ذہنی و روحانی کیفیت تھی وہ ناقابل بیان ہے۔ بار بار یہی خیال آتا تھا کہ مجھ جیسا گناہگار اس مقام پر کھڑا ہے جہاں سرورِ کائنات اپنے جلیل القدر صحابہ کرام کے جلو میں اپنے شب و روز گزارتے تھے اور اسلام کے پیغام کو پوری دنیا میں پھیلانے کے

لیے صبح شام سرگرداں رہتے تھے۔ کیا روح پرور سماں تھا کہ سامنے ریاض الجنہ، برابر میں اصحابِ صفہ کا چبوترہ اور سیدھے ہاتھ پر سرور کائنات کا منبر جہاں سے آپؐ امامت کیا کرتے تھے اور دنیا کو اللہ کی وحدانیت کا پیغام دیا کرتے تھے۔

دس روز کے بعد ہم بذریعۂ بس مکہ مکرمہ پہنچے اور تمام راستے یہی سوچتے رہے کہ ممکن ہے کہ یہ وہی راستہ ہو جس سے آنحضرت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تھے جہاں اب کشادہ سڑکیں بن گئی ہیں۔ عمرہ کے فریضہ سے فارغ ہوئے اور چونکہ ایام حج ابھی دور تھے لہٰذا خانۂ کعبہ کے اطراف میں گھوم پھر کر اپنی حقیر سی معلومات کی بنیاد پر اسلام کے اولین دور کے تاریخی مقامات ڈھونڈنے لگے۔ اس وقت ہمیں اپنے مدرسہ ابتدائی اور مدرسہ ثانوی کے اسلامیات کے اساتذۂ کرام کی بہت یاد آئی۔ گو کہ وہاں کا جغرافیہ اب یکسر بدل گیا ہے باوجود اس کے ہم نے چند مقامات کا اندازہ لگایا اور وہاں جا جا کر دعائیں کیں۔ ہمیں اس قبرستان کی تلاش بھی تھی جہاں دور جاہلیت میں اہل عرب اپنی نو زائیدہ بچیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ معلوم یہ ہوا کہ اگر مسجد الحرام کے باب فہد سے نکل کر تقریباً پانچ سو میٹر سیدھے چلتے رہیں تو ایک کشادہ سڑک ملتی ہے جو ایک فلائی اوور سے منسلک ہے۔ وہیں پر بس اڈہ ہے۔ جدہ اور طائف جانے کے لیے وہیں سے ٹیکسیاں بھی ملتی ہیں۔ وہاں پانچ ستارہ ہوٹلوں کی قطار بھی ہے۔ اس فلائی اوور کے سیدھے ہاتھ پر ایک بڑا سا میدان ویران پڑا ہوا ہے جو چاروں طرف سے اسٹیل کی ریلنگ سے گھرا ہوا ہے۔ یہی وہ قبرستان ہے اور اس میں آج بھی پتھروں کے چند ڈھیر نظر آتے ہیں جو غالباً قبروں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس اجاڑ میدان کے ایک طرف مسجد الحرام ہے اور دوسری طرف اونچے اونچے اور مہنگے ہوٹلوں کی قطار۔ لیکن اس جگہ کو خالی چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ نہیں معلوم، لیکن گمان غالب ہے کہ اس قبرستان کی عبرتناک تاریخ کے پیش نظر ایسا کیا گیا ہوگا۔

ہم حج کمیٹی آف انڈیا کے توسط سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے گئے تھے۔ حج کمیٹی کے انتظامات بظاہر تو مناسب تھے لیکن اس کے باوجود بہت سی کمیاں اور کوتاہیاں

تھیں۔ لیکن یہاں جو بات کہنی مطلوب ہے وہ ہمارے ساتھ حج پر جانے والے ساتھیوں کے بارے میں ہے۔ میں چونکہ ہمیشہ کسی نہ کسی یونیورسٹی سے منسلک رہا اس لیے میں نے اپنے ساتھیوں اور بالخصوص اتر پردیش کے عازمین کے بارے میں جن باتوں کا مشاہدہ کیا وہ میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ حضرات جو ان مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے آئے تھے وہ بلاشبہ ان کے تقدس سے بھی آشنا رہے ہوں گے مگر وہ اسلام کے اس سبق سے مطلق نا آشنا تھے کہ دوران سفر اپنے ہمسفروں سے کیسے پیش آنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے اندر سماجی بیداری کا شعور عنقا تھا۔

اس سفر کے دوران مجھے اپنے ساتھیوں کے برتاؤ کا بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ ان کی سماجی بے حسی کو دیکھ کر علیگڑھ مدرسۂ فکر کے بانی سید احمد خاں کے وہ الفاظ میرے ذہن میں تازہ ہو گئے جو وہ دیوبند مدرسۂ فکر کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نقطہ نظر کے جواب میں کہا کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے المناک حادثے کے بعد بالخصوص مسلمانان ہند میں جو پژمردگی، بے حسی اور بے عملی پیدا ہو گئی تھی اس کے مدنظر سید احمد خاں کا نظریہ یہ تھا کہ جس راستے پر چلنے کی تلقین انھیں علمائے کرام فرما رہے ہیں اس پر چلنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ راہ تو معدودے چند افراد ہی اپنائیں گے اور پوری ملت شکستہ ہو کر بیٹھ جائے گی اور اس کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا، نہ دنیا نہ دین۔ سید احمد خاں کا ایک قول اکثر دوہرایا جاتا ہے کہ ”دین کھونے سے صرف دین ہی ہاتھ سے جاتا ہے، دنیا کے کھونے سے دین اور دنیا دونوں جاتے ہیں“۔ سید احمد خاں نے جس راستے کا انتخاب کیا وہ سہل، خوشگوار اور دل خوش کن نہیں تھا۔ اس میں مایوسی، ہمت شکنی اور پسپائی کے امکانات اور اسباب بہت زیادہ تھے۔ خاص کر ملت کی بے حسی، تقلید بیجا، کاہلی، ذہنی تعصبات اور کج روی کے سنگ گراں تھے جن کو عبور کرنا بے انتہا مشکل تھا۔ سید احمد خاں نے مسلمانوں میں ذہنی بیداری پیدا کرنے اور ان کے اندر سائنٹفک نقطۂ نظر کی ترویج جیسے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے اپنی تمام زندگی کو تج دیا۔ ان کی یہ کاوش بارآور تو ہوئی لیکن اس کا تناسب بہت کم رہا۔ اس مختصر تمہید کے ساتھ دوران سفر کے

میرے اپنے تجربات و مشاہدات اس بات کے غماز ہیں کہ ہماری قوم کو ابھی مزید رہنمائی کی ضرورت ہے۔ سید احمد خاں کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے ہمیں ان جیسے بہت سے رہبر و رہنما چاہیے۔

آغاز سفر سے قبل، سفر کے دوران اور سرزمین حجاز پر پہنچنے کے بعد بھی ہمیں یہ بتایا جاتا رہا کہ مسجد حرام میں ایک نفل پڑھنے کا ثواب دوسری عام مسجدوں کے مقابلے میں ایک لاکھ گنا ہے لہٰذا کوشش یہ رہے کہ نوافل کثرت سے ادا کریں۔ ہم نے بھی یہ بات گرہ میں باندھ لی۔ ایک بار ہمارے ایک شاگرد ہمیں جدہ سے مکہ مکرمہ اپنی کار سے پہنچانے آئے تو انھوں نے بھی کہا کہ جب بھی موقع ملے فرائض کے بعد نفل ضرور پڑھیں۔ انھوں نے بھی ایک لاکھ گنا ثواب کی تصدیق کی۔ بہر حال وہ خطۂ زمین ایسا ہے کہ انسان اپنے آپ کو بھول کر خالق مطلق کی حقانیت کا اعتراف کرتا ہے اور اس ذات مطلق کی وحدانیت پر اس کا یقین مزید پختہ ہو جاتا ہے۔ دنیا کی مشغولیات فراموش کر کے عبادات کی مشقت کو دل و جان سے قبول کرتا ہے۔ اس رشد و ہدایت کے مرکز میں عازمین اپنے شوق و تمنا کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن ان روح پرور شب و روز میں بھی لطائف وظرائف رونما ہوتے رہتے ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جوں جوں ایام حج قریب آتے جاتے ہیں نوافل کی ادائیگی کے ثواب میں لاکھ گنا اضافہ کے ساتھ ساتھ ہر چیز کے دام بھی بتدریج بڑھتے جاتے ہیں۔ ویسے تو بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ لیکن اس کی سب سے عمدہ مثال ٹیکسی کرائے میں اضافہ کی شرح ہے۔ خانۂ کعبہ کے نواح میں ایک محلّہ ہے ششین۔ ہم وہاں سے بذریعۂ ٹیکسی حرم شریف آتے تھے اور ٹیکسی والے کبھی دو ریال تو کبھی تین ریال فی کس کرایہ لیتے تھے۔ لیکن حج کے دن قریب آتے آتے یہ رقم پندرہ اور بیس ریال تک آ پہنچی۔ حد تو تب ہو گئی جب بارہ ذی الحجہ کو ہم حرم شریف سے ستین جا رہے تھے تو ٹیکسی والوں نے دو سو ریال مانگے۔ ہم اتنا کرایہ نہیں دے سکے اور پیدل چلنے لگے۔ تقریباً نصف فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک پاکستانی ڈرائیور نے ہمارے اوپر ترس کھا کر پچاس

ریال میں ہمیں ہماری منزل تک پہنچایا۔ گویا ثواب کے ساتھ ساتھ کرائے میں بھی اسی تناسب میں اضافہ ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ عازمین حج کے سفر میں آنے والی رکاوٹیں دور کرے اور ان کے لیے حج کے فرائض انجام دینے میں مزید سہولت پیدا کرے اور ان کے حج کو حج مبرور بنا دے۔ آمین۔

اس کتاب کے حوالے سے میں کہنا چاہتا ہوں کہ یہ بات میرے لیے باعث مسرت تھی کہ جناب سہیل انجم جیسے نامور صحافی و دانشور ہم رکاب تھے۔ ان کی موجودگی سے نہ صرف سفر میں سکون میسر آیا بلکہ ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع بھی ملا۔ انھوں نے جب مجھے اس سفرنامے کا مسودہ پڑھنے کے لیے دیا تو یہ کچھ اس انداز میں لکھا گیا ہے کہ میں نے صرف دو راتوں میں پورا مسودہ پڑھ لیا۔ انھوں نے بہت ہی دلکش اور آسان زبان میں ایام حج کے واقعات و مشاہدات کا احاطہ کیا ہے۔ انھوں نے قارئین کو نہ صرف حج کے ارکان سے متعارف کرایا ہے بلکہ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے جغرافیہ سے بھی آگاہی فراہم کی ہے۔ جس ماہرانہ انداز میں انھوں نے تقریباً ۴۵ دنوں کی سرگرمیوں کو تحریر کا جامہ پہنایا ہے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ان کی بیباک، عالمانہ اور پُر مغز تحریر کا معترف ہونا ہی پڑتا ہے۔

جناب سہیل انجم میری زندگی میں آنے والی ان چند شخصیات میں سے ایک ہیں جن سے اگر میں متاثر نہ ہوتا تو بڑی کم نظری و محرومی ہوتی۔ اس اہم کتاب میں میرا ذکر ان کی فراخ دلانہ طبیعت کا ثبوت ہے اور میرے لیے باعث افتخار ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی صحت کو دوام عطا فرمائے اور ان کا بیباک و بے تکان قلم اسی طرح نئے نئے موضوعات پر ہماری معلومات میں اضافہ کرتا رہے۔ آمین۔

حرفِ چند

شیخ صلاح الدین مقبول احمد

کئی بار حج کی سعادت نصیب ہونے کے بعد بھی انسان کو معلوم نہیں ہو پاتا ہے کہ روحانیت میں ڈوبے ہوئے جذباتی سفر کا نام حج ہے یا جذبات میں ڈوبے ہوئے روحانی سفر کا نام حج ہے یا دونوں کے مجموعے کا نام حج ہے۔

بہر کیف اس رکن کی فرضیت مالی استطاعت اور جسمانی قوت پر منحصر ہے۔ جس طرح اقرارِ شہادتین کا تعلق اعتقاد سے ہے، صوم وصلوٰۃ بدنی عبادات ہیں اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور حج مالی اور بدنی دونوں کا متقاضی ہے۔ مالی گنجائش موجود نہ ہو تو حج فرض نہیں۔ مالی طاقت موجود ہے لیکن جسمانی قوت مفقود ہے تو وہ حج بدل کروائے۔

صحت وعافیت اور مال و دولت کی فراوانی کے باوجود بھی اگر اللہ کی توفیق شامل حال نہ ہو تو اس فریضے کی ادائیگی ممکن ہی نہیں۔ لیکن یہ ان خوش نصیبوں کے لیے آسان ہے جنھوں نے ازل میں ہی ربِّ کعبہ کے حکم سے معمارِ کعبہ کی آواز پر لبیک کہا ہے:

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں

اس فریضے سے دنیا میں انسان کی طہارت و پاکیزگی اور آخرت میں نجات کا مسئلہ جڑا ہوا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

''گفتار و کردار کی آلودگی سے پاک حج، نومولود کی طرح انسان کی پاکیزگی کا ضامن ہے۔'' (متفق علیہ)

''حج وعمرہ برابر کیا کرو، یہ دونوں فقر و فاقہ اور خطاؤں کو ایسے ہی زائل کرتے ہیں جیسے لوہار کی بھٹی لوہے کے مورچے کو زائل کر دیتی ہے۔'' (ترمذی)

کتاب وسنت میں وارد حج وعمرہ کے فضائل کی حصولیابی کے لیے اہل توفیق ہمیشہ

کمربستہ رہتے ہیں۔ مزید برآں اہل قلم حجاج کرام اپنے اس روحانی سفر کی روداد کو بھی صفحۂ قرطاس پر ثبت کردیتے ہیں۔ قدیم زمانے سے یہ دستور رہا ہے۔

فاضلِ گرامی جناب سہیل انجم سینئر صحافی، قلمکار اور باذوق مصنف ہیں۔ جب ان کو حج کی سعادت حاصل ہوئی تو ان کا سفرنامہ بعنوان ''پھر سوئے حرم لے چل'' منصۂ شہود پر آیا۔ اس دعائیہ عنوان کو اللہ نے شرف قبولیت سے نوازا اور وہ عمرہ کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے تو روداد عمرہ بھی حیطۂ تحریر میں آگئی، جو ایک طرف دلچسپ اور پراز معلومات ہے تو دوسری طرف جذبے کی صداقت نے اسے پرتاثیر بنادیا ہے:

کیا خوب برق تو نے دکھایا ہے زورِ طبع
کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کر

ممکن ہے اس روداد میں دوسروں کے لیے نہ جذبات کو برانگیختہ کرنے کی کوئی بات ہو اور نہ ہی اس میں دلچسپی کا کوئی سامان لیکن اس میں وارد تاریخی، جغرافیائی اور تمدنی معلومات کی فراوانی کو کیسے نظرانداز کیا جاسکتا ہے؟

کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ان امور کا حج سے کیا تعلق ہے؟ عرض ہے کہ جس خطۂ ارض میں دیار حرمین ہے انھیں میں حج کے مشاعر ومناسک ہیں اور انھیں سے ہماری تاریخ وابستہ ہے۔

حسن جس رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے
اہل دل کے لیے سرمایۂ جاں ہوتا ہے

مزید برآں اس روداد کی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں اسلامی اور شرعی معلومات کی صحت کا بھی خیال ملحوظ ہے جو ان کے ماحول اور خانوادے کا رہین منت ہے۔

والد گرامی (ڈاکٹر حامد الانصاری انجم رحمہ اللہ) مستند عالم دین، شعلہ بیان مقرر، قادرالکلام شاعر، صاحب طرز انشاپرداز، ادیب اور صحافی تھے۔ برادرِ خرد (ڈاکٹر شمس کمال انجم مدنی) بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی راجوری میں شعبۂ عربی کے صدر اور معروف مصنف اور شاعر ہیں۔ بڑے بھائی جناب حماد انجم ایڈووکیٹ مرحوم ایک صاحب طرز

ادیب اور اعلیٰ پائے کے شاعر تھے۔ صاحب زادے سلمان فیصل سلمہ علوم شریعت کے فارغ التحصیل اسکالر ہیں۔ انھوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی سے پی ایچ ڈی کی ہے اور دہلی ہی میں تدریس کے پیشے سے وابستہ ہیں۔

قدرت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ سہیل صاحب کو اس روداد میں عربی سے عدم واقفیت کا احساس دامن گیر ہے۔ اگر وہ عربی جانتے تو یقیناً یہ روداد مزید دلچسپ اور معلومات افزا ہوتی۔ مصرعے میں تصرف کے ساتھ:

ع زبانِ یارمن ''عربی'' ومن ''عربی'' نمی دانم

غلاف کعبہ سے متعلق یہ تاریخی واقعہ شاید کم ہی حضرات کو معلوم ہو کہ ۱۹۲۸ء میں غلاف کعبہ ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کی نگرانی میں شہر امرتسر میں بنایا گیا اور حج سے قبل اسے مکہ مکرمہ بھیجا گیا۔ شاید مسلمانان ہند کے لیے یہ شرف واعزاز اول وآخر تھا۔ پھر ہندوستانی دستکاروں کی بنیاد پر ہی ''غلاف کعبہ فیکٹری'' قائم ہوئی۔ اس کتاب میں اختصار کے ساتھ یہ تاریخی واقعہ بھی درج ہے:

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

فاضل مصنف کا صحافیانہ تجسس کہیے کہ انھوں نے جہاں سعودی معیشت پر حج وعمرہ سے ہونے والی آمدنی کے اثرات کا ذکر کیا ہے وہیں وژن (VISION 2030) کا خلاصہ بھی پیش کر دیا ہے۔ فی الحال عمرہ زائرین کی سالانہ تعداد ۷۰؍لاکھ ہے۔ وژن 2030 میں اسے تین کروڑ سالانہ کرنے کا پروگرام ہے:

اولوالعزمانِ ہمت جب کبھی کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں کوہ سے دریا بناتے ہیں

آداب سفر بطور خاص سفر میں رفقائے سفر کی دلجوئی ودلداری انسان کے اخلاق و آداب کی غماز ہے اور حج جیسے روحانی سفر میں تو مصرعہ (دل بدست آور کہ حج اکبر است) کا ذائقہ ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔

جناب سہیل انجم نے آداب سفر سے متعلق اپنے ایک ہم سفر ''مفتی صاحب'' کی لاپروائی کا تذکرہ تقریباً دو صفحات میں کیا ہے، پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ مفتی صاحب ایک پیراگراف کے بھی لائق نہیں:

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

چلتے چلتے یہ بھی بیان کر دوں کہ سفر عمرہ کی ابتدا میں سہیل انجم کا بخار کتاب میں ایک معمہ معلوم ہوگا جو ''قدرت اللہ شہاب'' کی سکوت آمیز مختصر کلامی اور ''ممتاز مفتی'' کے سفر حج کی تیاری سے کم معمہ نہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ تلاش بسیار کے باوجود اس کا تذکرہ بعد میں نقاہت کی صورت میں ملا کیونکہ ہمتِ مردانہ کے سامنے اسے خود سپر انداز ہونا پڑا تھا اور وہ دلی ایئرپورٹ سے مایوس ہو کر واپس آ گیا تھا۔

ع توفیق بہ اندازۂ ہمت ہے ازل سے

راقم اس تحریر کو فاضل گرامی جناب سہیل انجم (وفقہ اللہ) کی اس لالچ بھری دعا پر ختم کرتا ہے جو انھوں نے واپسی کے وقت اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر پہنچنے کے بعد کی: ''اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ایک بار پھر اس سرزمین مقدس کی زیارت کروائے اور جو مسلمان اپنے دل میں اس کی خواہش رکھتے ہوں ان کی بھی خواہشیں پوری ہوں۔''

چونکہ یہ لالچ ختم ہونے والا نہیں جیسا کہ تجربے نے ثابت کر دیا ہے تو پھر ''ایک بار'' کی قید لگا کر اللہ کی رحمت بے پایاں کو محدود کرنے کا کوئی جواز نہیں:

ع بڑھتا ہے یہاں ذوقِ گنہ ہر سزا کے بعد

اللہ نے حج کی سعادت بخشی تو دعا ہوئی ''پھر سوئے حرم لے چل''، عمرہ بھی کیا، اب کہہ رہے ہیں ایک بار پھر۔ ربِّ کائنات سوال سے خوش ہوتا ہے اور سوالی کا مقام و مرتبہ اس کے یہاں دوبالا ہوتا ہے لہٰذا اس سے بلا قید و شرط سوال کیا جائے۔ اب میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سہیل انجم صاحب اور ہم سب کو یہ سعادت بار بار نصیب فرمائے۔ آمین

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

سرزمین مدینہ اور حجاج کرام

دنیا بھر سے حجاج کرام قافلہ در قافلہ مدینہ ایئرپورٹ پر اتر رہے ہیں۔ وہاں ضروری کاغذی کارروائیوں کے بعد انھیں ان کے ہوٹلوں میں لے جایا جارہا ہے۔ ہم بھی سعودی ایئر لائنس کی فلائٹ SV-5699 سے ۱۸ر جولائی ۲۰۱۸ء بدھ کی صبح ساڑھے چھ بجے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مگر ضروری کاغذی کارروائیوں کے بعد اپنے ہوٹل طیبہ السلام پہنچتے پہنچتے ظہر کا وقت ہوگیا۔ اس فلائٹ میں کل ۴۱۰ر عازمین حج تھے۔ ہر فلائٹ سے تقریباً اتنے ہی حجاج آرہے ہیں۔ دہلی سے حجاج کی فلائٹس کا آغاز ۱۴ر جولائی کو ہوا ہے جو ۲۸ر جولائی تک جاری رہے گا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے امبارکیشن پوائنٹس سے بھی حجاج پابہ رکاب ہیں۔ ہندوستان سے امسال کل پونے دو لاکھ افراد کے نام اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت حاصل کرنے والوں کے رجسٹر میں درج کردیے ہیں۔ حاجیوں کو مسجد نبوی کے زیر سایہ ہوٹلوں میں ٹھہرایا جاتا ہے۔ ہوٹل طیبہ السلام مسجد نبوی کے باب السلام کی طرف ہے جو کہ ساتواں گیٹ ہے۔ ہوٹل سے بمشکل پانچ منٹ کے اندر مسجد نبوی میں حاضری ہوجاتی ہے۔ اس ہوٹل میں تین سے لے کر چھ بستروں والے کمرے ہیں۔ کور ہیڈ (Cover Head) کے اعتبار سے لوگوں کو کمرے الاٹ کیے جاتے ہیں۔ باب السلام کی جانب مسجد علی، مسجد ابو بکر، مسجد غمامہ اور تھوڑی مسافت پر مسجد بلال واقع ہیں۔ یہیں پاس میں کھجوروں کا بازار یعنی سوق التمر ہے جہاں سے عازمین سستے داموں میں اچھی کھجوریں خریدتے ہیں۔ یہ بازار نہ صرف ایام حج میں بلکہ ہر موسم میں حاجیوں کے لیے مرجع خلائق بنا رہتا ہے۔

مدینہ کے ہوٹل میں پہنچتے ہی حجاج کرام کی تڑپ فزوں تر ہوجاتی ہے۔ ان کی خواہشیں پر لگا کر اڑنے لگتی ہیں۔ وہ انھیں بھی مائل پرواز کردیتی ہیں۔ بڑی تمناؤں اور

آرزوؤں کے بعد تو یہ لمحہ آتا ہے۔ لہٰذا اس مقدس سرزمین پر قدم رکھتے ہی ہر حاجی کی پہلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ جلد از جلد مسجد نبوی کے مناظر سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے۔ اس کے در و بام کی رونقوں کو آنکھوں کے راستے دل میں اتار لے۔ وہاں کے ذرات کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا لے۔ نماز ادا کرے اور روضۂ رسول ﷺ پر جا کر درود و سلام پیش کر کے اپنی امنگوں کو آسودہ کرنے کی کوشش کرے۔

ہر لمحہ اپنے ساتھ بھیڑ لے کر آتا ہے

ابھی جبکہ زیادہ حجاج مدینہ نہیں پہنچے ہیں پھر بھی عام دنوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ بھیڑ ہو گئی ہے۔ یہ بھیڑ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم بدھ کے روز یہاں پہنچے ہیں مگر جمعہ کا مبارک دن کب آ گیا خبر ہی نہیں ہوئی۔ لاکھوں فرزندان و بنات توحید نے ایمانی جوش و جذبے کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی۔ جمعہ کے روز مسجد نبوی کی طرف آنے والے ہجوم کے مناظر دیدنی ہوتے ہیں۔ مسجد تو کافی پہلے ہی بھر جاتی ہے۔ تھوڑی تاخیر سے آنے والوں کو یا تو کھلے صحن میں یا پھر چھت پر جگہ ملتی ہے۔ ابھی جو حجاج نظر آ رہے ہیں ان میں ہندوستان، پاکستان، افغانستان، ملیشیا، انڈونیشیا، ایران اور ترکی وغیرہ کے ہیں۔ ملیشیا اور انڈونیشیا کے حجاج دور سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ وہ مخصوص لباس میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح افغانستان کے حجاج ایک جیکٹ پہنے ہوئے ہیں جس کی پشت پر بڑے اسٹیکر پر موٹے موٹے حروف میں اردو اور انگریزی میں افغانستان لکھا ہوا ہے۔ دوسرے ملکوں کے حجاج بھی اپنی مخصوص شناخت رکھتے ہیں۔ ہندوستانی حجاج کی شناخت ان کے آئیڈنٹٹی کارڈ کی ڈوری سے ہو جاتی ہے جو ترنگے سے بنی ہے۔

ہمیں ایئرپورٹ پر جامعہ اسلامیہ مدینہ میں پی ایچ ڈی کے ایک ہندوستانی طالب علم عبد الرحمٰن شہاب الدین ملے جو ڈیوٹی پر ہیں اور ہندوستانی حجاج کی خدمت کر رہے ہیں۔ اتفاق سے وہ معہد التعلیم الاسلامی جوگا بائی نئی دہلی میں ہمارے بیٹے سلمان فیصل کے ہم جماعت رہ چکے ہیں۔ ان کا تعلق ہندوستان کی ریاست جھارکھنڈ سے ہے۔ انھوں

نے ہمارے ساتھ بڑا تعاون کیا۔ یہاں ہمارا انتظار ہمارے عزیز مولانا محمد شعیب محمد اسلم کر رہے تھے۔ ان سے بذریعہ فون برابر رابطہ قائم رہا۔ ایئرپورٹ سے جب ہماری بس طیبہ السلام کے لیے چلی تو ان کو اطلاع دے دی گئی۔ وہ ہوٹل پہنچ گئے۔ چونکہ ہم تین افراد ایک ساتھ تھے اس لیے ان کی کوشش تھی کہ ہوٹل میں کوئی تین بیڈ کا کمرہ مل جائے۔ حسن اتفاق اسی ہوٹل میں ہمارے وطن کے ایک صاحب مل گئے جو شاید وہاں کام کرتے ہیں۔ ان کے تعاون سے دسویں منزل پر تین بیڈ کا ایک روم انھوں نے مخصوص کرا لیا اور اس کی چابی بھی حاصل کر لی۔

محمد شعیب بھی جامعہ اسلامیہ سے پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ وہ بچوں کے ساتھ مقیم ہیں۔ وہ مسجد نبوی میں اردو مترجم بھی ہیں اور مکتب وحدۃ لسان الزائر میں مترجم کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہاں سے جمعہ کا خطبہ سات زبانوں اردو، انگریزی، فرانسیسی، ملاوی، ترکی، ہوسا اور فارسی میں لائیو نشر ہوتا ہے۔ اس کا آغاز ملک عبد اللہ نے کیا تھا۔ ان زبانوں کے علاوہ تین مزید زبانوں روسی، بنگلہ اور چینی کی بھی منظوری آچکی ہے اور جلد ہی ان زبانوں میں بھی خطبے کا ترجمہ شروع ہو جائے گا۔ یہ شعبہ حج اور عمرہ کے ایام میں دس سے زائد زبانوں میں عازمین و معتمرین کا استقبال کرتا ہے۔

مکتب وحدۃ لسان الزائر میں حاضری

انھوں نے ہماری ملاقات اپنے شعبے کے منیجر جناب ابو منصور فارس الجربا سے کروائی۔ وہ بڑی محبت سے پیش آئے۔ انھوں نے عربی میں بات کی۔ شعیب نے مترجم کی خدمت انجام دی۔ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص ایک صحافی ہے تو ان کی دلچسپی بڑھ گئی۔ انھوں نے ہندوستان کے بارے میں بہت سی باتیں کیں۔ یہاں کے مسلمانوں کے بارے میں پوچھا اور یہ بھی جاننا چاہا کہ مسلمانوں کے کیا حالات ہیں۔ ہم نے انھیں بتایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہندوستانی مسلمان دنیا کے بہت سے ملکوں کے مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوش و خرم اور بعافیت ہیں۔ انھوں نے ہندوستان اور سعودی عرب

کے تاریخی رشتوں پر اظہار خیال کیا اور کہا کہ یہاں کی حکومت ہندوستانی مسلمانوں سے بہت محبت سے پیش آتی ہے۔ انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی دینی خدمات کا اعتراف بھی کیا۔ اس حوالے سے انھوں نے کئی تاریخی واقعات بھی بتائے۔

عصر کی نماز کے بعد انھوں نے مسجد نبوی کی سیر کرائی۔ اس کے ساتھ ہی وہ مسجد نبوی کے بارے میں ضروری باتیں بھی بتاتے رہے۔ انھوں نے بتایا کہ کہاں کہاں کس کس صحابی کے گھر ہوا کرتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ جب یہاں پہنچے تو ان کی اونٹنی کہاں بیٹھی تھی۔ کیسے اہل مدینہ نے آپ کے لیے دیدہ ودل فرش راہ کر دیے تھے۔ مدینہ کی پوری قدیم اور گنجان آبادی اب مسجد نبوی میں شامل ہوگئی ہے۔ اچانک ہماری قسمت ہم پر مہربان ہوگئی۔ انھوں نے پوچھا کہ ریاض الجنہ میں جائیں گے؟ ہم نے کہا کہ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ وہ کون سا مسلمان ہوگا جو مسجد نبوی کے در و بام کی سیر کرے اور موقع ملنے پر ریاض الجنہ میں حاضری نہ دے۔ یہ تو کفران نعمت ہوگا۔ ہم ان کی کوششوں سے باب السلام کی جانب سے ریاض الجنہ میں داخل ہوئے اور ہمیں محراب نبوی کے سامنے تقریباً نصف گھنٹہ بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ پھر ہم نے قبر مبارک پر جا کر ایک بار پھر درود وسلام پیش کیا۔ ابو منصور فارس الجربا نے کچھ کتابوں کا تحفہ بھی دیا۔ یہیں ایک اور اردو مترجم پاکستان کے مولانا ثناء اللہ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اپنی گفتگو میں ہند و پاک میں دوستانہ تعلقات کے قیام کی دلی خواہش ظاہر کی۔

جانے بھی دو یارو!

ہمیشہ ہندوستانی حکومت اور حج کمیٹی آف انڈیا کے انتظامات کے بارے میں باتیں اٹھتی رہتی ہیں۔ بہت سے لوگ ان انتظامات سے شاکی رہتے ہیں۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں حج کمیٹی کی جانب سے بہتر سہولتیں فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن انسان غلطیوں کا پتلا ہے کہیں نہ کہیں خامی رہ جاتی ہے۔ دہلی کے حجاج کے لیے اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئر پورٹ کے حج ٹرمنل ۲ر سے چار کلو میٹر قبل ہی روز گارڈن میں

ٹرانزٹ کیمپ بنایا گیا ہے۔ حاجیوں سے کہا گیا کہ وہ وہیں جائیں، براہ راست ٹرمنل ۲ ر پر نہ جائیں۔ ہم نے بعض دوستوں کے مشورے پر عمل کیا اور ٹرمنل ۲ ر پر براہ راست چلے گئے۔ وہاں پہنچنے کے بعد اندازہ ہوا کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ سیکورٹی والوں نے ہمیں اندر جانے سے روک دیا اور ہدایت دی کہ ٹرانزٹ کیمپ جائیں اور حج کمیٹی کی بس میں بیٹھ کر آئیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر کوئی وہاں پہنچ بھی گیا ہے تو اسے اندر جانے دینے میں کیا مضائقہ ہے اور پھر یہ کیا بات ہوئی کہ وہ کیمپ جائے اور حج کمیٹی کی بس میں بیٹھ کر آئے۔ بس میں بھی کچھ امیگریشن وغیرہ کی کارروائی ہوتی ہے کیا؟

قابل ذکر بات یہ ہے کہ سیکورٹی اہلکاروں میں ایک انصاری صاحب تھے جو زیادہ ہی سختی سے پیش آرہے تھے۔ جبکہ ایک مشرا جی تھے اور ایک اور غیر مسلم سیکورٹی اہلکار تھا وہ لوگ نرمی سے بات کر رہے تھے۔ وہاں ڈیوٹی پر موجود ایک انتہائی مخلص شخص اور بلا معاوضہ حجاج کی خدمت میں مصروف ہمارے دوست جناب محمد احمد نے سیکورٹی اہلکاروں سے کہا کہ براہ راست ایئرپورٹ کے اندر جانے کی بھی اجازت ہے۔ مگر انھوں نے ایک نہیں سنی۔ ہم نے ان سے کہا کہ کوئی بات نہیں۔ ہم ٹرانزٹ کیمپ ہی چلتے ہیں۔ لیکن وہ ہمیں اس پریشانی سے بچانا چاہتے تھے۔ انھوں نے دہلی حج کمیٹی کے چیف ایگزیکٹو آفیسر جناب اشفاق عارفی سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے سیکورٹی افسر سے بات کی اور پھر ہمیں ایئرپورٹ کے اندر داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔

ٹرانزٹ کیمپ کا انتظام اس لیے کیا گیا ہے تاکہ ایئرپورٹ پر بھیڑ بھاڑ نہ ہو۔ ہم تین لوگوں کو چھوڑنے صرف دو لوگ، ایک ہمارا بیٹا اور ایک دوسرے ہمارے عزیز جمال الدین گئے تھے۔ بھیڑ بھاڑ کا کوئی معاملہ ہی نہیں تھا۔ پھر بھی سیکورٹی والے روک رہے تھے۔ یہ رویہ ٹھیک نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ضابطہ شکنی کر رہا ہے یا بہت بھیڑ لے کر گیا ہوا ہے تو اس کو روکنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اس طرح حاجیوں کو پریشان کرنا مناسب نہیں ہے۔

ایک روز قبل ایک حاجی صاحب بڑی مقدار میں یعنی تین اٹیچیوں میں پان مسالہ

لے کر آ رہے تھے، سب نکلوایا گیا۔ ایئر پورٹ عملہ نے اچھا کیا۔ حاجی صاحب کی بڑی سبکی ہوئی۔ جن اشیا کی اجازت نہیں ہے وہ لے کر لوگ کیوں آتے ہیں۔ حاجیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے سامان کی حفاظت بھی کریں۔ ایک حاجی صاحب اپنے ۲۱۰۰ ریال دہلی ایئر پورٹ پر بھول آئے۔ ایک حاجی صاحب نے اپنا بورڈنگ کارڈ ہی گرا دیا تھا۔ ایک صاحب کا پاسپورٹ کہیں پڑا ہوا ملا۔ امیگریشن کا عملہ اس کے مالک کو تلاش کرنے کے لیے آوازیں لگاتا رہا۔ تجربہ بتاتا ہے کہ اگر حجاج کرام حج کمیٹی کے ذمہ داروں کی ہدایات پر عمل کریں اور تھوڑی سنجیدگی اور سمجھداری دکھائیں تو بہت سی دشواریوں سے بچ سکتے ہیں۔ بہر حال مدینہ شریف میں ایک ہفتہ کے قیام کے بعد ہمارا قافلہ مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوگا۔ اللہ کرے کہ سفر میں آسانی ہو اور تمام حجاج کرام کا حج قبول ہو۔ (آمین)۔

مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات اور ان کی زیارت

۱۹ر جولائی کی شام کو جامعہ اسلامیہ سنابل کالندی کنج اوکھلا نئی دہلی کے ایک سابق طالب علم ممبئی کے مولانا جاوید ندیم ملے۔ وہ بھی جامعہ اسلامیہ سے پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ انھوں نے اگلے روز یعنی ۲۰ر جولائی کو تاریخی مقامات کی زیارت کا پلان بنایا۔ اگلے روز نماز فجر کے بعد ہم لوگ ان کی گاڑی سے مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات کی زیارت کو نکلے۔ انھوں نے کئی ایسے مقامات دکھائے جو عام طور پر حجاج نہیں دیکھ پاتے۔ انھوں نے بہت ہی قابل قدر معلومات بہم پہنچائیں۔

خندق کا علاقہ

انھوں نے خندق کا پورا علاقہ دکھایا اور بتایا کہ کہاں کہاں اللہ کے رسول ﷺ خندق کا معائنہ کیا کرتے تھے، کہاں آپ نے دعائیں کیں اور کہاں اصحاب کرام کو ہدایتیں دیں۔ کھدائی کے دوران ایک بہت اہم واقعہ پیش آیا تھا۔ ہوا یوں کہ اچانک ایک جگہ ایک بڑی سی چٹان آگئی تھی جو ٹوٹ نہیں رہی تھی۔ اللہ کے رسولؐ نے ایک کلہاڑی لی اور ضرب لگائی تو چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر خندق کھودی گئی تھی۔ اس لیے اس یاد کو باقی رکھنے کے لیے یہاں ایک مسجد تعمیر کرادی گئی ہے جو انھی کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں صحابہ کرام بیٹھ کر اللہ کے رسولؐ کے ساتھ میٹنگ کیا کرتے تھے۔ یہاں اوپر پہاڑی پر ایک چوکی بنی ہوئی ہے۔ وہاں اللہ کے رسولؐ نے صحابہ کرام کو تعینات کیا تھا تاکہ وہ نظر رکھیں کہ کفار مکہ کا لشکر کہاں تک پہنچا۔ اس کے

پیچھے ایک اُطم تھا یعنی چھوٹا قلعہ جہاں آپ نے خواتین کو بحفاظت رکھا تھا۔ تھوڑا الگ ہٹ کر پہاڑی پر ایک جگہ آپ نے بیٹھ کر دعائیں کی تھیں۔ وہاں ایک مسجد بنا دی گئی ہے۔ لیکن چونکہ لوگ وہاں پہنچ کر بدعات وخرافات میں مبتلا ہو جاتے تھے اس لیے اس کو مقفل کر دیا گیا ہے۔ وہ چونکہ کافی اونچائی پر ہے اس لیے وہاں تک پہنچنے کے لیے طویل زینے بنائے گئے ہیں۔ یہاں بہت سی چھوٹی چھوٹی مسجدیں تھیں جن کو ختم کر کے ایک بڑی مسجد ''مسجد خندق'' کے نام سے تعمیر کر دی گئی ہے۔

ہم جبل الرایہ کی طرف سے خندق کا علاقہ دیکھنے گئے۔ یہیں سے خندق کھودنے کا آغاز ہوا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ اس کے آس پاس عمارتیں اور سڑکیں ہیں۔ خندق کھودنے کے ابتدائی ایام میں اس پہاڑی پر اللہ کے رسولؐ کا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ اسی کے شمال میں وہ چٹان نمودار ہوئی تھی جس کو آپ نے کلہاڑی کی ضرب لگا کر ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ اسی پہاڑی پر آپ نے غزوۂ خیبر اور غزوۂ تبوک کے موقع پر اپنا جھنڈا نصب کیا تھا۔ مسلمانوں نے اسے دیکھا تو وہ اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکل پڑے تھے۔ اس پہاڑی پر اور بھی کئی واقعات پیش آئے تھے۔ یہاں ایک جگہ اللہ کے رسولؐ نے دعا فرمائی تھی۔ اس مقام پر ایک مسجد تعمیر کر کے اس یاد کو باقی رکھا گیا ہے۔ اس مسجد تک پہنچنے کے لیے ہمیں گھوم کر سڑک پر آنا پڑا اور پھر چڑھائی پر چڑھ کر جہاں زینے بنے ہوئے ہیں اس مسجد یعنی ''مسجد الرایہ'' تک پہنچے۔ اس کے آس پاس متعدد مکانات ہیں جن میں لوگوں کی رہائشیں ہیں۔ صبح کے تقریباً ساڑھے چھ بجے ہوں گے۔ مسجد کا دروازہ مقفل ہے۔ البتہ باہر ایک بلب روشن ہے جو زندگی کا ثبوت دے رہا ہے۔ یہاں سے نکل کر ہم لوگ ایک قدیم دیوار کے پاس آئے۔

جنگ خندق یا غزوۂ احزاب کے سلسلے میں ''الرحیق المختوم'' میں مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری نے کافی تفصیل سے لکھا ہے۔ اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ درحقیقت یہ ایک اعصابی جنگ تھی۔ اس میں کوئی خوں ریز معرکہ پیش نہیں آیا۔ لیکن پھر بھی یہ اسلامی تاریخ کی ایک فیصلہ کن جنگ تھی۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے

اور یہ واضح ہوگیا کہ عرب کی کوئی بھی قوت مسلمانوں کی اس چھوٹی سی طاقت کو جو مدینے میں نشو ونما پا رہی ہے ختم نہیں کر سکتی۔

یہ خندق صحابہ کرام نے محض چھ دن کے اندر کھودی تھی۔ اس کی لمبائی تقریباً ڈھائی کلومیٹر، گہرائی تقریباً چار میٹر اور چوڑائی تقریباً چھ یا سات میٹر تھی تاکہ ایک تندرست گھوڑا بھی اس کو پھلانگ نہ سکے۔ یہ خندق انتہائی سردی کے موسم میں کھودی گئی تھی۔ سردی کے موسم میں کھجور نہیں ہوتی۔ موسم گرما میں اس کی فصل تیار ہوتی ہے۔ اسی لیے کھدائی کے دوران کھانے پینے کی قلت تھی جبھی تو آپ اور آپ کے صحابہ کرام شکم پر پتھر باندھ کر اس کی کھدائی کرتے تھے۔

جبل احد

جبل احد تاریخ اسلام میں ایک اہم حیثیت کا مالک ہے۔ اللہ کے رسول کہا کرتے تھے میں جبل احد سے محبت کرتا ہوں اور یہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ یہاں مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان بڑی خوں ریز جنگ ہوئی تھی۔ ابتدا میں اسلامی فوج نے مشرکین کی فوج کو شکست دے دی تھی۔ لیکن اللہ کے رسولؐ کے ایک حکم کی نافرمانی کی وجہ سے مسلمانوں کو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ ۷۰ سے زائد صحابہ کرام شہید ہوگئے تھے۔ جن میں آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ جب خاتمہ جنگ پر مسلمانوں نے مال غنیمت سمیٹنا شروع کر دیا اور اس چھوٹی پہاڑی پر تعینات ۵۰ر صحابہ کرام میں سے ۴۰ر وہاں سے اتر کر آگئے جس پر اللہ کے رسولؐ نے یہ کہہ کر تعینات کیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے تم یہاں سے ہلنا نہیں، تو بازی پلٹ گئی۔ دراصل وہاں تعینات صحابہ کرام نے دیکھا کہ جنگ تو ختم ہو گئی ہے۔ مسلمان مال غنیمت سمیٹ رہے ہیں۔ لہٰذا ۴۰ر مسلمان بھی وہاں سے آگئے اور انھوں نے بھی مال غنیمت سمیٹنا شروع کر دیا۔

ادھر حضرت خالد بن ولید جو کہ اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے، تاک میں بیٹھے تھے۔ جیسے ہی انھوں نے دیکھا کہ موقع اچھا ہے تو اسی جانب سے آکر

حملہ کر دیا۔ اب تو کہرام مچ گیا۔ مسلمانوں میں زبردست افراتفری مچ گئی۔ چونکہ مسلمانوں نے ہتھیار رکھ دیے تھے اس لیے وہ ایک طرح سے نہتے ہو گئے تھے۔ مشرکین کی فوج زبردست طریقے سے حملہ آور ہو گئی۔ ان کی عورتیں ان کے اندر جوش پیدا کرنے لگیں۔ اسی درمیان اللہ کے رسول ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی۔ پھر تو مسلمانوں کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔ کئی مسلمان میدان چھوڑ کر جانے لگے کہ اب کیا فائدہ۔ جبکہ کئی صحابہؓ کرام نے جاتے ہوئے مسلمانوں کو یہ کہہ کر واپس لانے کی کوشش کی کہ اگر اللہ کے رسولؐ نہیں رہے تو کیا ہم واپس پلٹ جائیں گے۔ اللہ تو زندہ ہے۔ ہم اس کے لیے اور اس کے دین کے لیے لڑیں گے۔

ادھر اللہ کے رسولؐ ایک اونچی پہاڑی پر تھے۔ وہاں کئی مشرک پہنچ گئے اور انھوں نے آپ کو نشانے پر لے لیا۔ آپ لوہے کا خود زیب سر کیے ہوئے تھے۔ ایک مشرک نے ایسی تلوار ماری کہ خود کی دو کڑیاں آپ کی آنکھ کے نیچے رخسار مبارک میں دھنس گئیں جنھیں بعد میں نکالا گیا۔ ان کو دانت سے پکڑ کر نکالتے ہوئے حضرت ابوعبیدہ کے دو دانت شہید ہو گئے۔ اس وقت اللہ کے رسولؐ کے پاس کل ۹ رصحابہؓ کرام تھے۔ انھوں نے جس جاں سپاری سے مقابلہ کیا اس کی داد تاریخ عالم آج تک دے رہی ہے۔ لیکن بہر حال اللہ کے شیر حضرت حمزہؓ کی شہادت اسلامی لشکر کا بہت بڑا خسارہ تھا۔

ہم پہلے اسی پہاڑی پر گئے جہاں اللہ کے رسولؐ نے ۵۰ر تیر اندازوں کو تعینات کیا تھا اور جنھیں وہاں ڈٹے رہنے کا حکم تھا۔ وہاں سے وہ وادی بالکل قریب ہے جہاں حضرت خالد بن ولید چھپ کر کھڑے تھے اور جس طرف سے انھوں نے اسلامی لشکر پر حملہ کیا تھا۔ جس مقام پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہؓ کرام کی قبریں ہیں اسے لوہے کی اونچی ریلنگ سے گھیر دیا گیا ہے۔ جب بہت سے لوگ وہاں خرافات و بدعات میں ملوث ہونے لگے تو وہاں شیشے کی دیوار بنادی گئی۔ اس کے باوجود بہت سے لوگ یہ سوچ کر کہ وہ حضرت حمزہؓ کی قبر پر چڑھاوا چڑھا رہے ہیں وہاں عطر وغیرہ گراتے ہیں جس کے نشانات شیشے کی دیوار پر موجود ہیں۔ مولانا جاوید ندیم نے وہاں قائم مسجد کی پشت کی

جانب اشارہ کرتے ہوئے ایک پہاڑی دکھائی اور کہا کہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ وہی پہاڑی ہوگی جہاں اللہ کے رسول آرام فرماتے تھے اور جہاں مشرکین نے ان پر حملہ کر دیا تھا۔ خاتمہ جنگ کے بعد آپ کافی دیر تک وہاں رکے رہے۔ وہاں بہت سے مکانات بھی ہیں۔

مولانا جاوید ندیم نے یہ بھی بتایا کہ چھوٹی پہاڑی پر شہید ہونے والے صحابہؓ کرام کو وہیں آس پاس دفن کیا گیا تھا۔ اس جنگ کے ۵۹ رسال کے بعد اس علاقے میں سیلاب آیا تھا جس کی وجہ سے کچھ قبریں ظاہر ہوگئی تھیں۔ ایک بار وادی کی صفائی کی جا رہی تھی تو اس وقت بھی کچھ قبریں ظاہر ہوگئی تھیں۔ اس وقت حضرت معاویہؓ نے حکم دیا تھا کہ جن کے رشتے داروں کی لاشیں ہیں وہ وہاں سے ان کو ہٹالیں۔ ان کو اٹھا کر ایک محفوظ مقام پر منتقل کیا گیا۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ نہ تو قرآن سے اور نہ ہی حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ شہدا کی لاشیں محفوظ رہتی ہیں لیکن تجربے سے یہ بات ضرور ثابت ہوئی ہے۔ لہٰذا جب وہاں سے لاشیں ہٹائی گئیں تو ایک صحابی کی لاش کے کان کے پاس سے خون بھی نکل رہا تھا۔ وہ بالکل تر و تازہ لاشیں تھیں۔

کعب بن اشرف کا قلعہ

خندق اور جبل احد کا پورا علاقہ دیکھنے میں کافی وقت لگا۔ اس کے بعد مولانا جاوید ندیم نے یہودی سردار کعب بن اشرف کا قلعہ دکھایا جس کے صرف نشانات باقی ہیں۔ اب اس جگہ کو تاروں سے گھیر دیا گیا ہے۔ کعب بن اشرف ایک مالدار شخص تھا۔ معاشرے میں اسے عزت حاصل تھی۔ وہ ایک شاعر بھی تھا۔ وہ اللہ کے رسولؐ اور صحابہؓ کرام کا بدترین دشمن تھا۔ وہ نہ صرف رسول اللہ کی شان میں بلکہ صحابہ اور صحابیات کی شان میں بھی ہجو لکھتا اور لوگوں کو سناتا تھا۔ جب اس کی بیہودگی بہت زیادہ بڑھ گئی اور اللہ کے رسول ﷺ کو اس سے بہت تکلیف پہنچنے لگی تو انھوں نے اس کے خاتمے کا فیصلہ کیا۔ ان کے حکم پر بعض صحابہ نے ایک منصوبے کے تحت اسے ہلاک کر دیا۔ اس کی ہلاکت نے یہودیوں کو

ہلا کر رکھ دیا تھا۔

بیر غرس

ہم لوگوں نے وہ کنواں دیکھا جس کا نام بیر غرس ہے۔ یہ حضرت سعد بن خیثمہ کی ملکیت تھا۔ یہ وہی سعد ہیں جن کے گھر اللہ کے رسول ﷺ مدینہ تشریف لانے سے قبل قبا میں آرام فرمایا کرتے تھے۔ اسی لیے قبا کے کنوؤں میں بیر غرس کا بھی شمار ہوتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک بار رسول اللہؐ بیر غرس تشریف لائے۔ ایک ڈول پانی منگوایا۔ اس سے وضو کیا اور بچا ہوا پانی کنویں میں ڈال دیا۔ اس کے بعد اس کا پانی کبھی خشک نہیں ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج میں نے خواب دیکھا کہ میں نے جنت کے ایک کنویں پر صبح کی۔ چنانچہ آپ صبح کو بیر غرس تشریف لے گئے۔ اس کے پانی سے وضو کیا اور اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے پاس شہد لایا گیا جسے آپ نے کنویں میں ڈال دیا۔ آپ قبا میں قیام کے دوران اسی کنویں کا پانی پیا کرتے تھے۔ آپ نے اس کے لیے برکت کی دعا کی تھی اور کہا تھا کہ یہ جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ ہے۔ اب اس کے چاروں طرف کافی اونچی دیوار تعمیر کر کے اس کے اوپر سائبان رکھ دیا گیا ہے۔ دیوار میں ایک دروازہ بھی ہے جو مقفل ہے۔ دوسری طرف جائیں تو اس میں جھانکنے کے لیے بہت جگہ ہے۔ برابر میں جالی بھی لگی ہوئی ہے۔ کنویں میں نیچے تک نگاہ نہیں جاتی۔ اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ اس میں پانی ہے یا وہ خشک ہو گیا ہے۔ دیوار پر ''شارع معمر بن حوشب'' اور اس کے برابر میں ''بیر غرس'' کا بورڈ آویزاں ہے۔

بیر رومہ یا بیر عثمان

مسجد قبا اور مسجد قبلتین کے قریب بیر رومہ ہے جسے بیر عثمان بھی کہا جاتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس کنویں کا پانی نہایت شیریں، لطیف اور پاکیزہ ہے۔ یہ جنتی کنواں کے نام سے بھی مشہور ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا

تھا۔ اس کنویں کے پانی سے آج بھی ملحقہ باغِ عثمان کو سیراب کیا جاتا ہے۔ یہ باغ سعودی وزارت زراعت کے زیر نگرانی ہے جس کی وجہ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہونے کے باوجود زائرین کو یہاں داخل ہونے میں دشواری پیش آتی ہے۔ اس کے گرد کھجوروں کا باغ اور ایک فارم بھی ہے۔ ہم نے وہ وادی بھی دیکھی جہاں شراب حرام ہونے کے بعد پھینکی گئی تھی اور شراب کی ندی بہنے لگی تھی۔

بیر خاتم

مسجد قبا کے مغرب میں ایک پارک ہے جو پہلے ایک باغیچہ ہوا کرتا تھا۔ اس پارک میں ایک کنواں ہے جس کا نام ''بیر خاتم'' ہے۔ اسے بیر اریس بھی کہتے ہیں۔ اللہ کے رسولؐ کے پاس ایک مہر ہوا کرتی تھی ''خاتم''۔ وہ آپ کے بعد حضرت ابو بکر کو اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو منتقل ہوئی مگر وہ اس کنویں میں گر گئی۔ غوطہ خور اس کو تین روز تک تلاش کرتے رہے مگر نہیں ملی۔ اسی مناسبت سے اسے بیر خاتم کہا جاتا ہے۔ اب یہ خشک ہو گیا ہے۔ ہم نے قریب سے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کی دیوار تقریباً ایک گز اونچی ہے اور یہ دھول مٹی سے پٹ گیا ہے۔ اس پارک میں کچھ پیڑ پودے ہیں۔ لیکن ہریالی بس نام کو ہے۔

مسجد قبا

زائرین مسجد قبا بھی جاتے ہیں۔ اس مسجد کی ایک خاص اہمیت ہے۔ گھر سے باوضو آنے اور اس میں دو رکعت نماز ادا کرنے کا ثواب ایک عمرہ کے برابر ہے۔ مسجد قبا کے پاس ایک بازار لگتا ہے جس میں بیشتر دکاندار خواتین ہوتی ہیں۔ جب ہم لوگ مسجد میں دو رکعت نفل پڑھنے کے لیے جا رہے تھے تو اپنے جوتے چپل وہاں بنے ہوئے ایک خانے میں رکھ دیے تھے۔ ہماری سینڈل جو ذرا نئی اور کچھ چمکدار سی تھی، بالکل نیچے تھی۔ اس کے اوپر مولانا شعیب اور ان کے بچوں کی چپلیں تھیں۔ یعنی ایک طرح سے ہماری سینڈل

چھپ گئی تھی۔ جب ہم واپس آئے تو سب کی چپلیں موجود تھیں بس ہماری سینڈل غائب تھی۔ شاید کسی نے ہاتھ کی صفائی دکھائی تھی۔ بڑی حیرت ہوئی کہ یہاں بھی یہ سب ہوتا ہے؟ خیر ہم باہر آئے اور سامنے لگنے والے اسی بازار سے دس ریال میں ایک چپل خریدی۔

یہیں کچھ کم عمر لڑکے اور لڑکیاں دوڑ دوڑ کر سامان فروخت کرتے ہیں۔ یہ لوگ در اصل افغان ہیں۔ جب افغانستان پر سوویت روس نے حملہ کر کے قبضہ کر لیا تھا تو بہت سے افغان ترک وطن کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ سعودی عرب کی حکومت نے ان لوگوں کو اپنے یہاں پناہ دی تھی اور مسجد قبا کے نزدیک ایک بڑے قطعۂ اراضی پر ان کو بسایا تھا۔ اس کے بعد سے وہ لوگ یہیں سکونت پذیر ہیں۔ یہاں یہ معلوم ہوا کہ سعودی حکومت نے کم از کم چھ ملکوں کے مسلم متاثرین کو پناہ دی ہے جن میں سب سے زیادہ مراعات برما کے پناہ گزینوں کو حاصل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ مظلوم ہیں۔ ہم نے ایک سفر کے دوران ان کی بستی دیکھی۔ ہم نے کچھ چوراہوں پر نوجوانوں کو چمیلی کے پھولوں کے گجرے بیچتے دیکھا۔ ہمیں دہلی کے چوراہوں کی یاد آگئی۔ ہم نے مولانا جاوید ندیم سے وضاحت چاہی تو انھوں نے بتایا کہ دراصل یہ لوگ یمنی پناہ گزیں ہیں۔ حکومت نے دوسرے ملکوں کے جن مسلمانوں کو پناہ دی ہے یہ ان میں نئے شہری ہیں جو جنگ یمن سے متاثر ہیں۔

مسجد جمعہ

یہاں سے تھوڑی مسافت پر مسجد جمعہ ہے۔ یہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ ادا کی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا کی تعمیر کے بعد مدینہ روانہ ہوئے تو اس جگہ کے مسلمانوں نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور کہا کہ آپ نے قبا کے مسلمانوں کو مسجد تفویض کی ہے ہمیں بھی کچھ مرحمت فرمائیے۔ وہ جمعہ کا دن تھا۔ آپ نے وہاں نماز جمعہ ادا کی۔ غالباً وہ پہلی باضابطہ نماز جمعہ تھی۔ اس یاد کو زندہ رکھنے کے لیے وہاں

ایک مسجد تعمیر کی گئی جو اب مسجد جمعہ کے نام سے معروف ہے۔ مسجد قبا سے شمال کی جانب پانچ سو میٹر کے فاصلے پر یہ مسجد واقع ہے۔

مسجد قبلتین

یہاں ہم نے مسجد قبلتین دیکھی۔ یعنی دو قبلوں والی مسجد۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ اسی مسجد میں نماز کے دوران تحویل قبلہ کا حکم ہوا تھا اور اللہ کے رسولؐ نے قبلہ تبدیل کیا تھا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس وقت یہ مسجد تھی ہی نہیں۔ اللہ کے رسولؐ مدینہ میں تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ظہر کے وقت وحی آئی کہ قبلہ تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اب آپ جو اگلی نماز پڑھیں گے وہ خانۂ کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھیں گے۔ مدینہ میں مختلف علاقوں میں صحابہ آباد تھے۔ وہ اللہ کے رسولؐ کے پاس علم دین سیکھنے جایا کرتے تھے۔ وہ صبح ہی صبح پہنچ جاتے تھے اور دن ڈھلنے کے بعد واپس ہوتے تھے۔ یہ بنو سلمیٰ کا علاقہ ہے۔ اسی علاقے کے ایک صحابی اللہ کے رسولؐ کے پاس علم دین سیکھنے گئے ہوئے تھے۔ وہ ظہر کے بعد وہاں سے نکلے اور جب یہاں پہنچے جہاں مسجد قبلتین ہے تو عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ انھوں نے جب دیکھا کہ یہاں کے مسلمان اب بھی پرانے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کر رہے ہیں تو وہ چلائے کہ قبلہ تبدیل ہو گیا ہے۔ اپنا اپنا رخ خانۂ کعبہ کی طرف پھیر لو۔ اس وقت جو لوگ نماز پڑھ رہے تھے انھوں نے اپنا رخ خانۂ کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ اللہ کے رسولؐ کے ساتھ نماز کے دوران رخ پھیر لینے کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ بلکہ یہاں کی مقامی آبادی کے صحابۂ کرام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ مولانا جاوید ندیم نے بتایا کہ یہاں پر بنو سلمیٰ کے صحابہ کرام ایک چبوترہ نما جگہ پر نماز پڑھتے تھے۔ وہاں وہ پنچایتیں وغیرہ بھی کیا کرتے تھے۔ آپ کے زمانے میں یہاں مسجد نہیں تھی صرف چبوترہ تھا جہاں صحابۂ کرام نماز ادا کیا کرتے تھے۔ بعد میں صحابہ نے یہاں مسجد تعمیر کی جو مسجد قبلتین کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس مسجد میں نماز ادا کرنے کا کوئی اضافی ثواب نہیں ہے۔ اس میں نماز ادا کرنے کا اتنا ہی ثواب ہے جتنا کہ کسی دوسری عام مسجد میں نماز ادا کرنے کا ہے۔

وادی عقیق

مسجد قبلتین کے پاس ایک وادی ہے جس کا نام ''وادی عقیق'' ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے وادی مبارک کہا ہے۔ انھوں نے اللہ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ اس وادی میں عبادت کریں۔ مولانا شعیب جامعہ اسلامیہ کے قریب رہائش پذیر ہیں۔ ان کے گھر آمد ورفت کے وقت بار بار اس وادی کی زیارت ہوتی تھی۔ اسے ایک نہر کی شکل دے دی گئی ہے۔ اس کے اوپر آمد و رفت کے لیے پل بنائے گئے ہیں۔ اس وادی میں بڑے قیمتی پتھر ہیں۔ ہم نے مسجد ترکی کے پاس واقع میوزیم میں وادی عقیق سے نکلے ہوئے پتھر دیکھے تو دنگ رہ گئے کہ پتھر بھی اتنے خوبصورت ہوتے ہیں۔ وہ کلیجی کے رنگ کے ہیں اور بے حد چمکدار ہیں۔ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں اس وادی میں بڑی چہل پہل رہا کرتی تھی۔ یہاں مشرق سے مغرب تک محل، مکانات، قلعے، کھیتیاں اور باغات تھے۔

سقیفہ بنی ساعدہ

مدینہ اور اس کے مضافات زبردست تاریخی واقعات کے گواہ رہے ہیں۔ یہاں ایسے ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ شاید ہی کسی شہر یا علاقے میں پیش آئے ہوں۔ مسجد نبوی کے شمال مغربی کونے پر ایک جگہ ہے جس کا نام ہے ''سقیفہ بنی ساعدہ''۔ یہ وہ تاریخی مقام ہے جہاں اللہ کے رسولؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا تھا۔ اللہ کے رسولؐ کی وفات پر مدینہ میں کہرام مچ گیا۔ کسی کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی وفات ہوسکتی ہے۔ لوگ پریشان حال مسجد نبوی کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار میان سے باہر نکال لی اور حجرۂ عائشہ کے سامنے کھڑے ہوکر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات ہوچکی ہے تو میں اس کا سر قلم کردوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق

تشریف لائے۔ نبی علیہ کا جسد مبارک چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ انھوں نے چادر ہٹائی اور آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اس موت کو اللہ تعالیٰ نے آپ پر مقدر کیا ہوا تھا۔ پھر آپ حجرے سے باہر آئے اور حضرت عمر کے پاس دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ جو شخص محمد کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد (علیہ) کی وفات ہو چکی ہے مگر جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

(ترجمہ): ''حضرت محمد صرف رسول ہی ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے گا اپنی ایڑیوں پر تو اللہ تعالیٰ کا ہرگز کچھ نہیں بگاڑے گا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو بہترین بدلہ دے گا''۔

یہ آیت کریمہ سن کر حضرت عمر کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ انھوں نے اسے نیام میں رکھا اور کہا کہ قسم ہے ایسا لگتا ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ جبکہ اس کے نزول کے بعد سب سے پہلے میں نے ہی اسے یاد کیا تھا۔

بہر حال معاملہ سنبھلنے کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ کے مقام پر خلیفہ کا انتخاب ہوا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی علیہ کی وفات ہو گئی تو انصار مدینہ اپنے سردار سعد بن عبادہؓ کے پاس خلیفۂ رسول کے انتخاب کے سلسلے میں رائے مشورہ کے لیے اسی باغ میں اکٹھا ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا تو وہ بھی جلدی جلدی یہاں تشریف لائے تاکہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہ ہو۔ پھر یہیں سیاسی گفتگو ہوئی۔ ہر شخص نے پوری آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا۔ حضرت سعد بن عبادہ نے کہا کہ ایک امیر ہمارا ہو گا اور ایک آپ لوگوں کا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا کہ ہم میں سے امیر ہو گا اور آپ لوگوں میں سے وزیر۔ آپ نے ایک حدیث بھی سنائی کہ خلافت قریش ہی میں رہے گی۔ اس طرح خلافت کا مسئلہ حل ہوا اور صحابہ کرام نے

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ اب یہاں ایک خوبصورت باغ ہے جو حدیقہ السقیفہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اردگرد کی دیگر زمینوں کے مقابلے میں نیچا ہے۔ یہاں بڑا ہی خوبصورت منظر ہے۔ چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی ہے۔ اہل مدینہ نے تاریخی واقعہ کے گواہ اس مقام کو ایک مرکز کی شکل دے دی ہے۔ یہاں سے مغرب کی جانب تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک جگہ آتی ہے جس کا نام ہے ''سبق''۔ سبق یعنی مسابقہ، مقابلہ۔ یہاں گھوڑوں کا مقابلہ ہوتا تھا۔ یہیں اللہ کے رسولؐ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا تھا۔ اس جگہ کو قد آدم عارضی دیوار سے گھیر دیا گیا ہے۔

داؤدیہ اور مسجد ترکی

اس سے تھوڑا آگے چلنے پر ایک بڑا بازار آتا ہے جس کا نام داؤدیا ہے۔ یہ گھڑیوں کا ہول سیل مارکیٹ ہے۔ سستی اور اچھی گھڑیاں یہاں ملتی ہیں۔ یہیں تھوڑی دور پر گورنر ہاؤس ہے۔ قریب ہی میں مسجد ترکی اور ایک میوزیم ہے۔ اس میں اللہ کے رسولؐ اور بعد کے ادوار کی تاریخی اشیا محفوظ کی گئی ہیں۔ یہ عمارت خلافت عثمانیہ کے دور میں ریلوے اسٹیشن تھا۔ عمارت کی پشت پر کئی ڈبے ریل کی پٹریوں پر کھڑے ہیں۔ اس مقام کو ایک پارک کی شکل میں تبدیل کردیا گیا ہے۔ کافی بڑا پارک ہے۔ شام کے وقت میوزیم دیکھنے اور پارک میں جانے والوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ میوزیم میں داخلہ مفت ہے البتہ پارک میں داخلے کا ٹکٹ دس ریال ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا میوزیم میں قدیم ادوار کی اشیا محفوظ ہیں۔ دور صحابہ میں عروسی لباس کا نمونہ ہے۔ سکے ہیں۔ حجرۂ رسولؐ میں خوشبو کے لیے خوشبو دان ہے۔ اس دور کی چکی ہے۔ لوہے کی صراحیاں ہیں۔ بندوقیں اور تلواریں ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے تحریر کردہ قرآن کریم کے نسخے کی فوٹو کاپی ہے۔ اس کی اصل کاپی استنبول میں ہے۔ بڑا خوبصورت خط ہے۔ بالکل کتابت کیا ہوا ہے۔ پتھروں پر قرآنی آیات کندہ ہیں۔ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو قابل دید ہیں۔

ہم لوگ وادی بیضا بھی دیکھنے گئے جس کا نام ہندوستان و پاکستان کے لوگوں نے وادی جن رکھ دیا ہے۔ یہاں پانی نشیب میں بہنے کے بجائے اونچائی پر بہتا ہے اور گاڑی کو اسٹارٹ کر کے چھوڑ دینے پر پیچھے کی سمت میں چلنے لگتی ہے اور تقریباً ۸۰ر کلومیٹر کی رفتار تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ سلسلہ پندرہ بیس کلومیٹر تک جاری رہتا ہے۔ (اس بارے میں ایک تفصیلی مضمون آگے آرہا ہے)۔

مسجد نبوی کا ایڈمنسٹریشن ہاؤس

مسجد نبوی کے اوپر جو گنبد خضرا بنا ہوا ہے اس کے بالمقابل مدینہ کی سپریم کورٹ ہے۔ مسجد نبوی کے ائمہ کرام ہی اس کے جج ہوتے ہیں۔ مسجد کے جنوب مغربی کونے پر باب السلام کے پاس ایک کثیر منزلہ عمارت ہے جو کہ مسجد کا ایڈمنسٹریشن ہاؤس ہے۔ رات میں اس پر چاروں طرف سے ہرے رنگ کی لائٹ کا فوکس ڈالا جاتا ہے جس سے عمارت کی خوبصورتی بڑھ جاتی ہے۔ باب السلام سے مسجد میں داخل ہوں تو وہیں بائیں طرف ایک عمارت ہے جسے میوزیم کی شکل دی جارہی ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی بہت سی اشیا اور دستاویزات محفوظ کی جائیں گی۔ اس کے برابر میں ایک اور عمارت ہے۔ پہلے اسی میں کچھ اسی قسم کی چیزیں تھیں۔ وہ سب اس نئے میوزیم میں رکھی جائیں گی۔ اسے عربی میں ''متحف السلام'' اور انگریزی میں ''السلام میوزیم'' کہا جاتا ہے۔

زیارت سے واپسی کے بعد مسجد نبوی میں نماز جمعہ ادا کی گئی۔ اب مسجد میں حجاج کی بھیڑ بڑھنے لگی ہے۔ ہم ۱۸ر جولائی کو پہنچے تھے اور آج ۲۰ر جولائی ہے۔ ان تین دنوں میں لوگوں کی زبردست آمد ہوئی ہے۔ خود ہندوستان سے اب تک تیس ہزار سے زائد حاجی مدینہ پہنچ چکے ہیں۔ جمعہ کی نماز کے وقت بہت پہلے ہی مسجد بھر گئی۔ ذرا تاخیر سے آنے والوں کو یا تو کھلے صحن میں جگہ ملی یا پھر چھت پر۔ ہم بھی چھت پر گئے۔

جبل احد کا شبینہ منظر

۲۱ر جولائی کو مولانا جاوید ندیم نے شام کو کھانے پر مدعو کیا۔ یہ ان کی محبت تھی۔ واپسی پر جبل احد کے پاس سے گزرے تو وہاں کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ انھوں نے بتایا کہ حکومت نے احد پہاڑ پر چاروں طرف سے جو کہ سات کلو میٹر لمبا ہے، لائٹوں کا انتظام کیا ہوا ہے۔ چاروں طرف سے پہاڑ پر فوکس ڈالا جاتا ہے جس کی وجہ سے پورا پہاڑ نظروں میں آجاتا ہے۔ ایسی تیز روشنی کہ پہاڑ پر جائیں تو ایک ایک ذرے کو دیکھ سکیں۔ پہاڑ کی دو جانب حکومت نے پارک بنوائے ہیں۔ یعنی پہاڑ کو کاٹ کاٹ کر اسے مسطح کیا گیا ہے، وہاں بیٹھنے کی جگہیں بنائی گئی ہیں، داخلی دروازہ بنایا گیا ہے اور دروازے کے پاس بینچیں وغیرہ نصب کی گئی ہیں۔ آس پاس ہرے بھرے درخت اور پھولوں کی کیاریاں ہیں۔ پہاڑ پر یہ ہریالی بہت دیدہ زیب ہے۔ دن میں احد پہاڑ اتنا خوبصورت نہیں لگتا جتنا کہ رات میں لگتا ہے۔ لیکن عام حجاج اس کی زیارت رات میں نہیں کر پاتے۔ ہم جاوید ندیم کی مہربانیوں سے اس پُر بہار منظر سے لطف اندوز ہو سکے۔

جبل احد جاتے ہوئے مسجد شیخین پڑتی ہے۔ غزوۂ احد کے لیے جاتے ہوئے نبی ﷺ نے اجمۃ الشیخین کے پاس ٹھہر کر جمعہ، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں ادا کی تھیں۔ رات میں یہیں قیام کیا اور یہیں آپ نے اپنے لشکر کی تنظیم نو کی تھی۔ یہیں سے حضرت ابو سعید خدریؓ جیسے ان تمام صحابۂ کرام کو واپس کیا گیا تھا جو ابھی کمسن تھے۔

مولانا جاوید ندیم نے جامعہ اسلامیہ بھی دکھائی۔ رات میں داخلی دروازے کے علاوہ سارے دروازے بند تھے۔ اس لیے کچھ دور جا کر واپس ہو لیے۔ البتہ یہاں کتابوں کا اے ٹی ایم دیکھا۔ یعنی اگر آپ کو کوئی کتاب لائبریری میں جمع کرنی ہے تو آپ اس میں ڈالیں وہ اسے قبول کر لے گی۔ ہم اس سے قبل کے سفر میں جامعہ اسلامیہ کی زیارت کر چکے تھے۔

مسجد نبوی میں تمام نمازوں کے بعد دروس ہوتے ہیں، کلاسیں چلتی ہیں اور تعلیمی

سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اب مسجد نبوی کے نام سے ایک کلیہ مسجد نبوی یعنی مسجد نبوی کالج بھی کھولا گیا ہے جس کے تحت قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر اور دوسری فیکلٹیز ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ عشا کی نماز کے بعد بھی جگہ جگہ طلبا کتابیں لیے بیٹھے ہیں اور یا تو درس میں شامل ہیں یا از خود مطالعہ کر رہے ہیں۔

بقیع الغرقد

مسجد نبوی کی مشرقی جانب مدینہ کا سب سے بڑا قبرستان ہے جسے "بقیع" کہا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ اسے جنت البقیع کہتے ہیں۔ جبکہ اس کا اصل نام "بقیع الغرقد" ہے۔ غرقد عربی کا لفظ ہے۔ یہ ایک جنگلی درخت کا نام ہے جو خاردار جھاڑی کی صورت میں ہوتا ہے۔ یہاں جب اللہ کے رسولؐ نے مسجد تعمیر کرنے کے بعد صحابہؓ کرام کے لیے قبرستان بنانا چاہا تو اسی مقام کا انتخاب کیا۔ یہاں چونکہ غرقد کے بہت سے درخت یا جھاڑیاں تھیں اس لیے اس کا نام بقیع الغرقد پڑ گیا۔ بقیع کا مطلب ہوتا ہے خالی پڑی جگہ۔ بقیع الغرقد یعنی وہ خالی جگہ جہاں غرقد کے درخت ہیں۔ غرقد یہودیوں کے لیے بہت مقدس درخت ہے۔ آج یہودی جہاں جہاں آباد ہو رہے ہیں وہاں وہاں وہ بڑی تعداد میں غرقد اگا رہے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ مسلمان یہودیوں سے جنگ کریں اور انھیں قتل کر دیں۔ یہاں تک کہ یہودی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپیں گے تو پتھر یا درخت کہے گا کہ اے مسلمان اے عبد اللہ یہ یہودی میرے پیچھے ہے آؤ اور اسے قتل کر دو۔ سوائے درخت غرقد کے۔ کیونکہ وہ یہود کے درخت میں سے ہے۔ یعنی جو یہودی غرقد کے پیچھے چھپا ہوگا اس کو غرقد پناہ دے گا۔

پہلے اس کے اردگرد مکانات اور باغات تھے۔ مسجد نبوی کی آخری توسیع میں قبرستان اور مسجد کے درمیان کے مکانات کو منہدم کر دیا گیا۔ ان دونوں کے درمیان جو محلہ آباد تھا وہ "اغوات" کے نام سے معروف تھا۔ (اغوات کے سلسلے میں ایک تفصیلی

مضمون آئندہ صفحات میں آرہا ہے)۔علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس قبرستان میں پہلے کس کی تدفین ہوئی۔

ہم نے بھی زیارت کی

بقیع نماز فجر اور عصر کے بعد کھلتا ہے۔ہم نے نماز فجر کے بعد اس کی زیارت کی۔ ابتدائی ایام میں بقیع نشیبی علاقہ تھا مگر اب مسجد نبوی کے بیرونی صحن کے فرش سے کم از کم ایک منزل اونچا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے یہاں ہمیشہ مٹی ڈالی جاتی ہے۔جنوب مشرقی سمت میں مٹی کے ٹرک کھڑے رہتے ہیں۔جب زیارت ختم ہو جاتی ہے تو مٹی ڈالنے کا کام شروع ہوتا ہے۔جب ہم اس کے اندر داخل ہوتے ہیں تو دائیں جانب قبروں کا ایک چھوٹا سا قطعہ آتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہاں صحابہؓ کرام کی قبریں ہیں۔ چھوٹے چھوٹے پتھر نصب کر کے نشانات بنا دیے گئے ہیں۔یہاں پولیس کسی کو رکنے نہیں دیتی۔کسی قبر کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حضرت فاطمہ زہراؓ کی ہے، کسی کو کسی دوسرے صحابی کی قبر کے طور پر مشہور کیا گیا ہے۔لیکن وہاں پانچ سال تک ڈیوٹی دینے والے مولانا جاوید ندیم کا کہنا ہے کہ کسی قبر کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس کی ہے۔ہاں اس میں کم از کم دس ہزار صحابہؓ کرام مدفون ہیں۔نوے ہزار تابعین اور تبع تابعین ہیں۔گویا ایک لاکھ قبریں تو پرانے مرحومین کی ہیں۔انھوں نے بتایا کہ جب قبرستان بھر گیا اور ایک بھی قبر کی جگہ نہیں بچی تو مٹی ڈال کر یوں سمجھیے کہ اسے دو منزلہ کر دیا گیا۔اس لیے یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔پہلے یہاں کچھ قبروں پر قبے بنائے گئے تھے۔ بہت سی قبروں کو جوں کا توں رکھا گیا تھا۔لیکن سعودی عرب میں ملک سعود کی حکومت کے قیام کے بعد ان نشانات کو ختم کر دیا گیا۔اب قبروں پر دو ڈھائی فٹ لمبائی اور تقریباً ایک بالشت اونچائی میں مٹی لگا دی جاتی ہے تا کہ قبر کی نشاندہی ہو سکے۔باقی جگہ کو بالکل برابر کر دیا جاتا ہے۔سرہانے ایک چھوٹا سا پتھر نصب کر دیا جاتا ہے۔قبرستان کہیں نیچا ہے تو کہیں اونچا۔اس کی وجہ یہی ہے کہ وہاں مسلسل مٹی ڈالی جاتی ہے۔

بقیع میں ویڈیوگرافی

جب ہم زیارت کر کے نکل رہے تھے تو اچانک بھیڑ رک گئی۔ معلوم ہوا کہ آگے آگے عراقی عازمین کا ایک گروپ ہے جو ویڈیوگرافی کر رہا ہے۔ وہ کھڑا ہو گیا تھا اور ان لوگوں کی وجہ سے پیچھے کے لوگوں کو بھی رک جانا پڑا جس کی وجہ سے بڑی افراتفری مچ گئی۔ واپس آتے وقت دائیں جانب ایک بڑی سی قبر ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراؓ کی ہے۔ اس کی جانب اہل تشیع بڑی حسرت اور ماتم بھری نظر ڈالتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ قبرستان کی مٹی تھیلی میں بھر رہے ہیں۔

ایک دلچسپ واقعہ

ہمارے ایک عزیز اور جامعہ اسلامیہ میں پی ایچ ڈی کے اسکالر مولانا عبدالوحید نے بتایا کہ ایک بار زیارت کے وقت ایک طالب علم کی وہاں ڈیوٹی تھی تاکہ لوگ بدعات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ وہ ایک جگہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ ایک شخص نے اس سے پوچھا کہ تم جہاں بیٹھے ہو یہ کس کی قبر ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم۔ اس نے پھر پوچھا تو اس نے پھر انکار کیا۔ مگر وہ شخص یہ جاننے کے لیے بضد تھا کہ وہ کس کی قبر ہے۔ اس نوجوان نے کہا کہ میں ایک طالب علم ہوں اور میں یہاں ڈیوٹی دے رہا ہوں۔ میری عمر بھی اتنی زیادہ نہیں ہے کہ میں ان مرحومین کو جانوں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ کس کی قبر ہے۔ کسی کو بھی نہیں معلوم۔ اس دوران وہاں کافی لوگ جمع ہو گئے۔ لیکن مذکورہ شخص اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اس طالب علم کو جب کچھ نہیں سوجھا تو وہ کرسی سے کھڑا ہو گیا اور اس نے اس شخص کو اس پر بٹھا دیا۔ پھر اس سے پوچھا کہ اچھا بتاؤ کہ تم جہاں بیٹھے ہو یہ کس کی قبر ہے۔ اس پر وہ شخص جھنجھلا گیا اور کہنے لگا کہ مجھے کیا معلوم کس کی ہے۔ اس نوجوان نے کہا کہ اسی طرح مجھے بھی نہیں معلوم کہ کس کی ہے۔ لوگ ہنس پڑے اور وہ شخص شرمندہ ہو کر چلتا بنا۔

ایسی بے ادبی؟

موبائل کی وجہ سے جہاں بہت سی آسانیاں ہیں وہیں بہت بے ادبی بھی ہوتی ہے۔ بقیع میں ہم نے دیکھا کہ کس طرح لوگ ویڈیوگرافی اور فوٹوگرافی کرتے ہیں اور سیلفی بھی لیتے ہیں۔ گویا وہ دعائیں پڑھنے اور قبروں کی زیارت کرنے نہیں بلکہ سیلفی لینے جاتے ہیں۔ اسی طرح مسجد نبوی میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ خاص طور پر نماز کے بعد جب لوگ نکلتے ہیں تو مجمع کی تصویر لیتے ہیں اور اپنے اپنے عزیزوں کو ویڈیو کال کرتے ہیں۔ اونچی آواز میں ان کو بتاتے ہیں کہ دیکھو لو مجمع دیکھ لو۔ کوئی چھتری دکھاتا ہے تو کوئی صحن، کوئی اندر کا حصہ تو کوئی وضو خانہ اور پارکنگ۔ حد تو یہ ہے کہ کچھ لوگ قبر رسولؐ پر بھی ویڈیوگرافی اور ویڈیو کالنگ کرتے ہیں اور اپنے اعزا کو وہاں کا منظر دکھاتے ہیں۔ ہم نے ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ کسی شخص نے قبر رسولؐ پر پہنچ کر ویڈیو کالنگ کی اور اپنی بیوی سے کہا کہ لو تم بھی وہیں سے سلام پیش کر دو۔ عورتیں جس حالت میں بھی رہتی ہیں موبائل میں نظر آتی ہیں۔ ایک بار کوئی بڑے شیخ اپنی اہلیہ اور بچوں کے ساتھ قبر رسولؐ کی زیارت کرنے کے لیے لائن میں چل رہے تھے کہ ان کے آگے والا شخص ویڈیو کالنگ کرنے لگا۔ موبائل میں ان کی اور ان کے بچوں کی بھی تصویریں آنے لگیں۔ انھوں نے وہیں اس کو بری طرح جھاڑا اور زبردستی ویڈیو کالنگ بند کرائی۔ اس طرح ہم نے دیکھا کہ لوگ نمازوں میں اتنے خشوع وخضوع کا مظاہرہ نہیں کرتے جتنے خشوع وخضوع کا مظاہرہ تصویرکشی اور ویڈیوگرافی وویڈیو کالنگ میں کرتے ہیں۔

حرم نبوی سے حرم مکی کو روانگی

حج جہاں اسلام کا ایک اہم رکن ہے وہیں یہ عالمی سطح پر مسلمانوں کی برادرانہ یکجہتی کا ایک شاندار مظاہرہ بھی ہے۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان واقعہ ہے جس کی مثال دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔ اس اہم رکن کی ادائیگی میں للّٰہیت اور خلوص کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر نیتوں میں اخلاص نہیں تو یہ مالی وجسمانی مشقت بے سود ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ چونکہ یہ مسلمانانِ عالم کا سب سے بڑا اجتماع ہے لہٰذا اس کے انتظامات بھی اسی کے بقدر کیے جاتے ہیں یا کیے جانے چاہئیں۔ ہر ملک کی حج کمیٹیاں یا متعلقہ ادارے بہتر سے بہتر سہولت فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور سعودی حکومت بھی اس کی کوشش کرتی ہے کہ انتظامات میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود بہت سی خامیاں وکوتاہیاں دیکھنے کو ملتی ہیں جو کہ فطری ہے۔ حجاج کی جانب سے بھی بے صبری کا مظاہرہ ہوتا ہے اور معمولی معمولی باتوں پر آسمان سر پر اٹھالیا جاتا ہے۔

مدینہ منورہ میں حج ڈیوٹی انجام دینے والے متعدد رضا کاروں نے راقم کو بتایا کہ حج کے انتظامات میں سات آٹھ محکموں کی شمولیت ہوتی ہے۔ جب حاجی ایئرپورٹ پر اترتے ہیں تو کئی محکموں میں ان کا اندراج ہوتا ہے۔ اس بات کو بھی یقینی بنانا ضروری ہوتا ہے کہ کہیں کوئی غلط اندراج نہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر ایک جگہ غلطی ہوئی تو وہی غلطی ہر محکمے میں ہوتی چلی جائے گی اور اس سے حجاج کو پریشانی ہوگی۔ ایئرپورٹوں پر ضروری کاغذی کارروائیوں میں کم از کم دو تین گھنٹے لگتے ہیں۔ لیکن بہت سے حاجی اس تاخیر پر شکایتوں کا دفتر کھول دیتے ہیں۔

ایک حاجی کا شکوہ بیجا

مسجد نبوی میں نماز ظہر کے بعد ہم صحن میں بیٹھے تھے کہ وہیں دو مرد اور دو خواتین بھی آگئیں۔ ان میں ۷۰ رسال سے اوپر کے ایک بزرگ بھی تھے۔ انھوں نے ایئرپورٹ پر ہونے والی تاخیر پر سعودی حکومت کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور یہاں تک کہا کہ حاجیوں کا احترام تو ان سے زیادہ غیر مسلم کرتے ہیں۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں تو انھوں نے بڑی بے رخی سے جواب دیتے ہوئے کہ دہلی سے آئے ہیں منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ انھیں اس کی بھی شکایت تھی کہ امیگریشن کے کلرک چائے کیوں پی رہے تھے۔ اپنا کام فٹافٹ کیوں نہیں کر رہے تھے۔ اگر وہ غور کرتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ بایومیٹرک لینے کے ساتھ جانے کیا کیا کرنا ہوتا ہے۔ شیشے کی مشین پر نوجوانوں کے فنگر پرنٹس تو آسانی سے ثبت ہو جاتے ہیں مگر معمر افراد کے ثبت ہونے میں دشواری ہوتی ہے۔

امیگریشن میں ہونے والی تاخیر اور وہاں کے نوجوان کارکنوں کے "اطمینان" کی شکایت عام طور پر کی جاتی ہے۔ وہ نوجوان بھی دو ایک حاجی نمٹانے کے بعد ٹہلنے یا کسی ساتھی سے بات کرنے لگتے ہیں۔ جبکہ حجاج کا شوق انھیں جلد از جلد وہاں سے فارغ کروانا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کچھ دیر انتظار بھی بہت بھاری محسوس ہوتا ہے۔

ویسے بہت سے لوگ حج انتظامات سے مطمئن بھی ہیں۔ روزنامہ عرب نیوز کی دو اگست کی ایک رپورٹ کے مطابق ایرانی حجاج نے بلاتفریق بہترین حج خدمات انجام دینے پر سعودی حکومت کی ستائش کی۔ ایک حاجی حسن ترابی کے مطابق ان لوگوں کا گلدستہ، پانی اور تحائف سے گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا اور بلا تاخیر ان کی رہائش گاہوں پر پہنچایا گیا۔ ایرانی شہر برزک سے آنے والے حجاج کے امیر حجۃ اللہ الہکی نے بھی ممکنہ بہترین انداز میں استقبال پر سعودی حکومت کا شکریہ ادا کیا۔ حاجی ابوالقاسم علی دست نے حجاج کو فراہم کی جانے والی سیکورٹی اور صحت خدمات کا اعتراف کیا۔

لاپروائیوں کا نمونہ

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ سب کچھ بہت خوش اسلوبی سے ہو رہا ہے۔ بہت سی جگہوں پر لاپروائیاں دیکھنے کو مل رہی ہیں۔ مدینہ میں ہمارے ہوٹل میں ۲۴؍ جولائی کی شام کو نوٹس لگ گیا تھا کہ ۲۶؍ جولائی کو بعد نماز ظہر مکہ کے لیے روانگی ہے۔ تمام حجاج اپنا سامان نماز سے قبل لابی میں رکھ دیں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ جس بس میں بیٹھیں اسی میں اپنا سامان بھی رکھوائیں۔ حاجیوں کی لسٹ بھی لگی تھی کہ کس کو کس نمبر کی بس میں بیٹھنا ہے۔ ۲۶؍ جولائی کو تین بجے کے بعد بسیں آئیں اور ہم لوگ سوا چار بجے بس میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس سے قبل جب سامان لادنے والوں سے کہا گیا کہ ہم فلاں بس میں بیٹھیں گے یہ ہمارا سامان ہے اسی میں لادا جائے تو ان لوگوں نے جواب دیا ''کوئی مشکل نہیں، سب سامان ایک ہی بلڈنگ پر اترے گا''۔ لیکن بہت سے حاجیوں کا سامان ادھر ادھر ہو گیا۔ جو بسوں سے بچ گیا وہ ٹیمپو پر لادا گیا۔

یہاں حاجیوں کی کوتاہیاں بھی نظر آئیں۔ بہت سے حاجی بس میں بیٹھنے میں انتہائی تاخیر سے کام لے رہے تھے۔ کسی کو اس کی شکایت تھی کہ مسجد نبوی میں اس کی ۴۰؍ وقت کی نمازیں پوری نہیں ہوئی ہیں تو کسی کو کسی اور بات کی شکایت تھی۔ کسی کو کوئی سامان لانا رہ گیا تو کسی کو کوئی اور ضرورت۔ خدا خدا کر کے ۶؍ بج کر ۲۰؍ منٹ پر بس روانہ ہوئی اور میقات یعنی ابیار علی پر جا کر رکی۔ وہاں سے نماز مغرب کے بعد تقریباً پونے آٹھ بجے چلی۔ یہاں یہ بھی بتا دیں کہ ہوٹل کی جانب سے ایک شخص بس کے اندر آ کر بار بار اعلان کرتا رہا کہ اگر کسی کے پاس کمرے کی چابی ہو تو دے دے۔ بس نے جب نصف سفر طے کر لیا تب ایک حاجی صاحب نے بس کے ڈرائیور کو کمرے کی چابی تھمائی۔ وہ اتنی دیر تک اس چابی کا کیا کر رہے تھے انھی کو معلوم ہوگا۔

جو حاجی ہوٹل سے احرام باندھ کر نہیں آتے وہ ابیار علی کی مسجد میں باندھتے ہیں۔ یہاں غسل اور وضو کے لیے بہترین انتظام ہے۔ یہیں عمرہ کی نیت کی جاتی ہے۔ ہم جب

اپنی بس سے اتر کر بچوں کو خواتین کے حصے کی طرف جانے کی ہدایت دے کر آگے بڑھے تو ایک متوسط عمر کی خاتون نے جو اپنے نابینا شوہر کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھیں، ہم سے کہا کہ ذرا ان کو بھی مسجد میں لے جا کر وضو اور نماز سے فارغ کروا دیجیے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے ان کا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دے دیا اور خواتین کے حصے کی جانب روانہ ہو گئیں۔ نابینا حاجی صاحب نے ہم سے باتیں شروع کر دیں۔ ہم نے ان کا دل رکھنے کے لیے کہہ دیا کہ جناب آپ کی اہلیہ تو آپ سے بہت محبت کرتی ہیں دیکھیے آپ کو حج کروانے لے جا رہی ہیں۔ انھوں نے تپاک سے جواب دیا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو حج کرانے لے جا رہے ہیں۔ ہمیں اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ ہمارے جملے سے ان کی انا کو ٹھیس پہنچی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی معذور شخص اور خاص طور پر اگر وہ نابینا ہے، اپنی معذوری کو اپنی کمزوری نہیں سمجھتا اور اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کی معذوری کی وجہ سے اس پر ترس کھایا جائے۔ لہٰذا ان کا جواب سن کر ہم نے فوراً اپنے جملے میں اصلاح کی اور یہ بات بتکرار کہی کہ ہاں ہاں جناب آپ دونوں ایک دوسرے کو حج کرانے جا رہے ہیں۔ وہ استنجا اور وضو سے ہم سے پہلے فارغ ہو گئے اور ہمارا انتظار کرنے لگے۔

جب ہم وہاں سے نکلنے کو ہوئے تو دیکھا کہ جو بہت سے حاجی صاحبان غسل سے فارغ ہو کر نکل رہے ہیں وہ ایک مشین نما چیز کے سامنے اپنا سر جھکا کر بال خشک کر رہے ہیں۔

جب ہم نے قریب سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی مشین نہیں بلکہ بالوں کو خشک کرنے کا آلہ یعنی ہیئر ڈرائر (Hair Daryer) ہے اور ایسے ہیئر ڈرائر جگہ جگہ لگے ہوئے ہیں اور لوگ وہاں اپنے بال خشک کر رہے ہیں۔ بہر حال ہم دونوں نے نماز مغرب ادا کی اور دو رکعت نماز پڑھی۔ ہم ان کو لے کر باہر آئے تو باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ وہ بھی نئی دہلی سے آئے ہیں اور جامعہ نگر کی کالونی غفار منزل میں رہائش پذیر ہیں۔ مسجد سے نکل کر کچھ دور چلے ہوں گے کہ ان کے کوئی شناسا مل گئے اور پھر انھوں نے بھی ان کی آواز پہچان لی۔ پھر انھوں نے ہمارا ہاتھ چھوڑا اور ان کا پکڑ لیا۔

یہاں سے روانہ ہونے کے کچھ گھنٹوں کے بعد بس ایک ہوٹل کے سامنے رکی۔

وہاں اور بھی بسیں رکی ہوئی تھیں۔ ڈرائیور نے سب کو بس کے نمبر کی پرنٹڈ پرچی دی اور اشاروں میں کہا کہ اسی میں آکر بیٹھیں۔ وہ سوڈانی تھا۔ اس کی زبان ہم سمجھتے تھے نہ وہ ہماری۔ لوگ بس سے اترے، ہوٹل میں گئے۔ کسی نے کھانا کھایا کسی نے ناشتہ کیا۔ کچھ لوگوں نے وہیں قریب میں واقع مسجد میں عشا کی نماز ادا کی۔ ہم نے بھی ادا کی۔ ہمارے بچے خواتین کے حمام سے واپس آگئے۔ پوچھنے پر بتایا کہ وہاں پانی ہی نہیں ہے۔ دوسری کئی خواتین نے بھی پانی نہ ہونے کی شکایت کی۔ بہر حال مسجد سے آئے تو دیکھا کہ ہماری بس غائب ہے۔ وہاں کوئی دوسری بس کھڑی ہے۔ ہم تو پریشان ہو گئے کہ کہیں چلی تو نہیں گئی۔ تلاش بسیار کے بعد معلوم ہوا کہ ڈرائیور نے اسے پیچھے لے جا کر لگا دیا ہے۔ ہماری طرح کئی حاجی پریشان ہیں۔ ایک بزرگ حاجی ہمارے ساتھ نماز ادا کرنے گئے تھے۔ ہم تو قصر پڑھ کر چلے آئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کافی دیر تک نماز پڑھتے رہے۔ بس ملی تو ان کی جچن نے حاجی صاحب کے کھو جانے کی شکایت کی۔ ہم ان کو لے کر باہر آئے اور حاجی صاحب کو تلاش کرنے لگے۔ جچن نے کہا کہ میں ہوٹل میں دیکھ لیتی ہوں۔ وہ ہوٹل میں گئیں تو اتنے میں حاجی صاحب نظر آگئے۔ ہم نے ان کو بتایا کہ وہ تو آپ کو تلاش کر رہی ہیں۔ اب ہم لوگ جچن کو تلاش کرنے لگے۔ کافی جستجو کے بعد وہ محترمہ ملیں اور حاجی صاحب کو ڈانٹنے لگیں کہ جب تمھیں کہا تھا کہ ان کے ساتھ رہنا تو پھر اکیلے کیسے رہ گئے۔ بہر حال بس میں آئے اور بس روانہ ہوئی۔ لوگ ڈرائیور کو برا بھلا کہہ رہے ہیں اور وہ اپنی زبان میں اپنے دلائل دے رہا ہے یا ممکن ہے وہ بھی برا بھلا کہہ رہا ہو۔ منتظمین کو چاہیے کہ بس میں جس زبان کے جاننے والے حاجی بٹھائے جائیں اسی زبان کے ڈرائیور کو بھی رکھیں۔

عزیزیہ میں ورود

بہر حال خدا خدا کر کے صبح تقریباً چار بجے مکہ کے عزیزیہ پہنچے۔ مگر متعلقہ بلڈنگ پر پہنچنے سے قبل ڈرائیور نیچے اترا اور کچھ لوگوں سے گفتگو کرنے لگا۔ کافی دیر کے بعد چند

افراد آئے اور ادھر ادھر بھاگ دوڑ کرنے لگے۔ بس میں آ کر ایک شخص نے دو حاجیوں کو ہینڈ بیگ سمیت اتارا۔ کچھ دیر کے بعد پھر دو حاجیوں کو اتارا گیا۔ اس طرح یہاں کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ رکنے کے بعد اپنی بلڈنگ پر پہنچے۔ بعد میں اندازہ ہوا کہ جن چار حاجیوں کو اتارا گیا ان کا قیام حرم شریف کے قریب گرین کیٹیگری میں تھا اور وہ اس بس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہوٹل پر سامان اتارا گیا اور کمروں کی چابیاں دی گئیں۔ اس طرح جو سفر زیادہ سے زیادہ چھ گھنٹے میں ہونا چاہیے تھا وہ بارہ تیرہ گھنٹے میں پورا ہوا۔ بہت سے حاجیوں کا سامان شام تک نہیں آیا۔ معلوم ہوا کہ کسی دوسری بلڈنگ کا سامان یہاں اترا اور اس کا وہاں۔ اس طرح تمام گمشدہ سامان ملنے میں دو تین روز لگ گئے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے برانچ آفس میں جا کر رپورٹ لکھا دی ان کا سامان بہت جلد مل گیا۔

یوں تو سعودی حکومت بہتر سے بہتر انتظام کی کوشش کرتی ہے لیکن نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر عزیزیہ سے حرم شریف جانے کے لیے بسوں کا انتظام ہے۔ لیکن حجاج کی تعداد کے پیش نظر بسیں بعض اوقات کم پڑ جاتی ہیں۔ حجاج کی بڑھتی تعداد کی وجہ سے اب حرم شریف میں فرسٹ اور سیکنڈ فلور اور چھت سے بھی طواف ہونے لگا ہے۔ لیکن گراؤنڈ فلور کو چھوڑ کر ہر جگہ سیکڑوں وھیل چیئرس بھی چلتی رہتی ہیں جن سے پیدل طواف کرنے والوں کو زبردست پریشانی ہے۔ (کبھی کبھار گراؤنڈ فلور پر بھی کوئی نہ کوئی وہیل چیئر لے آتا ہے)۔ ذرا سا کوئی چوکا تو پیچھے سے آ کر دھڑ سے وہیل چیئر لگتی ہے اور اتنی زور کی ضرب پڑتی ہے کہ آدمی بلبلا اٹھتا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک خاتون کو اتنی تیز چوٹ لگی کہ وہ دھڑام سے چاروں شانے چت ہو گئیں۔ اب وہیل چیئرس پر پابندی تو نہیں لگائی جا سکتی کیونکہ اس سے بہت سے معمر اور معذور افراد طواف سے محروم رہ جائیں گے۔ لیکن جس طرح سعی میں وہیل چیئرس کے لیے علیحدہ راہداری ہے اسی طرح طواف کے لیے بھی الگ راہداری ہونی چاہیے۔ اگر الگ راہداری ہے تو وھیل چیئر والوں کو اس کی پابندی کرنی چاہیے۔

(یہاں واپس آنے کے بعد معروف صحافی، دانشور اور دہلی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں نے راقم کو بتایا کہ جب وہ حج کرنے گئے تھے تو ان کو بھی ایک وہیل چیئر سے بری طرح چوٹ لگی تھی اور ان کا پیر زخمی ہو گیا تھا۔ انھوں نے ایک سرکاری اسپتال میں جا کر اپنا علاج کروایا تھا)۔

ایک خاص بات یہ دیکھنے کو ملی کہ حرمین میں مردوں کی کوئی چیکنگ نہیں ہوتی۔ بعض دروازوں پر خواتین تعینات ہوتی ہیں جو عورتوں کے بیگ کی رسمی چیکنگ کرتی ہیں۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی ہیں کہ مسجد میں کوئی کھانا وغیرہ تو نہیں لے جا رہا ہے۔ حالانکہ اگر زیادہ نہیں تو کم از کم ہر گیٹ پر ایک ایک میٹل ڈیٹکٹر تو نصب کیا ہی جانا چاہیے۔ یہ بات درست ہے کہ سب حجاج ہوتے ہیں کوئی بھی شخص کسی غلط نیت سے نہیں آئے گا لیکن یہ خدشہ تو برقرار ہی رہتا ہے کہ کوئی بھی شخص کچھ بھی لے کر جا سکتا ہے۔ پچھلے دنوں ایک نیم دیوانے نے غلاف کعبہ پر آتش گیر سیال چھڑک دیا تھا۔

گرین کیٹگری اور عزیزیہ

اس طرح مدینہ منورہ کا ایک ہفتے کا ہمارا قیام ختم ہوا اور ہم مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ۲۷ر جولائی کی صبح کو ساڑھے پانچ بجے عزیزیہ، مکہ مکرمہ پہنچے۔ ہمارے کمرے میں پانچ بیڈ ہیں۔ جب ہم پہنچے تو دیکھا کہ تین بیڈ پر لوگ قابض ہیں اور صرف دو خالی ہیں۔ بہر حال ہم نے عمرہ کرنے کے بعد اس معاملے کو حل کرنے کا فیصلہ کیا۔ کمروں میں سامان وغیرہ رکھ کر عمرہ کے لیے نکل پڑے۔ صبح کے پونے آٹھ بجے حرم شریف میں داخل ہوئے۔ اگر چہ تھک کر چور ہو گئے ہیں لیکن طواف اور سعی کی اور نماز جمعہ کے بعد حلق کروایا، ایک ہوٹل سے لا کر کھانا کھایا گیا اور پھر ہوٹل واپس آئے۔ جمعہ کا دن ہونے کی وجہ سے صبح سے ہی نمازیوں کی آمد ہے۔ تقریباً دس بجے ہم لوگ بھی دوسرے نمازیوں کی مانند صفوں میں بیٹھ گئے۔ عورتوں کی جائے نماز الگ ہے مردوں کی الگ۔

حرم میں لوگوں کی بھیڑ بڑھتی جا رہی ہے۔ جمعہ کے روز صبح تقریباً دس بجے ہی گیٹ بند کر دیے جاتے ہیں۔ اندر مردوں اور عورتوں کی نمازوں کے لیے رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔ بارہ بجے پہلی اذان اور ساڑھے بارہ بجے دوسری ہوئی۔ امام حرم نے نصف گھنٹہ عربی میں خطبہ دیا۔ ان کی آواز بڑی مترنم اور شیریں تھی۔ جب انھوں نے قرأت شروع کی تو دل یہی چاہتا تھا کہ وہ یوں ہی پڑھتے جائیں اور ہم سنتے جائیں۔ اس طرح لاکھوں فرزندان وابنات توحید نے حرم مکی میں نماز جمعہ ادا کی۔ ہم نے بھی اس سفر میں پہلی نماز جمعہ حرم مکی میں ادا کی۔ پچھلا جمعہ ہم نے مسجد نبوی میں ادا کیا تھا۔

عزیزیہ میں بلڈنگ نمبر ۵۷۱ میں پانچویں منزل پر ہمارا کمرہ ہے۔ اس کا نمبر

۵۰۴/ہے اور وہ پانچ بستروں والا ہے۔ جب ہم عمرہ سے فارغ ہو کر کمرے میں آئے تو دیکھا کہ ایک بستر پر ایک بزرگ حاجی صاحب آرام فرما ہیں۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ کا کمرہ کون سا ہے تو انھوں نے اسی کو بتایا۔ ہم نے ان سے وہ سلپ مانگی جو دہلی حج کمیٹی سے ملی تھی اور جس پر عزیزیہ کا پتہ درج تھا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ تو کھو گئی ہے۔ پھر انھوں نے ایک کارڈ دکھایا جس پر ۵۰۴/درج تھا مگر وہ مکہ کے کمرے کا پتہ تھا۔ ہم نے ان سے کچھ نہیں کہا اور نیچے کاؤنٹر پر جا کر اس کی اطلاع دی اور اپنے لیے ایک اور بیڈ کی فرمائش کی۔ اتفاق سے اسی وقت مذکورہ حاجی صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ ذمہ داروں نے انٹرنیٹ پر ان کے کور نمبر (COVER NUMBER) کے حساب سے تفصیل جاننی چاہی تو پتہ چلا کہ ان کا کمرہ اس کی اوپری منزل پر ہے۔ اس طرح وہ حاجی صاحب اس کمرے سے نکلے اور ہمیں تین بیڈ حاصل ہوئے۔ ہمارے روم پارٹنر پرانی دہلی کے کلاں محل کے جناب قمر الدین قریشی صاحب اور ان کی اہلیہ خاتون بیگم ہیں۔ کلاں محل اور سندر نگری دونوں جگہ ان کے گھر ہیں۔ وہ دونوں جگہ رہتے ہیں۔ بلکہ زیادہ تر سندر نگری ہی رہتے ہیں۔ ان کا آبائی وطن ضلع بلند شہر ہے۔ ان کا چکن کا تھوک کاروبار ہے۔ دونوں میاں بیوی ماشاء اللہ بہت معاون ہیں۔ ان کا ذکر آگے بھی آئے گا۔

مِنی انڈیا

حج کمیٹی سے جانے والے حاجیوں کو مکہ مکرمہ میں دو مقامات پر ٹھہرایا جاتا ہے۔ ایک حرم شریف کے قریب جسے گرین کیٹیگری کہتے ہیں اور دوسرے عزیزیہ میں۔ گرین زمرے میں تین علاقے ہیں جہاں عمارتوں میں حاجی قیام کرتے ہیں۔ جبکہ عزیزیہ ایک الگ شہر جیسا ہے۔ یہاں سیکڑوں کثیر منزلہ عمارتیں ہیں۔ اسے مِنی انڈیا سمجھ لیجیے۔ گرین میں جو لوگ رہتے ہیں وہ حرم شریف تک دس پندرہ یا بیس منٹ میں پیدل پہنچ سکتے ہیں۔ یہاں کی بیشتر عمارتیں پہاڑوں پر تعمیر کی گئی ہیں۔ اس لیے معمر افراد کو ذرا دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

گرین میں یہ سہولت ہے کہ اگر آپ صحت مند ہیں تو کبھی بھی حرم شریف پیدل آمد ورفت کر سکتے ہیں۔ البتہ یہاں باورچی خانے کی سہولت نہیں ہے۔ یہاں کے حجاج کو ہوٹلوں میں کھانا پڑتا ہے۔ یہ ایک بڑا مسئلہ ہے۔ کیونکہ یہاں ہوٹل اور بالخصوص پاکستانی ہوٹل تو بہت ہیں لیکن ان کا کھانا اچھا نہیں ہوتا۔ اگر ہوٹل میں کھانے کی عادت نہیں ہے تو دو تین روز بمشکل کھایا جا سکتا ہے۔ ہم نے یہاں کے ہوٹلوں میں محض دو وقت کا کھانا کھایا اور حضرتِ معدہ نے احتجاج شروع کر دیا۔ البتہ مکہ کلاک ٹاور سے متصل الصفوا ٹاور میں چوتھی منزل پر کچھ ایسے ہوٹل ہیں جہاں آپ کھا سکتے ہیں۔ انھی میں ایک ہوٹل ''ایشین فوڈس'' ہے جو اہل کیرالہ چلاتے ہیں۔ وہاں قدرے بہتر کھانا ملتا ہے۔ اس طرح گرین میں جہاں حرم شریف کے قرب کا شرف حاصل ہے وہیں لذت کام و دہن کا مسئلہ بھی ہے۔ گویا دنیاوی لذت و آسائش کے عوض روحانی لذت و آسائش حاصل ہیں۔ یہ سودا گراں نہیں بلکہ بہت سستا ہے۔

گرین کیٹیگری میں حجاج کی پریشانیوں اور ان کو فراہم کی جانے والی سہولتوں کے بارے میں جب ہم نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں شعبۂ ہندی میں استاد اور معروف شاعر جناب رحمان مصور سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ یہاں تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ حجاج اگر بہت زیادہ سہولتوں کا مطالبہ کر رہے ہیں تو انھیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ حج کمیٹی اور عمارت مالکان کے مابین کیا معاہدہ ہوا ہے۔ جب تک ہم یہ نہیں جانیں گے کہ کن کن سہولتوں پر اتفاق ہوا ہے تب تک ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں سہولت ہے فلاں نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے سہولتوں کی فہرست دیکھی ہے ان میں جن جن سہولتوں کا ذکر ہے وہ سب موجود ہیں۔ رحمان مصور اپنی والدہ اور اہلیہ کے ساتھ حج پر آئے ہوئے ہیں اور گرین کیٹیگری میں قیام پذیر ہیں۔ ان کی اہلیہ جامعہ مڈل اسکول میں استاد ہیں۔ اسلامی ذہن کی خاتون ہیں۔ ماشاء اللہ دونوں بہت مہذب اور معاون ہیں۔

محب و مکرم ڈاکٹر شفقت اعظمی صاحب بھی فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے آئے ہوئے ہیں اور وہ بھی گرین کیٹیگری میں ہیں یعنی انھیں بھی قرب بیت اللہ شریف حاصل

ہے۔ ان سے واٹس ایپ کے ذریعے تو رابطہ رہا مگر سوئے اتفاق ان سے یہاں ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

بس اسٹینڈ یا میدان حشر

عزیزیہ حرم شریف سے آٹھ کلومیٹر کی مسافت پر ہے۔ یہاں سے حرم جانے کے لیے بسوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ البتہ درمیان میں ایک جگہ بس بدلنی پڑتی ہے۔ عزیزیہ سے کچھ کلومیٹر کے بعد کنگ عبدالعزیز روڈ پر ایک فلائی اوور کے پاس بڑے سے شیڈ کے نیچے بسوں کے ٹھہرنے کا ایک پوائنٹ بنایا گیا ہے۔ وہیں نزدیک سے دوسری بسیں لینی پڑتی ہیں جو سرنگ سے ہو کر باب السلام کے سامنے نصب کردہ خیموں کے پاس بنے اسٹینڈ پر رک جاتی ہیں۔ پھر اسی طرح واپسی بھی ہوتی ہے۔ البتہ چونکہ باب السلام کے سامنے تمام ملکوں کے حجاج ایک ہی جیسی بسوں میں بیٹھ کر کنگ عبدالعزیز روڈ تک جا کر اپنی اپنی عمارتوں کی الگ الگ نمبروں کی بسوں میں بیٹھتے ہیں اس لیے یہاں زبردست رش ہوتا ہے۔ بالخصوص ہر نماز کے بعد لوگوں کا زبردست ازدحام ہوتا ہے۔ عشا کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اگر یہاں پہنچا جائے تو حشر کا عالم دیکھنے کو ملتا ہے۔ یکے بعد دیگرے بسیں آتی ہیں اور رضا کار حجاج کو ان میں بٹھاتے ہیں۔ لیکن ایک مارا ماری کی کیفیت ہوتی ہے۔ کچھ دوسرے ملکوں کے حجاج بس میں بیٹھنے کے لیے ایسی دھینگا مشتی کرتے ہیں کہ گویا اس میں نہیں بیٹھے تو دوسری بس نہیں ملے گی۔ مرد تو مرد خواتین بھی جنگجو بن جاتی ہیں۔ بھیڑ زیادہ بڑھ جانے کے دوران بسوں کا نظام پولیس سنبھال لیتی ہے۔

ایک روز عشا کی نماز کے بعد ہم نے کچھ دیر ٹھہر کر چلنے کا فیصلہ کیا۔ رات میں دس بجے کے بعد اسٹینڈ پر پہنچے۔ دو تین بسیں آئیں اور فوراً فل ہو گئیں۔ ایک بس حجاج کو لے کر کنگ عبدالعزیز پوائنٹ سے آئی۔ ابھی اس کے حاجی اتر بھی نہیں پائے تھے کہ عراقی خواتین و مرد سوار ہونے کے لیے جد و جہد کرنے لگے اور بالآخر سوار ہو گئے۔ اترنے والے الگ پریشان اور چڑھنے والے الگ۔ کسی طرح ہم بھی سوار ہوئے۔ بچوں کو ایک

نشست پر بٹھایا۔ بس رکنے کے بعد آگے کے لوگ ابھی اتر بھی نہیں پائے تھے کہ وہی خواتین اب اترنے کے لیے زور آزمائی کرنے لگیں۔ ہم آگے کی طرف تھے۔ ایک خاتون نے ہم کو جارحانہ انداز میں اشارہ کیا کہ اترو۔ ہم نے سامنے کی طرف اشارہ کیا کہ جگہ نہیں ہے۔ لیکن وہ عورت بضد تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ لوگوں کے سروں پر سے پھلانگ کر اتر جائے گی۔ اس نے جب دو تین بار ہمیں دھکا دے کر اترنا چاہا تو ہم نے بھی قدرے سخت آواز میں اس کو Shut Up کہہ کر خاموش کرنے کی کوشش کی۔ یوں محسوس ہوا کہ وہ ناخواندہ خواتین رہی ہوں گی ورنہ یوں غیر مہذب رویے کا مظاہرہ نہیں کرتیں۔ بعض اوقات بس ڈرائیور بھی جن میں بیشتر سوڈانی ہوتے ہیں ناروا سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے حجاج ان پر چیختے چلاتے ہیں۔ بعض حجاج رضا کاروں پر بھی چیخنے لگتے ہیں۔ حالانکہ یہ مناسب نہیں۔ رضا کار بیچارے کیا کر سکتے ہیں۔ ایک رضا کار ملے جو دہلی کے بھجن پورہ علاقے سے آئے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ وہ چھ ماہ قبل آزاد ویزا پر آئے تھے۔ وہ حاجیوں کی خدمت کر کے کچھ ثواب کمانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ وہ یہ کام للہ فی اللہ کر رہے ہیں۔ کوئی تنخواہ نہیں لیتے۔ حج کر کے واپس دہلی چلے جائیں گے۔

حجاج کی بے صبری

حجاج کرام کو سوچنا چاہیے کہ یہ تو حج ہے۔ اس میں دشواریاں تو ہوں گی ہی۔ پہلے ہی حاجی کو یہ ذہن بنا کر آنا چاہیے کہ ہمیں ہر قسم کی مشقت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ ہمیں صبر و شکر سے کام لینا ہوگا۔ لیکن بہت سے حاجی رضا کاروں کی صبر کرنے کی درخواستیں پائے حقارت سے ٹھکرا دیتے ہیں۔ ایک حاجی صاحب ایک پولیس والے سے بھڑ گئے۔ پتہ نہیں کیا تلاش کر رہے تھے کہ اس کی گاڑی کی ڈکی کھلوا دی۔ حالانکہ یہاں کی پولیس بہت بد دماغ ہوتی ہے۔ لیکن اس نے صرف حاجی صاحب کا لحاظ کر کے خاموشی اختیار کی۔ جب ایک رضا کار نے جو کہ لکھنؤ کا ایک نوجوان تھا، انھیں سمجھانے کی کوشش کی تو حاجی

صاحب اس پر بھی طیش کھانے لگے۔ وہ ہم لوگوں کی بس میں سوار تھا۔ اس نے ہم سے کہا کہ "یہ لوگ حج کرنے آئے ہیں، ان کو تو دعائیں کرنی چاہئیں۔ لیکن یہ لوگ غصہ کر رہے ہیں۔ اب بتائیے پولیس والے سے لڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو یہاں حاجیوں کا بہت احترام کیا جاتا ہے اس لیے وہ خاموش رہا"۔ حاجیوں کا یہ رویہ درست نہیں ہے۔ یہاں کے رضا کار تو بہت معاون ہیں۔ ایک بار مغرب کی نماز کے بعد ہم عزیزیہ کی مسجد جامع بن محفوظ کے پاس مارکیٹ میں تھے کہ تین معمر خواتین اور ایک بزرگ پریشان حال سے نظر آئے۔ ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ وہ غلط نمبر کی بس میں بیٹھ کر آ گئے۔ اب ان کی بلڈنگ نہیں مل رہی ہے۔ ہم ان کو لے کر اپنی عمارت کے پاس واقع تین نمبر اسٹینڈ پر آئے اور وہاں موجود رضا کاروں میں سے ایک سے ان کا مسئلہ بتایا۔ اس نے ان کا شناختی کارڈ دیکھا اور اپنے نقشے کو دیکھا اور پھر ان کو ان کی عمارت کی جانب لے کر گیا۔

بسوں کے نظام میں بہتری لانے کی ضرورت ہے۔ دو بسوں کے بجائے ایک ہی بس سے سفر ہونا چاہیے۔ یہاں دوسرے بہت سے ملکوں کے حاجیوں کے رویے کا بھی علم ہوتا ہے۔ ایک ایسے وقت جب ایرانی حجاج کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہم حرم شریف سے نکل کر بس لینے پہنچے۔ اب یہاں بسوں کا نظام رضا کاروں سے پولیس والوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ انھوں نے کئی راستے بنا دیے ہیں۔ ہر راستہ اسٹینڈ پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ راستے کی دونوں جانب اونچی اونچی جالیاں ہیں۔ کوئی ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا۔ راستے کے سرے پر جو کہ اسٹینڈ کے کھلے میدان میں کھلتا ہے، دروازے لگا دیے گئے ہیں۔ جب کوئی بس آتی ہے تو پولیس والے اتنے ہی حاجیوں کو نکالتے ہیں جتنے کہ اس میں آ سکیں۔ ہم بچوں کے ساتھ سب سے آگے تھے۔ ایک بس آئی اور پولیس والوں نے دروازہ کھول کر ہم لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی مانند باہر نکالا۔ ہم بھی دوسرے حاجیوں کی مانند تیز تیز قدموں سے آگے بڑھے۔ ہم نے بس پر چڑھ کر اہلیہ سے کہا کہ وہ بھی جلد از جلد چڑھ جائیں۔ ہم نے دو سیٹوں پر قبضہ کیا۔ جب کافی تاخیر کے بعد اہلیہ اندر آئیں تو ہم نے تاخیر کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ ایک ایرانی خاتون نے انھیں بہت زور سے

دھکا دیا اور خود چڑھ گئیں۔ اس میں ان کی ٹانگ میں گھٹنے کے نیچے ہڈی پر زبردست چوٹ آئی، ہڈی ابھر گئی۔ پورے حج کے دوران اس سے ٹیس اٹھتی رہی۔ یہ ایرانی خاتون سے ملا ہوا تحفہ ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ حاجیوں کو جہاں بہت سی ٹریننگ دی جاتی ہے وہیں اس بات کی بھی ٹریننگ دی جانی چاہیے کہ دوسروں کے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہو۔

اسی طرح ایک بار ایک ایسی بس ملی جس میں صرف ہم تین افراد ہندوستانی تھے باقی سارے ایرانی تھے۔ پوری بس بری طرح بھری ہوئی تھی۔ بہت سے مرد وخواتین کھڑے بھی تھے۔ ہمیں بالکل پیچھے جگہ ملی تھی۔ جب انڈیا کا اسٹینڈ آیا تو ہم چیختے چلاتے رہے لیکن یا تو ڈرائیور نے سنا نہیں یا سن کر ان سنا کر دیا اور بس تقریباً ڈیڑھ دو کلومیٹر آگے ایرانی حجاج کے کیمپ کے پاس جا کر رکی۔ وہاں سے پھر واپس ہمیں پیدل اپنے اسٹینڈ پر آنا پڑا۔ حالانکہ ڈرائیوروں کو ہر اسٹینڈ پر رکنے کا حکم ہے اور بہت سے رکتے بھی ہیں۔ اس کے بعد ہماری کوشش رہی کہ ہم بس میں بالکل آگے بیٹھیں۔ بس میں چڑھتے ہی ہم ڈرائیور سے ''انڈیا'' بول دیتے تھے تاکہ وہ اس کے اسٹینڈ پر بس کو ضرور روکے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کے بعد اس قسم کی کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ لہٰذا بسوں کا انتظام کرنے والوں کو اس جانب توجہ دینے اور دو بسوں کے بجائے ایک ہی بس سے آمد و رفت کا انتظام کرنے کی ضرورت ہے۔

عزیزیہ کے کچن

عزیزیہ میں کھانے پینے کی پریشانی نہیں ہے۔ یہاں تیس افراد پر ایک کچن کا انتظام ہے۔ خواتین باری باری کھانا پکالیتی ہیں۔ بہت سی خواتین ایک بار میں دو دو وقت کا کھانا پکاتی ہیں تاکہ دقتوں سے بچ سکیں۔ ہماری بلڈنگ میں ایک کچن میں صرف ایک ہی فریج ہے جو ناکافی ہے۔ چولھا بھی ایک ہی ہے۔ البتہ وہ چار برنروں والا ہے۔ بلڈنگ کے منتظمین کی جانب سے تین سلنڈر مفت دیے جاتے ہیں۔ اگر چوتھے کی بھی

ضرورت پڑے تو اسے استعمال کرنے والے آپس تعاون سے بھروا سکتے ہیں۔ صرف اتنا کرنا ہوگا کہ پیسے لے جاکر عمارت کے حارس کو دے دیں۔ وہ بھروا کر پہنچادے گا۔ ایک سلنڈر تیس ریال میں بھرا جاتا ہے۔ حالانکہ یہاں ایک سلنڈر ۱۷ریا ۲۰ ریال کا آتا ہے۔ لیکن حاجیوں سے کمائی کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے۔

کچھ خواتین بہت معاون ہوتی ہیں۔ ہمارے روم پارٹنر جناب قمر الدین قریشی کی اہلیہ خاتون بیگم دوسروں کی مدد کا بڑا جذبہ رکھتی ہیں۔ فلور کے متعدد کمروں سے عورتوں کی زبانی "خاتون بھابھی خاتون بھابھی" کی صدا اکثر لگتی رہتی ہے۔ وہ کھانے پینے کی بہت زیادہ اشیا لائی ہیں۔ دیگر خواتین ان سے استفادہ کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا توا اور پیڑھا بیلن اس فلور پر واقع دیگر باورچی خانوں کی بھی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ وہ تو کمرے کی صفائی کے لیے جھاڑو بھی دہلی سے لائی ہیں۔ وہ بھی پورے فلور پر گردش کرتا رہتا ہے۔ حج کا وقت آتے آتے اس کا کچومر نکل گیا اور حج کے بعد تو اس کا دیدار ہی نہیں ہوا۔ ایک بار کسی کچن کا سلنڈر ختم ہوگیا۔ وہاں کی بعض خواتین ہم لوگوں کے کچن میں آکر بڑے ٹھسے سے کھانا پکاتی رہیں۔ جبکہ مستحق خواتین غیر کی مانند کھڑے رہ کر ان کے جانے کا انتظار کرتی رہیں۔ مگر یہ بھی دیکھا گیا کہ جب ہم لوگوں کے کچن کا سلنڈر ختم ہوگیا اور دوسرا جلد نہیں آسکا تو ایک خاتون ان خواتین کے کچن میں کچھ گرم کرنے کے لیے گئیں تو وہ سب ناک بھوں چڑھانے لگیں۔

ہمارے ایک دوست اور ہمسفر جناب مطلوب رانا صاحب نے اپنے ایک دوست جناب گلزار ملک سے ملاقات کرائی۔ وہ سندر نگری دہلی سے تعلق رکھتے ہیں اور گرین کیٹیگری میں ہیں۔ وہ اپنی اہلیہ اور دادا کے ساتھ حج کر رہے ہیں۔ جب بھی ہندوستانی کھانا کھانے کو ان کا جی چاہتا ہے تو عزیزیہ میں مطلوب صاحب کے پاس آجاتے ہیں اور دلی والا کھانا کھا کر اپنے ذوقِ خورد و نوش کی تسکین کرتے ہیں۔

کچھ بلڈنگوں میں بہت ناقص انتظامات ہیں۔ ہم نے کئی بلڈنگوں میں دیکھا کہ کچن انتہائی چھوٹے ہیں جن میں بمشکل دو افراد کھڑے ہو سکتے ہیں۔ بہر حال عزیزیہ

میں لذت کام و دہن کا آپ خود انتظام کر سکتے ہیں اور اپنی پسند کا کھانا پکا اور کھا سکتے ہیں۔ جن لوگوں کو ہوٹلوں کے کھانے کی عادت نہیں ہے ان کے لیے یہ نظام بہت اچھا ہے۔ گرین کیٹیگری کی عمارتوں میں ہر کمرے میں ایک فریج اور کپڑوں کی ایک الماری ہے جبکہ عزیزیہ میں یہ سہولت نہیں ہے۔ کم از کم ہم جس عمارت میں ہیں اس میں ایسی کوئی سہولت نہیں ہے۔

ازدحام میں بتدریج اضافہ

بہر حال ہر گزرتے لمحے کے ساتھ مکہ مکرمہ میں حجاج کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ لاکھوں حجاج پہنچ چکے ہیں اور ابھی ان کے آنے کا سلسلہ جاری ہے جو آخر وقت تک چلے گا۔ جدہ ایئر پورٹ سے ہندوستانی حاجیوں کی آمد کا سلسلہ ۲۸/ جولائی کو شروع ہو چکا ہے۔ چنئی سے پہلی فلائٹ صبح پونے نو بجے وہاں پہنچی۔ سفیر ہند جناب احمد جاوید، قونصل جنرل جناب نور الرحمٰن شیخ، قونصل حج جناب محمد شاہد عالم اور قونصل قونصلر جناب آنند کمار نے گلدستہ پیش کر کے حجاج کا استقبال کیا۔ نور الرحمٰن شیخ اور شاہد عالم نے ہندوستان کے خدام الحجاج کے ساتھ میٹنگ کی اور انتظامات کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ انھیں ضروری ہدایتیں بھی دیں۔

حرم شریف میں باب السلام کی جانب واقع بس اسٹینڈ کی طرف سے ہر پانچ سات منٹ کے بعد کوئی نہ کوئی قافلہ تلبیہ پکارتے ہوئے حرم میں داخل ہوتا ہوا نظر آجاتا ہے۔ مختلف ملکوں کے حجاج کچھ اپنے چہرے مہرے سے اور کچھ لباس اور وردی سے پہچانے جاتے ہیں۔ ایران، عراق، سیریا، انڈونیشیا، ملیشیا، چین، وسطی ایشیا اور بعض دوسرے ملکوں کے حجاج الگ الگ رنگوں کے اسکارف باندھے ہوتے ہیں۔ مرد بھی اور خواتین بھی۔ یہ لوگ پچیس تیس کے گروپ میں ہوتے ہیں اور ایک جگہ جمع ہو کر آگے بڑھتے ہیں۔ ان کا ایک قائد ہوتا ہے جو کبھی ایک تختی اٹھائے ہوتا ہے اور کبھی یوں ہی بلند آواز میں تلبیہ اور دعائیں پڑھتا نظر آتا ہے۔ باقی حجاج اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔

بعض اوقات یہ بھی دیکھنے کو مل جاتا ہے کہ پورا گروپ ایک ساتھ حمام کی عمارت میں داخل ہو رہا ہے اور ایک ساتھ نکل بھی رہا ہے۔ طواف اور سعی کے دوران بھی یہ گروپ قائم رہتا ہے۔ ان میں سے بعض کے ہاتھوں میں کتابیں بھی ہوتی ہیں جن میں سے دعائیں پڑھتے رہتے ہیں اور باقی ان کو دوہراتے ہیں۔ ان کی وجہ سے عام حجاج کو بڑی پریشانیاں ہوتی ہیں۔ لیکن وہ بڑے سکون میں رہتے ہیں۔

اب سعی کے لیے بیسمنٹ، گراؤنڈ فلور اور پہلی منزل پر بھی حجاج کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ پہلی منزل اور چھت سے طواف کرنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ وہاں سے اوسط چال چلنے پر ایک طواف میں کم از کم سوا ڈیڑھ گھنٹے لگتے ہیں۔ جبکہ خالی اوقات میں مطاف سے بیس منٹ میں طواف ہو جاتا ہے۔ ایرانی خواتین سرتاپا ڈھیلے ڈھالے سیاہ برقعے میں ملبوس ہوتی ہیں۔

عزیزیہ میں جہاں ہمارا قیام ہے، قریب ہی ایک بڑی مسجد واقع ہے جس کا نام ''جامع بن محفوظ'' ہے۔ جب ہم حرم نہیں جاتے تو عموماً اسی میں نماز ادا کرتے ہیں۔ تین منزلہ مسجد اذان سے بہت پہلے بھر جاتی ہے۔ بیسمنٹ میں خواتین کے نماز پڑھنے کا نظم ہے۔ اس کے امام صاحب ہلکی نماز پڑھاتے ہیں اور نماز ظہر اور مغرب کے بعد حج کے موضوع پر مختصر سی تقریر کرتے ہیں۔ ہماری عمارت کے گراؤنڈ فلور پر واقع دو بڑے ہال آگے پیچھے مسجد کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ایک میں مرد دوسرے میں خواتین نماز پڑھتی ہیں۔ یہاں متعدد ہوٹل اور سپر مارکیٹ ہیں جہاں ضرورت کی اشیا دستیاب ہیں۔ ہر نماز کے بعد مسجد کے باہر بہت سے لوگ آواز لگا کر اپنا سامان فروخت کرتے ہیں۔ دو دوریال میں سامان فروخت کرنے والی دکانیں بھی ہیں۔ یعنی ہر مال، دوریال۔

عمارت نمبر ۲۱۷ سے ذرا آگے عام شاہراہ کی جانب چلیں تو یہاں ایک بہت بڑی مسجد ''الراجحی مسجد'' ہے۔ انتہائی خوبصورت اور کشادہ۔ یہ بھی تین منزلہ ہے۔ بیک وقت کئی ہزار افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس کا طرز تعمیر بہت خوبصورت ہے۔ اندرونی حصے میں مسجد نبوی کی تعمیر کی نقل کی گئی ہے۔ انتہائی دبیز قالین اور معذوروں کے لیے نہایت

عمدہ کرسیاں جو کہ اپنی جگہ پر فکس کردی گئی ہیں۔ جمعہ کی نماز میں یہاں زبردست رش ہوتا ہے۔ نماز سے ایک ڈیڑھ گھنٹے قبل ہی گراؤنڈ فلور بھر جاتا ہے اور اس کا دروازہ بند کردیا جاتا ہے۔ یہاں بھی خواتین کی نماز کے لیے علیحدہ جگہ ہے۔ اس میں برقی زینے یعنی اسکیلیٹر بھی نصب ہیں۔ ہم نے دو جمعہ کی نمازیں اسی میں ادا کیں۔

اس مسجد کے پاس ہی ایک بہت بڑا پارک ہے جہاں نماز مغرب کے بعد لوگ اپنے بچوں کے ساتھ آتے ہیں۔ ایک بار ہم لوگ رات میں اس کی سیر کو گئے۔ نہایت عمدہ اور وسیع وعریض۔ کہیں کہیں قدرتی گھاس ہے تو زیادہ تر جگہوں پر مصنوعی گھاس کا انتظام ہے۔ یہاں ہم نے دیکھا کہ لوگ اپنے گھروں سے خیمہ بھی لاتے ہیں اور اسے نصب کر کے گھنٹوں تفریح کرتے ہیں۔ دو ایک لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنی زندگی کا پورا اثاثہ لیے بیٹھے ہیں۔ وہیں کھانا بھی پکا رہے ہیں اور دوسرے کام بھی کر رہے ہیں۔ بہت سے لوگ الیکٹرک گاڑیاں کرائے پر دیتے ہیں۔ ٹو وہیلر، تھری وہیلر اور فور وہیلر بھی۔ ہمارے عزیز مولانا محمد شعیب نے اس بار اپنے بچوں کے ساتھ حج کیا۔ حج کے بعد ایک رات اور دو روز انھوں نے ہمارے کمرے پر گزارے۔ ایک شام ہم لوگ بچوں کے ساتھ اسی پارک میں گئے۔ کئی لڑکیاں بھی الیکٹرک گاڑیاں کرائے پر دیتی ہیں۔ انھوں نے بھی ایک فور وہیلر کرائے پر لی۔ دس منٹ کے دس ریال۔ ہندوستانی کرنسی میں آجکل کے حساب سے دو سو روپے۔ گاڑی مالکان جنریٹر لگا کر ان گاڑیوں کو چارج کرتے رہتے ہیں۔ انھوں نے جو گاڑی لی اس کی مالک ایک نوعمر لڑکی تھی۔ یہاں نماز کی ادائیگی کا بھی انتظام ہے۔ کھلے میں قالین بچھا دیا گیا ہے۔ جس کو نماز ادا کرنا ہو وہ کرلے۔

اب بیرون مکہ کے باشندوں کے لیے مکہ میں داخلہ بند ہو رہا ہے۔ جگہ جگہ پولیس تعینات ہوگئی ہے۔ No Entry کے اشارے لگائے جا رہے ہیں۔ حج کے دن قریب آنے کے ساتھ ساتھ یہاں عزیزیہ میں بھی کوئی گاڑی سے داخل نہیں ہو سکے گا۔ گاڑی باہر پارک کر کے پیدل آمد ورفت کی جا سکے گی۔

واٹس ایپ گروپ پر مارا ماری

ہماری عمارت نمبر ۷۵ ار میں وہی حجاج ہیں جو ہمارے ساتھ دہلی سے مدینہ منورہ پہنچے تھے۔ یہیں سے ہم لوگوں کی واپسی ۳۰ راگست کو ہوگی۔ دہلی کے حاجیوں کے دو واٹس ایپ گروپ ہیں۔ ایک گروپ دہلی اردو اکادمی میں برسر کار جناب محمد احمد چلاتے ہیں۔ وہ بیس برسوں سے حجاج کی مفت خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان کے تجربات کے پیش نظر مرکزی حج کمیٹی اور دہلی حج کمیٹی نے ان کو اپنا ٹرینر مقرر کیا ہوا ہے۔ جب تک دہلی سے پروازوں کا سلسلہ رہا وہ ٹرمنل ۲ر پر رات کے وقت بلا معاوضہ ڈیوٹی انجام دیتے رہے ہیں۔ اس گروپ پر فارم پُر کرنے سے لے کر حجاج کی واپسی تک ان کے سوالوں کے تشفی بخش جواب دیے جاتے ہیں۔ اس گروپ کے کئی ممبران جو کہ عزیزیہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں جانے کیوں بہت پریشان ہیں۔ ایک حاجی نے وائس میسج پوسٹ کیا کہ یہاں کوئی سہولت نہیں ہے۔ ہم سب پریشان ہیں۔ لوگ دعاؤں کے لیے کہتے ہیں مگر دل سے بددعائیں نکل رہی ہیں۔ ایک حاجی صاحب نے لکھا کہ ہمیں تو کوڑے دان میں لا کر ڈال دیا گیا ہے۔ کوئی آرام نہیں ہے۔ انھوں نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ ہم بس وقت کاٹ رہے ہیں۔ اس طرح مختلف قسم کی شکایتیں کی جارہی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سب لوگ شکایت جناب محمد احمد سے ہی کرتے ہیں۔ انھیں شاید یہ لگتا ہے کہ یہ سب کچھ انھی کا کیا دھرا ہے۔ شاید ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ یہ انتظام حج کمیٹی اور عمارت مالکان کے درمیان ہونے والے معاہدے کے تحت ہے۔ ہم نے محمد احمد صاحب سے سہولتوں کی فہرست منگوائی تو پتہ چلا کہ اس میں جو کچھ درج ہے وہ سب مہیا ہے۔ بلکہ حکومت کی طرف سے ہر حاجی کو پینے کے لیے آب زم زم مہیا کیا جاتا ہے جو کہ ہر کچن میں موجود ہے۔ عمارت مالک کی طرف سے لابی میں مفت وائی فائی کی سہولت ہے۔ بہت سے حاجی وہیں بیٹھے رہتے ہیں اور پتہ نہیں کس کس سے کیا کیا باتیں کرتے ہیں یا ویڈیو کالنگ کرتے رہتے ہیں۔ مگر ایسا لگتا ہے جیسے یہاں حجاج کو فائیو اسٹار سہولتوں کی

توقع تھی اور وہ اب بھی اسی کا انتظار کر رہے ہیں۔

اس تعلق سے محمد احمد کی تعریف کی جانی چاہیے کہ وہ ہر شکایت کا بہت ہی صبر و تحمل اور خنداں پیشانی کے ساتھ جواب دیتے ہیں اور ہر حاجی کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انھوں نے مدینہ اور مکہ میں تمام متعلقہ اداروں کے پتے اور فون نمبر بھی فراہم کیے ہیں۔ حالانکہ یہ ان کا کام نہیں ہے۔ کوئی بھی شکایت ہو تو دہلی حج کمیٹی یا مرکزی حج کمیٹی یا پھر یہاں جو دفاتر واقع ہیں ان سے کی جا سکتی ہے۔ ہماری عمارت کی لابی میں ایک پوسٹر بھی چسپاں کیا گیا ہے جس پر مختلف نمبر دیے گئے ہیں اور حجاج سے درخواست کی گئی ہے کہ کوئی بھی مسئلہ ہو وہ ان نمبروں پر رابطہ کریں۔ اس کے باوجود لوگ ان نمبروں کے بجائے دہلی میں محمد احمد سے رابطہ کرتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو بہت سی شکایتیں مبالغہ آمیز ہیں۔ ہم نے متعدد حاجیوں سے گفتگو کی تو انھوں نے بھی بتایا کہ انھیں کوئی پریشانی ہے نہ کوئی شکایت۔ ایک حاجی صاحب نے بتایا کہ ان کا سامان دوسری بلڈنگ پر اتر گیا تھا۔ انھوں نے برانچ آفس میں جا کر رپورٹ لکھوائی۔ انھوں نے چوبیس گھنٹے میں سامان کی دستیابی کی یقین دہانی کرائی اور بائیس گھنٹے کے اندر ہی سارا سامان مل گیا۔ بہر حال یہ سب تو چلتا رہے گا۔ تمام لوگوں کو مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔

سعودی حکومت اور حج انتظامات

فی گھنٹہ ایک لاکھ حجاج

مکہ مکرمہ کی سرزمین پر حجاج قافلہ در قافلہ اتر رہے ہیں۔ سعودی حکومت کی ایک رپورٹ کے مطابق اب ہر گھنٹے پر ایک لاکھ سات ہزار عازمین مسجد الحرام پہنچ رہے ہیں۔ ان میں سے بیشتر پہلی بار آتے ہیں جو عمرہ کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ باقی وہ لوگ بھی ہیں جو پہلے سے یہاں موجود ہیں اور نمازوں کی ادائیگی اور نفلی طواف کے لیے پہنچ رہے ہیں۔ ایسے میں جبکہ حجاج کی تعداد میں متواتر اضافہ ہو رہا ہے، خانۂ کعبہ اور دوسرے مقامات پر صورت حال بدلتی جا رہی ہے۔ اب طواف کے وقت زیادہ تر اوقات میں مطاف بھرا رہتا ہے۔ البتہ رات میں ایک ڈیڑھ بجے سے لے کر ڈھائی تین بجے تک ازدحام کچھ کم ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی کم وقت میں طواف مکمل کرنا چاہے تو اس کے لیے ان اوقات میں جانا بہتر ہوگا۔ لیکن یہ بھی خیال رہے کہ فجر کی نماز سے قبل تقریباً ساڑھے تین یا چار بجے حرم شریف کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد آنے والوں کو باہر جگہ ملتی ہے۔

جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے طواف کے دوران لوگ عقیدت میں غلاف کعبہ سے جسم کو مس کرتے ہیں، اسے بوسہ دیتے ہیں اور اس کو پکڑ کر چمٹے رہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اس کا کوئی ٹکڑا حاصل کر لیں۔ کچھ لوگ جانے کیا کیا غلاف پر پھینکتے بھی ہیں۔ غلاف کعبہ کو کسی بھی قسم کے نقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے انتظامیہ نے ۲۹ر جولائی کو اسے چاروں جانب سے فرش سے تین میٹر اونچا لپیٹ دیا ہے۔ اس کے بعد غلاف کو دو میٹر اونچائی تک سلائی کر کے سفید کپڑے سے ڈھک دیا گیا ہے۔ کنگ عبد العزیز کمپلیکس آف کعبہ کسوہ کے ڈائرکٹر جنرل احمد المنصوری کے مطابق جنرل پریسیڈنسی

آف حرمین شریفین کی جانب سے تکنیکی اور دیگر ماہرین کے تعاون سے امسال کے سالانہ ارکان کی تکمیل کی تیاری مکمل کر لی گئی ہے۔ غلاف کعبہ کو اس لیے اوپر اٹھادیا گیا ہے تا کہ اس کا تقدس برقرار رہے اور اس کی حفاظت بھی ہو سکے۔ انھوں نے کہا کہ کچھ بدعقیدہ لوگ اس کا ٹکڑا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لیے اسے اتنا اوپر اٹھایا گیا ہے کہ وہاں تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ ایام حج کے بعد اسے پھر اپنی جگہ پر فٹ کر دیا جائے گا۔

سوشل میڈیا کا استعمال

امسال سعودی عرب کے محکمۂ موسمیات و ماحولیات کی جنرل اتھارٹی نے حاجیوں کو موسم کی معلومات بہم پہنچانے کے لیے ایک الیکٹرانک حج گائڈ عربی، انگریزی اور اردو میں شائع کی ہے۔ ماحولیات، آب اور زراعت کے وزیر عبدالرحمٰن بن عبدالمحسن الفاضلی کے ہاتھوں منیٰ آبزرویٹری میں میڈیا سینٹر کے افتتاح کے موقع پر یہ گائڈ شائع کی گئی۔ ادھر وزارت صحت کا کہنا ہے کہ اب تک کسی بھی حاجی کے وبائی مرض میں مبتلا ہونے کی کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی ہے۔ یہاں کی متعلقہ وزارت عالمی صحت تنظیم کے اشتراک سے تمام ضروری اقدامات کر رہی ہے۔

مناسک حج کی ادائیگی کے لیے Manasikana Application کے نام سے ایک جدید ترین ورژن لانچ کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعے حجاج کو حج کے دوران بہتر معلومات فراہم کی جائیں گی۔ اسے عربی، انگریزی، اردو، فرانسیسی، ترکی، ملایا اور بنگالی سمیت آٹھ زبانوں میں لانچ کیا گیا ہے۔ اس میں مکہ، مدینہ، جدہ اور مقامات مقدسہ کے نقشوں کے علاوہ دیگر فیچرس بھی ہیں جن کے ذریعے حجاج کی دلچسپی کے لیے مخصوص مقامات کی تفصیلات دی جائیں گی۔ اس نقشے کو آف لائن ڈاؤن لوڈ کرنے کے بعد حجاج بغیر انٹرنیٹ کے مقامات مقدسہ اور حرمین شریفین کے بارے میں اطلاعات حاصل کر سکیں گے۔ حج وعمرہ کے وزیر ڈاکٹر محمد صالح بن طاہر بنتین کے مطابق اس ایپ کے ذریعے حجاج مزید آسانی کے ساتھ اپنے ارکان ادا کر سکیں گے۔ اس کے ذریعے اوقات نماز کے

ساتھ ساتھ ارکان کی ادائیگی کے دوران پیش آنے والی دشواریوں پر قابو پانے کے طریقے بھی بتائے جائیں گے۔ مکہ کے گورنر پرنس خالد الفیصل نے ۸/اگست کو حجاج کرام کو بہتر ڈیجیٹل خدمات کے لیے ایک ''انٹیلی جنٹ حج پروگرام'' کا افتتاح کیا۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ مکہ اور مدینہ میں ڈیجیٹل خدمات کو اور بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

حج کے موقع پر لاکھوں جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے۔ جس طرح انسانوں کی رہائش کے انتظامات کرنے ہوتے ہیں اسی طرح جانوروں کی رہائش کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ ۲۵/لاکھ بھیڑوں کی درآمد، ان کی رہائش، ان کی صحت اور ان کے کھانے پینے سے متعلق ضروری اقدامات کرنے ہوتے ہیں۔ جانوروں کی صحت کا بطور خاص خیال رکھا جاتا ہے تاکہ وہ بیمار نہ پڑیں اور جن کی قربانی دی جاتی ہے وہ تندرست ہوں۔ اب تک تقریباً پندرہ لاکھ جانور منگائے جا چکے ہیں۔ قربانی کے جانوروں کے گوشت کے بہتر مصرف اور مقامات مقدسہ کی صفائی ستھرائی کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سال بہ سال بہتری لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

یہ کام اسلامک ڈیولپمنٹ بینک گروپ سعودی انتظامیہ کے ساتھ مل کر ۱۹۸۳ء سے کر رہا ہے۔ گروپ کے چیئرمین ڈاکٹر بندر حجار کے مطابق اس پروجیکٹ کا مقصد حجاج کو قربانی کے جانوروں کے حصول کو آسان بنانا اور صحت، صفائی ستھرائی اور شرعی تقاضوں کے تعلق سے ضروری انتظامات کرنے ہیں۔ اس پروجیکٹ کے تحت حاجیوں کی طرف سے قربانی کرنے کے ساتھ اس کے گوشت کو مستحقین تک پہنچایا جاتا ہے۔ قربانی کا گوشت حرم شریف اور مقامات مقدسہ کے قریب غربا و مساکین، سعودی عرب میں فلاحی انجمنوں اور دنیا بھر میں مسلم ممالک اور برادریوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر حجار کا کہنا ہے کہ قربانی کا گوشت پچیس سے زائد ملکوں کے مستحقین تک پہنچتا ہے۔ ان میں اردن، سیریا اور شام جیسے عرب ملکوں کے علاوہ مالی، گھانا، سینیگال، بنگلہ دیش اور آذربائیجان جیسے افریقی و ایشیائی ممالک بھی شامل ہیں۔ ۴۸/گھنٹے کے اندر دس لاکھ بھیڑ ذبح کر کے ان کے گوشت کے ٹکڑے بنا کر پیک کر کے فریز کر دیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بیس

لاکھ حجاج کو اپنی قربانی اپنے سامنے کرانے کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ قربانی کے کوپنوں کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔

میڈیا سینٹر کا قیام

پوری دنیا کو حج سے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لیے میڈیا سینٹر قائم کیا گیا ہے۔ اس کا افتتاح ذرائع ابلاغ کے وزیر ڈاکٹر العواد بن صالح العواد نے کیا۔ اس میں جدید ترین سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔ ایک آن لائن پورٹل بھی شروع کیا گیا ہے۔ hajjmedia.bov.sa پر جا کر ضروری معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اس ویب سائٹ پر صرف سعودی عرب میں رسائی حاصل کی جاسکتی ہے بیرون ملک سے نہیں۔ اس عظیم الشان عالمی اجتماع کی کوریج کے لیے سیٹلائٹ چینلوں، عالمی خبر رساں اداروں اور ذرائع ابلاغ کو مطلوبہ سہولتیں مہیا کرائی جارہی ہیں۔ آٹھ سو سے زائد ممتاز غیر ملکی صحافی حج کوریج کے لیے وزارت کے مہمان ہوں گے۔ میڈیا سینٹر میں صحافیوں کو کمپیوٹر، اسٹوڈیو اور مواصلاتی نیٹ ورک سمیت تمام سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔ میڈیا سینٹر کی جانب سے صحافیوں کو تازہ تصاویر اور خبریں بھی فراہم کی جائیں گی۔ بے شمار سعودی صحافی غیر ملکی صحافیوں کی مدد کے لیے موجود رہیں گے۔ جدہ، مکہ اور دیگر مقامات مقدسہ پر بھی میڈیا مراکز قائم کیے گئے ہیں۔ ان مراکز سے صحافیوں کو حرمین شریفین کی توسیع سے متعلق بیک گراؤنڈ انفارمیشن فراہم کی جائے گی اور انفرااسٹرکچر پروجیکٹوں کی معلومات بھی دی جائیں گی۔ خطبۂ حج کو مختلف زبانوں میں خاص طور پر اردو میں سننے کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ اس بارے میں مختلف ذرائع سے تشہیر کی جارہی ہے۔

دیگر انتظامات

گورنر مکہ مکرمہ اور سربراہ مکہ ڈیولپمنٹ اتھارٹی شہزادہ خالد الفیصل نے حج ۲۰۱۸ء کے لیے اتھارٹی کے عملی پروگراموں کو منظوری دے دی ہے۔ ضیوف الرحمٰن یعنی اللہ کے

مہمانوں یعنی حجاج کرام کی خدمت کے لیے ۱۴ رہزار اہلکار تعینات کر دیے گئے ہیں۔ ڈائرکٹر جنرل آف سول ڈیفنس سلیمان بن عبد اللہ العومرو کے مطابق اس محکمہ نے ۱۸ر ہزار افسر اور اسٹاف تعینات کیا ہے جو عازمین کے استعمال میں آنے والی سڑکوں، گلیوں اور علاقوں میں اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں۔ ان کو تین ہزار گاڑیاں فراہم کی گئی ہیں۔

مشاعر مقدسہ، ٹرین، جمرات کے پل، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں ٹوائلٹس کے انتظامات، پینے کے پانی کا بند وبست، حج خدمات کے معیار میں بہتری اور حج ڈیٹا کی تیاری کا کام حکام کے سامنے سرفہرست ہے۔ اہلکاروں کو چار سو سے زائد آلات اور مشینیں مہیا کی گئی ہیں۔ ٹرین سے سفر کرنے والے حجاج کی قافلہ بندی آٹھ ذی الحجہ سے ہوگی۔ منیٰ سے حجاج کو ٹرین کے ذریعے عرفات لے جایا جائے گا اور پھر وہاں سے مزدلفہ کے راستے منیٰ واپس لایا جائے گا۔ ایام تشریق کے دوران بیس لاکھ سے زائد حاجی ٹرین سے سفر کریں گے۔ حج کے دوران تیس ہزار طہارت خانے یعنی ٹوائلٹس یا حمام حجاج کے استعمال میں رہیں گے۔ مشاعر مقدسہ میں ٹھنڈے پانی کی فراہمی کے لیے ۶۰۰ر سے زائد واٹر کولر نصب کیے جا رہے ہیں۔

ہم نے چار اگست یعنی ۲۱ر ذی قعدہ کو میدان عرفات کا دورہ کیا جہاں خیمے نصب کرنے کی تیاری زوروں پر ہے۔ وہاں مستقل حمام تعمیر کیے گئے ہیں۔ البتہ خیمے عارضی ہوتے ہیں۔ منیٰ کے خیمے مستقل ہیں اور مزدلفہ میں کوئی خیمہ نہیں ہوتا۔ وہاں کھلے آسمان کے نیچے وقوف کرنا ہوتا ہے۔ مزدلفہ کے میدان میں مغرب، عشا اور فجر کی نمازیں ادا کر کے منیٰ کے لیے روانہ ہونا ہوتا ہے۔ البتہ بچوں، بزرگوں، عورتوں اور کمزور افراد کو رات میں ہی نکلنے کی اجازت ہے۔ مزدلفہ میں چاروں طرف کنکریاں پھیلا دی گئی ہیں۔ حجاج وہیں سے رمی کرنے کے لیے کنکریاں چنتے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ بہت سے حاجی کنکریوں کو دھو لیتے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے۔ البتہ بعض علما نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔

لمحہ بہ لمحہ حجاج کی بڑھتی تعداد کے پیش نظر اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کی جا

رہی ہے کہ طواف، سعی اور نمازوں کے دوران کوئی افراتفری نہ ہو۔ اس کے لیے نمازوں کے اوقات سے کچھ پہلے سے ہی حرم میں داخل ہونے کے راستے بند کر دیے جاتے ہیں۔ تاخیر سے آنے والے باہر نماز ادا کرتے ہیں۔ وہاں بھی بہتر انتظامات ہیں۔ ۲۰/ ذی قعدہ سے اس بارے میں زیادہ تیزی آ گئی ہے۔ البتہ نماز کے بعد سارے راستے کھل جاتے ہیں۔ باب السلام کی جانب سے حرم میں داخل ہونے پر درمیان میں صفا و مروہ کا مقام آتا ہے جہاں سعی کی جاتی ہے۔ سعی میں بھی اب کافی ازدحام رہنے لگا ہے۔ اس لیے ان راستوں کو جہاں سے داخل ہونے پر سعی کے مقام کو عبور کر کے مطاف میں جانا ہوتا ہے، بند کر دیا گیا ہے۔ ان راستوں سے صرف باہر آیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کے برابر میں اسمٰعیل گیٹ اور کنگ عبدالعزیز گیٹ اور دوسرے تمام دروازے اور راستے کھلے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حج کے ایام میں مسجد میں داخل ہونے پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ اس کے تمام ۲۱۰/ دروازے اور مسجد نبوی کے ۱۰۰/ دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ مسجد الحرام کے ۳۸/ داخلی دروازے خصوصی افراد اور سات صرف خواتین کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں۔

مسجد الحرام میں آب زم زم لینے کے لیے ماربل کے ۶۶۰/ فوارے لگائے گئے ہیں۔ مسجد نبوی میں ان کی تعداد ۶۰/ ہے۔ مسجد الحرام میں پینے کے پانی کے ۲۵/ ہزار ڈسپنسر اور مسجد نبوی میں ۲۳/ ہزار ڈسپنسر نصب کیے گئے ہیں۔ قوت سماعت سے محروم افراد کے لیے جمعہ کے خطبات کی علامتی زبان میں وضاحت کے انتظامات کیے گئے ہیں۔ خصوصی افراد کے علاوہ معمر عازمین کو مناسک حج کی ادائیگی کے لیے لانے اور لے جانے کی غرض سے اسکوٹیوں کے علاوہ مشینی اور ہاتھ گاڑیاں مہیا کی جا رہی ہیں۔ باب السلام پر آٹھ دس نشستوں والی متعدد گاڑیاں دوڑتی رہتی ہیں جن سے حجاج کو حرم میں لے جایا جاتا ہے۔ ہم نے ایسی گاڑیاں حرم کی جانب سے آنے والے راستے پر بھی دیکھیں جہاں سے حجاج کو جمرات تک لے جایا جاتا ہے۔

عزیزیہ کی رونق دوبالا

عزیزیہ میں حجاج کی تعداد جوں جوں بڑھ رہی ہے یہاں کی رونق بھی دوبالا ہو رہی ہے۔ یہاں کی مسجد جامع بن محفوظ کے اطراف میں جہاں حجاج کی رہائشی عمارتیں ہیں وہیں دکانیں بھی خوب ہیں۔ ان کے علاوہ فٹ پاتھ پر سجنے والی دکانیں بھی بڑھ رہی ہیں۔ بیشتر حجاج انھی سے سستے داموں میں سامان خریدتے ہیں۔ دکاندار سامان فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اسٹاک شارٹ ہو رہا ہے اور خریداروں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ یہاں رہنے والے متعدد افراد نے بتایا کہ یہ دکانیں اور مارکیٹ صرف ایام حج میں کھلتے ہیں۔ یہاں کے لوگ ان تین مہینوں میں اتنا کما لیتے ہیں کہ پورے سال بیٹھ کر کھاتے ہیں۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایام حج میں بعض اشیا کی قیمتیں دوگنی تین گنی کر دی جاتی ہیں۔ دکانداروں سے پوچھو تو کہتے ہیں کہ یہی تو کمائی کا سیزن ہے۔ حج سے قبل ہمارے بچوں نے ایک دکان سے ایک برقعے کی قیمت معلوم کی جو ذرا اچھا تھا تو دکاندار نے ۲۳۰؍ ریال بتائے۔ مگر حج کے بعد وہی برقع ایک دوسری دکان سے ۸۰؍ ریال میں ملا۔ حرم شریف کے قریب واقع دکانوں اور مارکیٹوں کا بھی یہی حال ہے۔ ہم نے باب فہد کی جانب واقع مارکیٹ میں جا کر کھجوروں کی قیمت معلوم کی تو مدینہ کے مقابلے میں دو تین گنا زیادہ دام بتائے گئے۔ یہاں بھی ایام حج میں ضروری اشیا غیر ایام حج سے مہنگی فروخت کی جاتی ہیں۔ کسی نے ایک مضمون میں ہندوستان کے تناظر میں بہت پتے کی بات کہی تھی کہ ہندو دکاندار ہولی و دیوالی کے موقع پر اپنی اشیا فروخت کرنے کے لیے سیل لگا دیتے ہیں اور ہر سامان پر ڈسکاؤنٹ دیتے ہیں لیکن مسلمان دکاندار عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر قیمتوں میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ یہی حال حج سیزن کا بھی ہوتا ہے۔ ڈسکاؤنٹ دینے کے بجائے قیمتیں چڑھا دی جاتی ہیں۔ مکہ میں ہم نے حاجیوں کی ضرورت کی اشیا کے دام معلوم کرنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ مدینہ کے مقابلے میں یہاں قیمتیں زیادہ ہیں۔

حج انتظامات
اور ہندوستانی ادارے

ایام حج جوں جوں قریب آرہے ہیں سعودی حکومت کی جانب سے انتظامات میں تیزی آتی جارہی ہے۔اس کی کوشش ہے کہ ایک بھی حاجی کو دشواری نہ ہو اور تمام حجاج خوش اسلوبی کے ساتھ ارکان حج ادا کرسکیں۔اسی کے ساتھ ہندوستانی حجاج کو بہتر سہولتیں فراہم کرانے میں ہندوستانی حج مشن بھی کوشاں ہے اور شکایت پر فوری کارروائی کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر کی بد خلقی اور پھر......

اس تعلق سے پہلے ایک ذاتی واقعہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے اس کے بعد دیگر تفصیلات پیش کی جائیں گی۔شومیٔ قسمت، ہماری اہلیہ کو صحت کا کچھ مسئلہ پیدا ہوگیا۔ ہمارے روم پارٹنر جناب قمر الدین صاحب نے کہا کہ چلو بلڈنگ نمبر ۱۱۲ر میں قائم بڑے اسپتال (Main Hospital) میں دکھا دیتے ہیں۔ وہاں پہنچے تو مریضوں کی کافی بھیڑ تھی۔ہم بھی ایک لائن میں لگ گئے۔ڈاکٹر نے دیکھا اور دو دوائیں لکھیں۔مگر اسٹور سے ایک ہی دوا ملی۔ہم نے واپس آکر ان کو بتایا تو انھوں نے کہا کہ ایک ہی سے کام چلاؤ، دوسری آئے گی تب لے لینا۔ہم نے ان سے کہا کہ یہ بہت پریشان ہیں کوئی اور دوا لکھ دیں جو موجود ہو۔اس پر انھوں نے تنگ کر کہا کہ یہ بیمار تھیں تو آپ انھیں حج پر کیوں لائے، آپ نے میڈیکل فٹنیس سرٹی فکٹ کیسے حاصل کرلیا۔ہم نے بڑی سنجیدگی

اور نرمی کے ساتھ کہا کہ یہاں تو ایسے بھی حاجی ہیں جو ان سے زیادہ بیمار ہیں۔ خود آپ کے اسپتال میں کئی حاجی ایڈمٹ ہیں۔ انھوں نے مشتعل ہوتے ہوئے کہا کہ سب کے خلاف کارروائی ہوگی۔ ہم نے انتہائی صبر وضبط کے ساتھ ان کا نام پوچھا تو انھوں نے بدقت اپنا نام ڈاکٹر شکیل احمد بتایا اور یہ بھی کہا کہ جہاں شکایت کرنی ہو کر دینا۔

ہم خاموشی سے واپس آ گئے۔ ہم نے اس واقعہ کی اطلاع جناب محمد احمد کو دہلی میں دے دی۔ انڈین حج مشن میں ان کے اچھے روابط ہیں۔ ہم نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ اس معاملے کو آگے مت بڑھائیے گا، یہ صرف اطلاع ہے۔ لیکن انھوں نے اس واقعہ کو قونصل حج جناب شاہد عالم کو یہ کہتے ہوئے فارورڈ کر دیا کہ یہ ہندوستان کے ایک بڑے صحافی ہیں اور یومیہ حج رپورٹ فائل کر رہے ہیں۔ قونصل حج نے ہمارا نمبر اور پتہ معلوم کیا اور جلد ہی شکایت دور کرنے کی یقین دہانی کرائی اور کہا کہ میڈیکل کوآرڈینیٹر ڈاکٹر محی صدیقی ان سے رابطہ قائم کریں گے۔ بہر حال ہم اس واقعہ کو بھول گئے۔ عشا کی نماز کے بعد تین افراد کے ایک وفد نے ہمارے دروازے پر دستک دی۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ سہیل انجم ہیں۔ ہم نے اثبات میں جواب دیا۔ انھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے گفتگو کی اور ہماری شکایت کا حوالہ دیا۔ وہ ڈاکٹر محی صدیقی تھے اور ان کے ساتھ مذکورہ ڈاکٹر شکیل احمد بھی تھے اور ایک تیسرے ڈاکٹر بھی تھے۔ انھوں نے بتایا کہ ڈاکٹر شکیل صاحب ایک اچھے ڈاکٹر ہیں اور ان کی طبی خدمات کا اعتراف عالمی صحت تنظیم WHO نے بھی کیا ہے۔ یہ کمبھ میلے میں ڈاکٹروں کو تربیت بھی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر محی صدیقی حیدرآباد سے، ڈاکٹر شکیل احمد جے پور سے اور تیسرے ڈاکٹر جن کا نام ذہن سے نکل گیا اعظم گڑھ سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے ہمارے ساتھ پیش آنے والے رویے پر اظہار معذرت کیا۔

ان لوگوں نے ہماری اہلیہ کے بارے میں پوچھا اور ان کو جو دوائیں دی جا رہی ہیں وہ دیکھیں اور نیک مشوروں سے نوازا۔ انھوں نے کہا کہ ہم لوگ حاجیوں کی خدمت کے لیے آئے ہیں۔ کہیں بھی کسی بھی قسم کی کوئی شکایت ہو تو فوری کارروائی کی جاتی ہے۔

انھوں نے مذکورہ واقعہ پر شرمندگی کا اظہار کیا اور یقین دہانی کرائی کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ حالانکہ ہم خود نادم ہو رہے تھے۔ ہم نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم نے کوئی شکایت نہیں کی ہے۔ پھر بھی آپ لوگوں نے زحمت کی اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ ڈاکٹر شکیل نے اپنا مقامی فون نمبر دیا اور کہا کہ آپ کو جب بھی کوئی پریشانی ہو آپ رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں کی موجودگی میں قونصل حج جناب شاہد عالم نے ہم سے فون پر گفتگو کی اور ہر قسم کی سہولت کی یقین دہانی کرائی۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہم حج کرنے آئے ہیں کسی کی شکایت کرنے نہیں۔ مذکورہ واقعہ محض ایک اطلاع تھی شکایت نہیں تھی۔ ہم نے ان کا اور تشریف لانے والے عملے کا شکریہ ادا کیا۔

ماسٹر خلیل الرحمٰن کی شفقت

ہمارے ہم وطن اور جامعہ اسلامیہ سنابل، کالندی کنج، اوکھلا، نئی دہلی میں استاد ماسٹر خلیل الرحمٰن صاحب بھی فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے آئے ہیں۔ لیکن وہ ہماری مانند عام حاجی نہیں بلکہ وہ شاہی حاجی یا شاہی مہمان ہیں۔ یعنی وہ ضیوف خادم حرمین شریفین کے معزز وفد میں شامل ہیں، جس میں شمولیت کا ایک بار ہمیں بھی شرف حاصل ہو چکا ہے۔ سعودی حکومت ہر سال پوری دنیا سے ہزار ڈیڑھ ہزار افراد کو اپنے خرچ پر فریضۂ حج ادا کرواتی ہے۔ عازمین کا انتخاب مختلف ممالک میں واقع سعودی سفارت خانوں کے توسط سے کیا جاتا ہے۔ اس وفد کی بڑی شاندار مہمان نوازی ہوتی ہے۔ بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے۔ حکومت کے کارندے ان کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ ارکان حج کی ادائیگی میں عام حجاج کو زبردست دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس وفد کے ممبران بڑی آسائشوں کے ساتھ فریضۂ حج ادا کرتے ہیں۔

مذکورہ میڈیکل واقعہ کے بعد ہم نے سوچا کہ کیوں نہ ماسٹر خلیل الرحمٰن صاحب سے وہ دوائیں دہلی سے منگوا لیں جو وہاں استعمال ہو رہی تھیں۔ ابھی ان کے آنے میں وقت ہے۔ وہ ہمارے کرم فرما ہیں۔ ہمارے بڑے بھائی جناب حماد انجم ایڈووکیٹ مرحوم

کے ایامِ طفلی کے دوست اور ہم جماعت ہیں۔ وہ بھی ایڈووکیٹ ہیں۔ ہم لوگوں نے ایک ہی اسکول سے پہلی سے لے کر دسویں تک کی تعلیم حاصل کی تھی۔ حماد بھائی اور ماسٹر خلیل الرحمٰن صاحب نے گورکھپور یونیورسٹی سے بی ایس سی ایل ایل بی کیا تھا۔ حماد بھائی اپنے وطن ہی میں پریکٹس کرنے لگے تھے۔ جبکہ خلیل الرحمٰن ایڈووکیٹ کچھ دنوں تک پریکٹس کرنے کے بعد دہلی آگئے اور عالم اسلام کی ایک معروف شخصیت مولانا عبدالحمید رحمانی کے تعلیمی ادارے معہد التعلیم الاسلامی جوگا بائی، نئی دہلی میں برسرِ کار ہو گئے۔ وہ اس ادارے میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں اور ادارے کے قانونی امور بھی دیکھتے ہیں۔ دیگر بہت سی ذمہ داریاں بھی ان کے دوشِ ناتواں پر ہیں۔ ادارے کے موجودہ صدر جناب مولانا محمد رحمانی سنابلی مدنی ان سے بڑی انسیت رکھتے ہیں اور انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کی محبت آمیز کوششوں کے نتیجے ہی میں نئی دہلی میں واقع سعودی سفارت خانہ کے ذمہ داروں نے انھیں بھی شاہی مہمانوں کے وفد میں شامل کر لیا۔

آبائی گاؤں میں بھی ہم لوگوں کے مکان قریب قریب ہیں اور یہاں دہلی میں بھی ہم دونوں ایک ہی علاقے میں قیام پذیر ہیں۔ جب بھی ملتے ہیں بڑی محبت وشفقت سے پیش آتے ہیں۔ لہٰذا ہماری اہلیہ نے کہا کہ جو دوائیں چھوٹ گئی ہیں وہ وکیل صاحب سے منگالی جائیں۔ ان سے درخواست کی گئی اور وہ دوائیں اپنے ساتھ لے آئے۔ اب مسئلہ ان دواؤں کے حصول کا تھا۔ ہم عزیزیہ میں ہیں اور وہ زم زم فیکٹری کے پاس ایک شاندار ہوٹل دار البیضہ میں۔ ہم نے ان کے پاس جانے کا پلان بنایا۔ لیکن چونکہ ہم اس علاقے سے واقف نہیں ہیں اس لیے مولانا جاوید ندیم نے جو کہ ان مہمانوں کے استقبال کے لیے ہوٹل میں موجود ہیں، ہم سے کہا کہ تنہا مت آیئے گا۔ آپ پریشان ہو جائیں گے۔ لہٰذا ہم نے ماسٹر صاحب سے بذریعہ فون بات کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ جب حرم شریف آئیں تو مجھے مطلع کر دیں۔ ہم لوگ کوئی جگہ متعین کر کے ملاقات کر لیں گے۔ لیکن یہاں پہنچنے والے ہر نئے شخص کی مانند ماسٹر صاحب بھی پریشان تھے۔ وہ پہلے روز ہی حرم سے ہوٹل جاتے وقت ہوٹل کی بس چھوٹ جانے کی وجہ سے بھٹک گئے تھے

اور گھنٹوں سڑکوں کی خاک چھاننے کے بعد ایک ٹیکسی ڈرائیور انھیں ان کے ہوٹل چھوڑنے پر تیار ہوا تھا۔ دار البیضہ حرم شریف سے زیادہ مسافت پر نہیں ہے۔ اس نے ان کو بمشکل پانچ منٹ کے اندر ہی وہاں پہنچا دیا۔ لیکن کرائے میں ۲۵/ ریال چارج کیا جو کہ ہندوستانی کرنسی میں تقریباً پانچ سو روپے بنتے ہیں۔

لہٰذا خلیل الرحمٰن صاحب نے بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا کہ ارے وہاں کہاں اور کیسے مل پائیں گے۔ یہ تو بہت مشکل ہے۔ ہم نے ان کو کچھ سمجھانے کی کوشش کی کہ نہیں کوئی مسئلہ نہیں۔ کسی گیٹ یا بورڈ کے پاس ملنا طے کرلیں گے۔ چونکہ ہمیں یہاں آئے کافی دن ہو گئے ہیں اور ہم حرم شریف کے گوشے گوشے سے واقف ہو چکے ہیں اس لیے ہمارے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لیکن جب ہم پہلی بار آئے تھے تو ہم بھی ایسی باتوں سے بہت گھبرا جاتے تھے۔ بہر حال حرم شریف میں ان سے ملاقات کا پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔

پھر ہم نے اپنے کرم فرما اور ہمارے چھوٹے بھائی ڈاکٹر شمس کمال انجم کے پرانے رفیق اور ہم وطن عزیزم مولانا عبد الرؤف صاحب کو فون کیا جو تقریباً پچیس برسوں سے مکہ میں قیام پذیر ہیں اور ہر ایسے آڑے وقت میں یہاں ہمارے کام آرہے ہیں۔ ان کو ہم نے اپنا مسئلہ بتایا۔ وہ جھٹ تیار ہو گئے۔ کہنے لگے کہ ٹھیک ہے میں دوا لے آؤں گا۔ وہ خلیل الرحمٰن صاحب کے پاس گئے۔ ان سے دوا لی اور ان سے ہمارے پاس آنے کی گزارش کی۔ اس پر انھوں نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ چل تو لوں مگر پھر مجھے یہاں چھوڑنے کے لیے آپ کو آنا پڑے گا۔ انھوں نے کہا کہ ہاں یہ بات تو ہے۔ اچھا رہنے دیجیے۔ میں تنہا چلا جاتا ہوں۔ اس طرح وہ دوا جو دہلی میں چھوٹ گئی تھی ہمیں عزیزیہ میں مل گئی اور جان میں جان آئی۔

ایک نظر ادھر بھی

اب آئیے دیکھتے ہیں کہ ہندوستانی حجاج کے لیے انتظامات کی ذمہ داری کس کے دوش پر ہوتی ہے۔ دہلی حج کمیٹی کے سی ای او جناب اشفاق عارفی کے مطابق حج

انتظامات میں چار ایجنسیاں شامل ہوتی ہیں۔ ہندوستان کی اقلیتی امور کی وزارت سعودی حکومت کے ساتھ مل کر اعلیٰ سطحی فیصلے کرنے کے علاوہ مکہ مدینہ میں قیام، معلموں سے معاہدے اور منیٰ میں خیموں میں قیام اور کھانے کے ریٹ (Rate) کا تعین کرتی ہے۔ اس کے علاوہ مکہ و مدینہ میں رہائش، منیٰ و عرفات میں سہولتیں اور واپسی وغیرہ کے معاملات بھی اقلیتی وزارت اور حج کمیٹی دیکھتی ہیں۔ مرکزی اور ریاستی حج کمیٹیاں دستاویزی اور کاغذی کارروائیاں بھی کرتی ہیں۔ مکہ میں عمارتوں کا انتخاب بلڈنگ سلیکشن ٹیم کرتی ہے اور اس کو منظوری بلڈنگ سلیکشن کمیٹی دیتی ہے۔ پہلی میں ریاستی حج کمیٹیوں کے افسران اور دوسری میں حج کمیٹی آف انڈیا کے ممبران ہوتے ہیں۔

اندرون ملک کے انتظامات کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ دار اقلیتی وزارت اور حج کمیٹی ہوتی ہے اور سعودی عرب میں یہ ذمہ داری قونصل جنرل آف انڈیا اور سعودی حکومت پر ہوتی ہے۔ مکہ مدینہ میں انڈین حج مشن کا کام مجموعی طور پر بہتر نظر آیا۔ اس کے پاس جو شکایت پہنچی اس پر کارروائی کی گئی۔ بیمار حجاج کے علاج معالجے کا بھی بہتر انتظام تھا۔ منیٰ میں کھانے کی شکایت کے بعد قونصل جنرل جناب نور الرحمٰن شیخ اور ڈپٹی قونصل جنرل اور قونصل حج جناب محمد شاہد عالم نے ہمارے خیمے کا دورہ کیا اور مطبخ کے ذمہ داروں کو ضروری ہدایت دی۔ لیکن حج مشن کو انتظامات کے تعلق سے مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہندوستانی حکومت تو حاجیوں کی بہتر خدمات انجام دینا چاہتی ہے لیکن درمیان کی ایجنسیاں ناکارہ پن کا ثبوت دیتی ہیں۔ اگلے سال سے بحری جہاز سے سفرِ حج کی تجویز معقول اور دلچسپ ہے۔

اردو کا جلوہ

مکہ اور مدینہ میں جو زبانیں عام طور پر بولی جاتی ہیں ان میں اردو کا ایک خاص مقام ہے۔ آپ کسی مارکیٹ میں ہوں یا مال میں۔ بقالہ پر ہوں یا کھانے کے ہوٹل پر۔ ایئرپورٹ پر ہوں یا کسی سڑک پر۔ حرم میں ہوں یا کسی دوسری مسجد میں۔ ٹیکسی کی ضرورت

ہو یا خورد ونوش کی اشیا کی۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو اور آپ کہیں بھی جائیں آپ دھڑلے سے اردو میں بول سکتے ہیں، سامان مانگ سکتے ہیں، قیمت پوچھ سکتے ہیں، معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم نے ہر جگہ اردو ہی کا سہارا لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ یہاں اپنی زبان سے بھی کام چلایا جا سکتا ہے۔ یہاں اس زبان کی بڑی آؤ بھگت ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں بیشتر دکاندار یا کارکن پاکستانی، بنگلہ دیشی یا ہندوستانی ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بہت سے عربوں نے بھی اپنے کاروبار کو چلانے کے لیے اردو سیکھ لی ہے۔ آپ کسی دکان پر جائیں۔ کارکن کسی سے عربی میں بات کر رہا ہے۔ لیکن جوں ہی آپ نے اسے متوجہ کر کے اردو میں کچھ پوچھا تو وہ فوراً اردو بولنے لگتا ہے۔ عزیزیہ میں جامع بن محفوظ کے پاس شام کے وقت زبردست رش ہو جاتا ہے۔ جگہ جگہ بچے اور بڑے بھی ایک چھوٹی سی ٹیبل لگائے چائے فروخت کرتے ہیں۔ مسجد کے شمال مشرقی کونے پر ہم اور ہمارے دوست جناب محمد عمران صاحب (ایم ٹی این ایل) شام کو ٹہلتے ہوئے وہیں جاتے ہیں اور چائے کی عمل بجھاتے یا طلب مٹاتے ہیں۔ تھوڑی چہل قدمی بھی ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی وہیں ایک دس بارہ سال کا بچہ بھی بیٹھتا ہے۔ وہ پوچھے گا ''شائے شاہیے، دودھ بھی اور شینی بھی، شینی کتنی''۔ یعنی چائے چاہیے، دودھ والی یا بغیر دودھ والی اور چینی کتنی؟''۔ سعودی عرب میں بیشتر لوگ بغیر دودھ کی چائے پیتے ہیں۔ سعودی حکومت بھی اپنے لٹریچر اور دیگر عوامی چیزیں عربی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی شائع کرتی ہے۔ جگہ جگہ بورڈوں پر اردو میں بھی لکھا ہوا ملے گا۔ بہت کم ایسا لگے گا کہ ہم کسی ایسے ملک میں ہیں جہاں ہماری اپنی زبان نہیں چلتی۔ اسے اردو کی مقبولیت یا اس کی ضرورت کی ایک مثال کہہ سکتے ہیں۔

روزنامہ اردو نیوز

جدہ سے شائع ہونے والے سعودی عرب کے واحد اردو روزنامہ ''اردو نیوز'' سے ہمارا پرانا رشتہ رہا ہے۔ پانچ چھ سال تک اس میں ہمارا کالم شائع ہوتا رہا۔ لہٰذا یہ خیال تھا

کہ جب ہم حج پر جائیں گے تو اس کا مطالعہ اپنے معمولات میں شامل رکھیں گے۔ لیکن ہندوستان کی مانند سعودی عرب میں اخبارات کا کوئی سینٹر نہیں ہوتا۔ یہاں اخبار بقالہ پر ملتے ہیں۔ لیکن سارے بقالہ پر نہیں۔ مدینہ میں اس اخبار کا خیال ہی نہیں آیا۔ درحقیقت یہ ایسی سرزمین ہے کہ یہاں عبادت و زیارت کے علاوہ کوئی دنیاوی بات ذہن میں آتی ہی نہیں۔ لہٰذا مدینہ منورہ میں ہم نے اس اخبار کی صورت نہیں دیکھی۔

جب مکہ مکرمہ آئے اور عزیزیہ میں قیام ہوا تو یہاں بھی وہی صورت حال رہی۔ اب اخبارات کی کمی کا احساس انٹرنیٹ نے ختم کر دیا ہے۔ ہم ہمیشہ نیٹ کے توسط سے دنیا میں ہونے والے واقعات و حادثات سے واقف ہوتے رہے۔ اس دوران یہاں کا انگریزی روزنامہ ''عرب نیوز'' بذریعہ انٹرنیٹ ہمیشہ مطالعے میں رہا۔ اس لیے یہاں بھی کافی دنوں تک اردو نیوز کا خیال نہیں آیا۔ ایک روز بعد نماز مغرب بچوں کے ساتھ کچھ راشن پانی کی خریداری کے لیے دکانوں پر گئے تو ایک دکان پر ایک اسٹینڈ پر اردو نیوز اور کچھ دوسرے عربی اخبارات رکھے ہوئے ملے۔ اردو نیوز پر نظر پڑی تو بھولی بسری یادیں تازہ ہو گئیں اور ہمیں اس بات کا بھی احساس ہوا کہ ہم بھی تو صحافی ہیں اور اردو ہی کے ہیں۔ لہٰذا فوری طور پر ایک کاپی دو ریال میں خرید لی۔ ہم ہندوستانی دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں تو دل ہی دل میں مقامی کرنسی کو ہندوستانی کرنسی میں تبدیل کرتے ہیں۔ لہٰذا جب دو ریال کو ہندوستانی روپے میں تبدیل کیا تو وہ چھتیس یا اڑتیس روپے بنے۔ اب کہاں ہندوستان میں دو تین روپے میں روزنامہ اخبار مل جاتا ہے اور کہاں چھتیس اڑتیس روپے میں۔ خیر ہم نے ہوٹل میں آکر جو اخبار کی ورق گردانی کی تو یہ دیکھ کر بے انتہا مسرت ہوئی کہ اتفاق سے وہ جمعہ کا ایڈیشن تھا اور چار صفحات پر حج سے متعلق مضامین شائع کیے گئے تھے۔ ہم نے سوچا کہ دو ریال میں یہ اخبار مہنگا نہیں ہے۔

اس خاص ایڈیشن کی ایک خوبی کا ذکر بہت ضروری ہے جو ہمیں کسی اخبار میں پہلی بار نظر آئی۔ اخبارات کے قارئین کے ذہنوں میں روزنامہ اخبار کا سائز موجود ہوگا۔ اس اخبار کا بھی وہی سائز ہے۔ لیکن جو مذہبی مضامین کا خصوصی ضمیمہ ہے اس پر اوپر سے

مضامین کی سیٹنگ نہیں ہے بلکہ دائیں جانب سے ہے۔ یعنی اوپر کے نصف حصے میں ایک مضمون دائیں جانب سے سرخی اور متن کے ساتھ ہے اور نیچے کے نصف حصے میں دوسرا مضمون اسی انداز میں ہے۔ اس کی ایک اور خاص خوبی یہ ہے کہ اس صفحے کو اخبار سے نکال لیجیے اور ہفت روزہ سائز میں موڑ دیجیے یا فولڈ کر دیجیے تو ایسا لگے گا کہ یہ اخبار روزنامہ سائز میں نہیں بلکہ ہفت روزہ سائز میں چھپا ہے۔ فولڈ کرنے کے بعد مضامین بالکل اوپر سے شروع ہو جاتے ہیں۔

بہر حال جب ہم ہفتے کے روز اخبار لینے گئے تو اسے دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی۔ خوشیوں کا شیش محل زمین بوس ہو گیا۔ اندازہ یہ ہوا کہ صرف جمعہ کے روز وہ ایڈیشن شائع ہوتا ہے۔ باقی دنوں کا ایڈیشن چار صفحات پر مشتمل ہے اور قیمت وہی دو ریال۔ لیکن چونکہ باقی ایڈیشنوں میں ہمارے لیے دلچسپی کا کوئی سامان نہیں تھا اس لیے ہم نے اسے نہیں لیا۔ تیسرے جمعہ کو جب ہم اخبار لینے گئے تو اس میں اعلان شائع ہوا تھا کہ حج کے موقع پر تعطیل ہونے کی وجہ سے جمعہ ایڈیشن شائع نہیں ہوا۔ لیجیے ساری خوشیاں دم توڑ گئیں۔ اس کے بعد ہماری واپسی کی تاریخ آ گئی۔

(اب اردو نیوز کی اشاعت موقوف کر دی گئی ہے۔ یہ یقیناً ایک افسوسناک بات ہے)۔

لبیک کی صدائیں

آج یوم الترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ ہے۔ حجاج کرام آج ہی کے روز منیٰ پہنچتے ہیں اور یہاں ظہر، عصر، مغرب، عشا اور اگلے روز یعنی ۹ رذی الحجہ کو فجر کی نماز ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ عرفات کے لیے کوچ کرتے ہیں۔ وہاں ظہر اور عصر کی نمازیں بیک وقت ادا کرتے اور مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بغیر غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ وہاں وہ مغرب اور عشا کی نمازیں ایک ساتھ ادا کرتے اور عبادت و وقوف کرتے ہیں اور دس ذی الحجہ کو نماز فجر کے بعد پھر منیٰ واپس آتے، رمی کرتے یعنی جمرہ عقبہ کو کنکری مارتے، قربانی کرتے، حلق کرواتے اور طواف زیارت کرتے ہیں۔ حلق کروانے کے بعد وہ احرام کی چادریں اتار دیتے اور حلال ہو جاتے ہیں۔ طواف زیارت اگلے روز بھی کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ حج میں اب زبردست ازدحام کے پیش نظر بہت سے حجاج گیارہ یا بارہ ذی الحجہ کو طواف زیارت کرتے ہیں۔

ترویہ کسے کہتے ہیں؟ وکی پیڈیا کے مطابق ترویہ کے لغوی معنی سیراب کرنے اور پانی فراہم کرنے کے ہیں۔ قدیم زمانے میں جب حجاج آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ آتے تھے تو یہاں پانی نہ ہونے کی وجہ سے ان کو شدید تکلیف ہوتی تھی۔ چنانچہ منیٰ روانگی سے قبل مکہ سے آب زم زم بھر لیتے تھے۔ اسی لیے اس دن کا نام یوم الترویہ یعنی پانی بھرنے کا دن پڑ گیا۔ یوم الترویہ کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آٹھویں ذی الحجہ کی شب میں اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا۔ جب وہ صبح اٹھے تو سوچ میں پڑ گئے۔ صبح سے شام تک وہ اسی سوچ میں رہے کہ کیا یہ حکم خداوندی تھا اور کیا یہ خواب رحمانی تھا یا شیطانی۔ اسی لیے آٹھویں ذی الحجہ کو یوم الترویہ

یعنی ''سوچ کا دن'' بھی کہا جاتا ہے۔ اسے یوم النقلہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس روز حجاج منیٰ کی طرف نقل مکانی یعنی کوچ کرتے ہیں۔

لیکن اب پانی کا کوئی مسئلہ نہیں۔ حکومت نے حجاج کو ہر ممکن سہولت فراہم کرنے کے اقدامات کیے ہیں۔ جگہ جگہ طہارت خانے یا حمام بنائے گئے ہیں۔ پینے کے پانی کا بھی وافر انتظام ہے۔ لاکھوں فائر پروف پرمائنٹ خیمے نصب ہیں جن میں اے سی والے کولر بھی فٹ ہیں۔ معلمین کی جانب سے اپنے اپنے حاجیوں کو ناشتے اور کھانے کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ منیٰ اور عرفات میں کھانا دیا جاتا ہے۔ حجاج کی بڑھتی تعداد کے پیش نظر اب معلمین اپنے اپنے حاجیوں کو سات ذی الحجہ کی نماز عشا کے بعد جبکہ آٹھ ذی الحجہ کی تاریخ شروع ہو جاتی ہے، منیٰ پہنچانا شروع کر دیتے ہیں۔ صبح تک تقریباً ۸۰ر فیصد حجاج منیٰ میں خیمہ زن ہو جاتے ہیں۔

اِس وقت منیٰ کے خیمے لاکھوں حجاج سے آباد ہو چکے ہیں۔ حجاج جب اپنے اپنے ہوٹلوں سے منیٰ کے لیے نکلتے ہیں تو احرام میں ہوتے ہیں اور اسی وقت سے تلبیہ پکارتے ہیں۔ وہ لبیک اللھم لبیک کی صدائیں بلند کرتے ہوئے منیٰ پہنچتے ہیں۔ یہاں لبیک کی صدائیں گونجتی رہتی ہیں۔ ایسے مواقع پر حجاج کا ذوق وشوق قابل دید ہوتا ہے۔ اِس وقت منیٰ کے خیموں اور گلیوں میں دو سفید چادروں میں ملبوس حجاج ہی حجاج نظر آرہے ہیں۔ صادقہ ذکی نے اپنے سفرنامہ میں اسے خیموں کا شہر کہا ہے۔ خیموں کا یہ شہر سال میں پانچ دنوں کے لیے آباد ہوتا ہے۔ یہاں جگہ جگہ دفاتر قائم ہیں۔ ڈسپنسریاں بنائی گئی ہیں۔ عام طور پر یہاں لوگ بھٹک جاتے ہیں۔ اسی لیے منیٰ روانہ ہونے سے قبل حجاج کی کلائیوں پر ایک الیکٹرانک بریسلیٹ پہنایا گیا ہے جس پر منیٰ اور عرفات کے خیموں کے پتے درج ہیں۔ اسے ہر حاجی کو کم از کم اس وقت تک اپنی کلائی پر باندھے رہنا ہوتا ہے جب تک کہ وہ منیٰ سے واپس اپنے ہوٹل نہ چلا جائے۔

کل یعنی ۹ر ذی الحجہ کو نماز فجر کے بعد حجاج میدان عرفات جائیں گے۔ اس کے لیے دو ذرائع استعمال کیے جائیں گے۔ یعنی بس اور میٹرو ٹرین۔ لیکن ۳۰۰ر کلومیٹر فی

گھنٹہ کی رفتار والی ٹرین سے زیادہ سے زیادہ پانچ لاکھ حجاج ہی آمد و رفت کر سکتے ہیں۔ باقی کے لیے بس ہی واحد سہارا ہے۔ منیٰ سے عرفات کی مسافت الگ الگ راستوں سے الگ الگ ہے۔ اوسطاً بارہ تیرہ کلومیٹر۔ ہم لوگوں کے معلم نے ٹرین کا انتظام نہیں کیا ہے۔ اس کے ادارے کی جانب سے ہمیں منیٰ روانہ ہونے سے قبل ہی بتا دیا گیا ہے کہ بس سے عرفات جانا ہے۔ لیکن واپسی پیدل ہوگی۔ لاکھوں افراد پیدل چلتے ہیں جس کی وجہ سے گاڑیوں کے لیے راستہ تقریباً بند ہو جاتا ہے۔ لہٰذا لوگوں نے بتایا کہ اگر ٹرین کا ٹکٹ نہیں ملا ہے تو پیدل ہی بہتر ہوگا۔ گزشتہ سفر حج میں ہمارا قافلہ عرفات سے شب میں دس بجے بس سے نکلا تھا اور وادی منیٰ میں اگلے روز دن میں بارہ بجے کے بعد پہنچا تھا۔

اعداد و شمار کی جنرل اتھارٹی کے مطابق ۱۹۲۲۵۴/ افراد جن میں ۳۱۴۱/ خواتین بھی ہیں، چوبیس گھنٹے حجاج کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ۹۹۵۷/ کاریں، ۱۵۸۳/ موٹر بائیک، ۱۳۳۴۹/ وائرلیس سیٹ اور ۳۷۶۰/ کمپیوٹر استعمال میں لائے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بڑی تعداد میں نوجوان رضا کار پورے ملک سے مکہ آئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے خود کو حجاج کی خدمت کے لیے وقف کر دیا ہے۔ وزارت حج و عمرہ نے گزشتہ سال اس سلسلے میں Be Helpful یعنی ''مددگار بنیے'' کے نام سے ایک پروگرام شروع کیا تھا۔ پروگرام کے سی ای او ہانی ابو السعود کے مطابق وژن ۲۰۳۰ء کے تحت ہر سال دس لاکھ رضا کار تعینات کیے جائیں گے۔ بیشتر رضا کار کالج اور یونیورسٹی کے طالب علم ہوتے ہیں جو ضیوف الرحمٰن کی خدمت کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ حکومت حج انتظامات کو فول پروف بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتی۔ تمام متعلقہ ادارے ہنگامی بنیاد پر مصروف عمل ہیں۔

دو سال کے وقفے کے بعد امسال ۶۰/ ہزار ایرانی حجاج بھی آئے ہوئے ہیں۔ سعودی حکومت نے ان کو بہترین سہولتیں فراہم کی ہیں۔ حج ڈیوٹی انجام دینے والوں کا کہنا ہے کہ ان کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ ایرانی حجاج کا بھرپور خیال رکھیں اور ان کی ہر خواہش پوری کریں۔ اس مہمان نوازی پر ایرانی حجاج حکومت سعودی عرب کے ممنون

نظر آتے ہیں۔ حجاج کی مہمان نوازی یہاں کے لوگوں کی گھٹی میں پڑی ہے۔ یہاں تک کہ پولیس بھی ان کا بہت خیال رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک ویڈیو وائرل ہوا ہے جو پولیس کے جذبۂ خدمت گزاری کا بہترین نمونہ ہے۔ ایک معمر خاتون کی چپل حرم میں کھو گئی۔ اس کے ساتھ آنے والے مرد نے سخت دھوپ میں تپتے پتھروں کی گرمی سے بچنے کے لیے گتے کی چپل بنا کے اسے پہنانے کی کوشش کی۔ ایک سیکورٹی آفیسر نے دیکھ لیا۔ وہ دوڑا ہوا آیا اور اس نے بلا تکلف اپنے جوتے اتار کر اس خاتون کو پیش کر دیے۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں یہاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

نبی ﷺ کا خانوادہ اپنے جد اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کی نسبت سے خانوادۂ ہاشمی کے نام سے معروف ہوا۔ جب بنو عبد مناف اور بنو عبد الدار کے درمیان مکہ کے انتظامات کے تعلق سے عہدوں کی تقسیم ہوگئی تو عبد مناف کی اولاد میں ہاشم ہی کو سِقایہ اور رِفادہ یعنی حجاج کرام کو پانی پلانے اور ان کی میزبانی کرنے کا منصب حاصل ہوا۔ ہاشم بڑے معزز اور مالدار تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مکہ میں حاجیوں کو شوربا روٹی سان کر کھلانے کا اہتمام کیا۔ ان کا اصل نام عَمرو تھا۔ لیکن روٹی توڑ کر شوربے میں سانننے کی وجہ سے ان کو ہاشم کہا جانے لگا۔ ہاشم کے معنی ہیں توڑنے والا۔ یعنی مکہ کے باشندوں کے اندر حاجیوں کی خدمت کی روایت قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے۔

بہر حال حجاج آج کی رات منیٰ میں گزار کر کل عرفات کے لیے روانہ ہو جائیں گے اور ''الحج عرفۃ'' کو عملی شکل دیں گے۔ ۹/ذی الحجہ کو عرفات کی حدود میں وقوف حج کا لازمی رکن ہے۔ جس نے وہاں کچھ وقت نہیں گزارا اس کا حج نہیں ہوگا۔ عرفات میں جو بھی دعائیں کی جاتی ہیں وہ قبول ہوتی ہیں۔ وہاں گڑگڑا گڑگڑا کر رونا اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا چاہیے۔ وادیٔ عرفات سال میں ایک روز آباد ہوتی ہے اور وہاں کی مسجد نمرہ سال میں ایک روز کھلتی ہے اور خطیب حج خطبہ دیتے ہیں۔ جس نے تمام شرائط پوری کیں اس کا حج، حج مبرور ہوگیا اور وہ ایسے پاک دامن ہوگیا جیسے کہ اس کی ماں نے اسے ابھی جنا ہے۔ ہر حاجی کو چاہیے کہ اللہ کے حضور گڑگڑا کر اپنے گناہوں سے توبہ کرے تا کہ اس کا حج ''حج مبرور'' کا درجہ حاصل کر لے۔

حج انتظامات

تصویر کے دونوں رخ

ہر سال کی مانند امسال بھی حج کا سیزن کافی پہلے سے شروع ہو گیا تھا۔ دہلی سے حج کی پروازوں کا آغاز ۱۴ر جولائی کو ہوا۔ حجاج کرام کے قافلے پہلے مدینہ منورہ اترے اور پھر وہاں سے مکہ مکرمہ پہنچے۔ بہت سے وہ حاجی جن کی پروازیں تاخیر سے تھیں، پہلے مکہ مکرمہ آئے اور حج کے بعد وہ مدینہ منورہ روانہ ہوں گے۔ سرزمین عرب پر اترنے کے بعد حاجیوں نے ۱۸ر یا ۱۹ر اگست سے ۲۲ر یا ۲۳ر اگست تک منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں قیام کیا۔ ان مقامات پر مجموعی طور پر پانچ روزہ قیام اور طواف افاضہ، سعی اور رمی کے ساتھ حج ۲۰۱۸ء پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے اپنے ہوٹلوں یعنی عارضی قیام گاہوں میں منتقل ہو گئے۔ اب ان کی وطن واپسی کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ اعداد و شمار کی جنرل اتھارٹی کے مطابق امسال ۱۶۵ر ملکوں کے مجموعی طور پر ۲۳ر لاکھ ۷۱ر ہزار ۶۷۵ر (۲۳۷۱۶۷۵ر) حجاج نے فریضۂ حج کی ادائیگی کی۔ جن میں ۶ر لاکھ ۱۲ر ہزار ۹۵۳ر (۶۱۲۹۵۳ر) سعودی عرب سے تھے اور ۱۷ر لاکھ، ۵۸ر ہزار ۷۲۲ر (۱۷۵۸۷۲۲ر) حجاج بیرون سعودی عرب سے تشریف لائے تھے۔ مرد حاجیوں کی تعداد ۱۳ر لاکھ ۲۷ر ہزار ۱۲۷ر تھی۔ ۱۲ر ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ۱۶ر کروڑ، ۶۰ر لاکھ، ۱۷ر ہزار ۳۵۰ر (۱۶۶۰۱۷۳۵۰ر) کنکریوں سے رمی کی گئی یعنی اتنی کنکریاں جمرات پر پھینکی گئیں۔

ایک نیا تجربہ

حج ایک انوکھی، نرالی اور مہتم بالشان عبادت ہے۔ یہ عبادت جو کہ پانچ دنوں پر

مشتمل ہوتی ہے کافی پیسے اور جسمانی مشقت کا تقاضا کرتی ہے۔ خوشحال اور متمول افراد کے لیے پیسہ کوئی مسئلہ نہیں۔ لیکن نچلے اور متوسط طبقات کے لیے پیسوں کا انتظام ایک بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ حکومتی انتظام کے تحت آتے ہیں جو قدرے سستا پڑتا ہے۔ جبکہ متمول افراد پرائیویٹ ٹور آپریٹروں کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی فریضۂ حج کی ادائیگی کرنے والے کو جسمانی طور پر تندرست بھی ہونا چاہیے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ حج جوانی کی عبادت ہے۔ یا اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو جوانی ہی میں حج کر لینا چاہیے۔ اس عبادت کی سخت شرائط کی وجہ سے ہی اسے صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک بار فرض کیا گیا ہے۔ دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں حج جیسی کوئی عبادت نہیں اور نہ ہی اتنی بڑی تعداد میں لوگ کسی ایک جگہ پر ایک ہی روز اکٹھا ہوتے ہیں۔

حج ایک نئے تجربے کا نام ہے۔ ایک ایسا تجربہ جو پھر زندگی میں کبھی نہیں ہوتا۔ اس دوران حجاج کرام الگ قسم کے مشاہدات سے روبرو ہوتے ہیں۔ ہم نے اس پانچ روزہ قیام کے دوران دو خاص باتیں نوٹ کیں۔ ایک خانہ بدوشوں کی زندگی کا تجربہ اور دوسرے ایک دوسرے کے خیالات و نظریات اور جذبات و احساسات کو سمجھنے کا موقع۔ اگر ہم غور کریں تو پائیں گے کہ یہ پانچ روزہ عارضی قیام اپنے آپ میں بڑی معنویت رکھتا ہے اور بڑے سبق آموز مراحل سے گزرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

تصویر کا ایک رخ

ہم نے جس لمحے سرزمین حجاز پر قدم رکھا اسی وقت سے ہمیں سعودی حکومت کے انتظامات کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ یہ مشاہدہ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور حج انتظامات کے تعلق سے اس کی کارکردگی ہمارے سامنے جلوہ گر ہوتی گئی۔ لاکھوں کی تعداد میں پولیس اور سیکورٹی جوان، اسکاؤٹس اور دنیا کے مختلف ممالک سے آنے والے رضا کاروں نے حجاج کے لیے اپنے دیدہ و دل جس طرح فرش راہ کر دیے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ سیکورٹی سنبھالنے کا یہاں کی پولیس کا نظام زبردست ہے۔ چند

استثناؤں کے ساتھ سیکورٹی، ٹریفک، صحت اور دوسرے معاملات میں مختلف محکموں کی کارکردگی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کی حکومت اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں سے سیکھتی ہے اور ان کی روشنی میں نئے نئے تجربات کرتی ہے۔ البتہ ایک چیز کی کمی محسوس ہوئی۔ جن جوانوں کو ٹریفک کنٹرول کرنے یا دیگر خدمات کے لیے متعین کیا گیا تھا اگر ان کو اس کی باضابطہ ٹریننگ دی جاتی اور یہاں کی پولیس فورس میں دوسری زبانوں کے جاننے والوں کو بھی شامل کیا جاتا تو وہ چھوٹی چھوٹی شکایتیں پیدا ہی نہیں ہوتیں جو زبان کی لاعلمی کی بنیاد پر اور مواصلات کے فقدان کی وجہ سے سامنے آتی رہتی ہیں۔

منیٰ کے خیموں اور عرفات کے میدان میں تو ٹریفک نظام کا کوئی معاملہ ہی نہیں تھا۔ البتہ جب مزدلفہ میں چند گھنٹے قیام کے بعد ہم لوگوں کا قافلہ منیٰ کی طرف پیدل روانہ ہوا تو کچھ مسافت کے بعد ہی ٹریفک کنٹرول کرنے والے جوان نظر آنے لگے۔ جہاں بھی ایسا محسوس ہوا کہ سڑک پر بھیڑ کافی ہوگئی ہے اور لوگوں کو آگے بڑھنے میں دشواریوں کا سامنا ہے تو ٹریفک پولیس کے جوانوں نے الٹے وی (V) شیپ میں ایک دوسرے کے ہاتھ تھام کر زنجیر بنادی اور بھیڑ کو دو پھاڑ کر دیا یعنی دائیں اور بائیں تقسیم کر دیا۔ اس طرح انسانی زنجیر عبور کرنے کے بعد سڑک پر لوگوں کا ازدحام فطری طور پر کم ہوگیا۔ سڑک کی دونوں جانب بڑی تعداد میں جوان تعینات تھے۔ منیٰ کے خیمے جوں جوں قریب آتے گئے جوانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔

چلچلاتی دھوپ میں ساون کی پھوار

یہاں ایک بہت خاص بات دیکھنے کو ملی۔ یہاں درجۂ حرارت ۴۰ رڈگری سے زیادہ ہے۔ کھلی سڑک پر گزرتے وقت دھوپ کی تمازت جان نکال لیتی ہے۔ لیکن اچانک ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بارش کی چھینٹیں پڑنے لگی ہیں۔ نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جوان پانی سے بھری بوتل سے اسپرے کر رہا ہے۔ جس طرح کوئی حجام اسپرے کر کے بال بھگوتا ہے اسی طرح چہرے پر اچانک اسپرے کر دینے سے دھوپ کی

تمازت کچھ دیر کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔ ایسے جوانوں کی نظریں کمزوروں، عورتوں، بزرگوں، بچوں اور چہرے سے تھکے تھکے نظر آنے والوں پر ہوتی ہیں اور وہ ان پر پانی کا اسپرے کرکے ماحول کو خوشگوار بنا دیتے ہیں۔ جب اچانک کسی بچے کے چہرے پر پانی کی پھوار پڑتی ہے تو بچہ پہلے تو چونک جاتا ہے پھر مذکورہ جوان کو دیکھ کر اس کے لبوں پر فطری طور پر مسرت نمودار ہو جاتی ہے۔ ان کو دیکھ کر بہت سے حجاج بھی یہی عمل کرنے لگے اور انھوں نے بھی تھکے ہارے حاجیوں کے چہروں پر پھوار سے بشاشت پیدا کر دی۔ اس کے علاوہ سڑک کے دونوں جانب ایستادہ کھمبوں پر فوارے بنے ہوئے ہیں جن سے مسلسل پانی اسپرے ہوتا رہتا ہے۔ سڑک پر چلیے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ساون کا مہینہ ہے اور ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے۔ بعض خیموں کے اندر سے باہر دیکھیے تو یوں لگتا ہے کہ ہلکی پھلکی بارش ہو رہی ہے۔ یہ تجربہ انتہائی خوشگوار ہے اور اس سے حجاج کو زبردست تسکین ملتی ہے۔ جن جوانوں کے پاس اسپرے والا آلہ نہیں انھوں نے بوتل میں باریک سا سوراخ کر رکھا ہے۔ جیسے ہی وہ سمجھتے ہیں کہ فلاں شخص کو ضرورت ہے وہ بوتل دبا کر اس کے چہرے پر پانی کی باریک سی دھار مار دیتے ہیں۔ ہم نے بہت سے مرد و خواتین کو دیکھا کہ وہ ان جوانوں سے فرمائش کرکے اپنے چہرے کو تر کروا رہے ہیں۔ سڑک کے دونوں جانب بنے ہوئے اسٹینڈ پر کھڑے متعدد رضا کار گتے سے حاجیوں کو پنکھا بھی جھلتے ہیں۔ وردی میں ملبوس ایک خوبصورت سیکورٹی جوان کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں مائکروفون ہے۔ وہ کچھ دیر تک حاجیوں کو عربی میں آگے بڑھنے کی ہدایت دیتا ہے اور پھر بڑے والہانہ انداز میں دعائیں پڑھنے لگتا ہے۔ حاجیوں کا قافلہ پر جوش ہو جاتا ہے اور لوگ اس کی دعاؤں پر بہ آواز بلند آمین کہنے لگتے ہیں۔

نقشہ بردار رضا کار

ٹریفک کنٹرول کرنے والے جوانوں کے علاوہ بڑی تعداد میں نقشہ بردار رضا کار تعینات کیے گئے تھے۔ جہاں کوئی شخص اپنے راستے سے بھٹکا اور اس نے ان نقشہ بردار

رضا کاروں سے رابطہ قائم کیا وہیں انھوں نے مکتب نمبر پوچھا اور نقشہ دیکھ کر بتا دیا۔ ہم بھی ایک بار اپنے مکتب کے بارے میں ذرا شکوک وشبہات میں مبتلا ہوئے تو ایک نقشہ بردار سے پوچھا اور اس نے فوراً اسے دیکھ کر ہمارے خیمے کی لوکیشن بتا دی۔ لیکن یہ کام سعودی پولیس کے جوان نہیں کر پاتے۔ اگر کسی نے سعودی پولیس سے کچھ پوچھا تو اس سے پہلے کہ وہ کچھ سن پاتا ''گِدٖا اگِدٖا، علیٰ طول علیٰ طول'' کہہ کر یعنی آگے آگے بالکل سیدھے جاؤ کہہ کر اس کو آگے بڑھا دیتا ہے۔ البتہ کیرالہ کے رضا کار یہ خدمت زیادہ بہتر انداز میں انجام دے رہے ہیں۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا ۱۶۵ر ملکوں کے حجاج نے فریضۂ حج کی ادائیگی کی۔ ان میں جہاں بہت سے عام لوگ ہیں وہیں بہت سے خاص لوگ یا مشہور شخصیات بھی ہیں جن کو انگریزی میں سیلبریٹیز (Celebrities) کہتے ہیں۔ یہ الگ الگ شعبۂ حیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے بھی اپنے خیالات، تجربات اور مشاہدات بیان کیے ہیں۔ ان کے تاثرات یہاں کے اخباروں میں خوب چھپ رہے ہیں۔ کچھ تاثرات قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

خاص لوگوں کی خاص باتیں

کرسٹیانے باکر Kristiane Backer ایم ٹی وی امریکہ کی آرٹسٹ رہی ہیں۔ ان کی ملاقات سابق کریکٹر اور پاکستان کے موجودہ وزیر اعظم عمران خان سے کیا ہوئی کہ ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ عمران خان نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور انھوں نے برسوں تک اسلام کا مطالعہ کیا اور بالآخر وہ مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ اسلام لانے کے بعد ۲۰۰۱ء میں انھوں نے عمرہ ادا کیا اور ۲۰۰۶ء میں فریضۂ حج کی ادائیگی کی۔ اس کے بعد انھوں نے ایک کتاب تصنیف کی یا ایک سفرنامہ تحریر کیا جس کا نام انھوں نے رکھا ''ایم ٹی وی سے مکہ تک: اسلام نے کیسے مجھے متاثر کیا''۔

وہ امسال پھر فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ آئی تھیں۔ انھوں نے اپنے

تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ بارہ برسوں کے بعد جب میں نے خانۂ کعبہ کو دیکھا تو میری زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔ یہاں ان بارہ برسوں میں کافی تبدیلی آئی ہے۔ انھوں نے حج کے دوران حجاج کے تحفظ کے سلسلے میں سعودی حکومت کی کاوشوں کی زبردست پذیرائی کی اور کہا کہ ۲۳ لاکھ سے زائد حجاج کو جس طرح تحفظ اور انسانی امداد فراہم کی گئی اس سے وہ بہت متاثر ہوئیں۔ انھوں نے حج کے دوران حاجیوں کو فراہم کی جانے والی طبی سہولتوں اور نقل وحمل کی خدمات کی بھی ستائش کی۔ کرسٹیانے باکر اس وقت لندن میں فائن آرٹ مشیر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہی ہیں۔

امریکہ کی ابتہاج محمد اولمپک گولڈ میڈلسٹ اور تلوار بازی کی چمپئن ہیں۔ خانۂ کعبہ کے سامنے ان کی ایک تصویر اچانک ٹویٹر پر ٹرینڈ کرنے لگی۔ اس تصویر کے نیچے انھوں نے لکھا تھا کہ اس وقت میں اپنی تعطیلات مکہ میں گز ر رہی ہوں۔ مجھے اس سعادت پر جو مسرت حاصل ہوئی ہے میں بیان نہیں کر سکتی۔ میں د ا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام حجاج کا حج قبول کرے۔ میری تمنا ہے کہ آپ کو بھی اس کی سعادت نصیب ہو۔ اس ۳۲ رسالہ خاتون کھلاڑی نے بتایا کہ وہ حج پر آئی ہوئی ہیں اور یہاں کے انتظامات دیکھ کر ان کو بہت مسرت ہو رہی ہے۔ ان کے مداحوں نے اس پر ان کو مبارکباد پیش کی اور ایک مداح نے لکھا کہ وہ پاکستان سے تعلق رکھتا ہے، وہ بھی حج کرنے آیا ہوا ہے اور اس وقت منیٰ میں ہے اور انھیں یاد کر رہا ہے۔

انسانی حقوق کے ایک ادارے ''عرب ریڈ کریسنٹ اینڈ ریڈ کراس آرگنائزیشن'' نے حج کے دوران بھیڑ کو کنٹرول کرنے میں سعودی پولیس اور دیگر جوانوں کی مہارت کی ستائش کی اور پرامن طور پر حج کی تکمیل پر خوشی ظاہر کی۔ ادارے کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر صالح السحیبانی نے کہا کہ سعودی قیادت نے حج کے پہلے اور اس کے بعد کے اقدامات سے انسانی مثالیں قائم کی ہیں۔ جس طرح سے معمر حجاج کی دیکھ بھال کی گئی وہ قابل تعریف ہے۔

کونسل آف برٹش حاجیز Council Of British Hajjis کے

رضا کاروں کی ایک ٹیم حج کے دوران سعودی عرب میں موجود رہی جس نے حجاج کی خدمت کی۔ انھوں نے حجاج کو طبی خدمات بھی فراہم کیں۔ کونسل کے سی ای او رشید مگرادیا نے حکومت کے انتظامات کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ ایک بار پھر یہاں آکر اللہ کے مہمانوں کی خدمت کرنے پر انھیں فخر محسوس ہو رہا ہے۔ انھوں نے منیٰ میں اے سی خیموں اور موبائل ایپ کی بھی ستائش کی اور کہا کہ اس سے حاجیوں کو بڑی آسانی رہی۔ انھوں نے ۱۹؍اگست کی شام کو آنے والی دھول بھری آندھی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس سے گرمی سے کچھ راحت ملی اور برطانوی حجاج اپنے اپنے خیموں میں مقیم رہے۔ انھوں نے برطانوی حجاج کو بہتر سہولت فراہم کرنے پر حکومت کا شکریہ ادا کیا۔

سعودی پریس ایجنسی، ایس پی اے کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا بھر سے آنے والے میڈیا کارکنوں نے حکومت کا مہمان بننے پر اس کا شکریہ ادا کیا اور شاندار مہمان نوازی کی تعریف کی۔ سیاسی تجزیہ کار الکساسبہ نے اردن میڈیا کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا کہ یہاں کی حکومت حرمین کی شاندار خدمت انجام دیتی ہے۔ اس کے حج انتظامات اپنی مثال آپ ہیں۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ حجاج کو پیش کی جانے والی خدمات میں روز بروز بہتری آئے گی۔

سوڈان کی وزارت اطلاعات ونشریات کے مشیر محمد الشیخ نے سال بہ سال حج کو آسان بنانے پر سعودی حکومت کی تعریف کی۔ انھوں نے سعودی خدمات پر میڈیا کی توجہ کو بہت اہم بتایا اور حج کے دوران میڈیا کارکنوں کو فراہم کی جانے والی سہولتوں پر حکومت کا شکریہ ادا کیا۔

عباس المہدار جدہ سے آئے ہیں۔ انھوں نے اپنی فیملی کے ساتھ حج کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ جب ہم عرفات کے خیمہ میں پہنچے تو اس وقت ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ہم نے اسے اللہ کی رحمت قرار دیا اور کہا کہ حج کا آغاز بہت شاندار انداز میں ہو رہا ہے۔ ان کے سامنے صرف ایک مسئلہ تھا اور وہ یہ کہ انھیں وہیل چیئر پر حج کرنا تھا۔ گرمی شدید تھی لیکن آندھی اور بارش نے موسم کو کچھ معتدل کر دیا۔ نویں ذی الحجہ کو جب وہ عرفات کے

میدان میں تھے تو انھوں نے اپنے سر پر ایک چھتری تان رکھی تھی۔ وہ پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔ حج پر آنے والوں کو ان کا مشورہ ہے کہ وہ جب بھی آئیں پوری تیاری کے ساتھ آئیں۔ انھوں نے اس بات کی نشاندہی کی کہ حج میں مشکلات آتی ہیں۔ دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا حجاج کو چاہیے کہ وہ بھی حکومت کی کوششوں میں صبر کے ساتھ ہاتھ بٹائیں۔

صحت کی عالمی تنظیم ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن یعنی WHO نے حجاج کی صحت کا بہترین انداز میں خیال رکھنے پر سعودی حکومت اور بالخصوص وزارت حج وعمرہ کی ستائش کی۔ تنظیم کے ڈائرکٹر جنرل ڈاکٹر ٹیڈروس ادھانوم گیبریس DR. Tedros Adhanom Ghebrysus نے مذکورہ وزارت کی کوششوں کو ممتاز اور شاندار قرار دیا۔ اس سے قبل سعودی عرب کے وزیر صحت ڈاکٹر توفیق الربیعہ نے بتایا کہ امسال کا حج سیزن وبائی امراض سے بالکل پاک رہا۔ ۱۶ لاکھ حاجیوں کی سعودی عرب میں داخل ہوتے ہی میڈیکل جانچ کی گئی۔ جبکہ تین لاکھ ساٹھ ہزار سعودی حاجیوں کو پولیو کی دوا پلائی گئی اور چار لاکھ ساٹھ ہزار کو فلو اور مینجائٹس کے ٹیکے لگائے گئے۔ مکہ کے گورنر خالد الفیصل کے مطابق حج کے دوران ۳۲ ہزار ڈاکٹر تعینات کیے گئے۔ پانچ ہزار بستروں کے ساتھ پچیس اسپتالوں میں حجاج کا علاج کیا گیا۔ اس کے علاوہ وزارت کی جانب سے ۱۲۷/ایمرجنسی مراکز اور ۱۵۳/صحت مراکز قائم گئے تھے جو کہ مذکورہ صحت سہولتوں کے علاوہ تھے۔

حج کے دوران ولادت

حج پر آنے والی بہت سی خواتین حمل سے تھیں۔ مکہ میں مقیم ایک ماہر امراض خواتین ڈاکٹر نگہت عرفانہ نے ایسی خواتین کو صحت کے تعلق سے مفید مشورے دیے۔ انھوں نے کہا کہ چونکہ حج جسمانی مشقت کا تقاضا کرتا ہے اس لیے حاملہ خواتین پابندی کے ساتھ اپنی دوائیں لیں۔ شوگر کے مریض ڈاکٹر کی پرچی ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں۔ حج کے دوران

حاملہ خواتین قبل از وقت اسقاط، قبل از وقت دردزہ اور بروقت دردزہ اور دیگر مسائل سے دوچار ہوتی ہیں۔ انھوں نے خواتین کو مشورہ دیا کہ وہ ماہواری کو مؤخر کرنے کی دوائیں لینے کے سلسلے میں بہت محتاط رہیں۔ ایسی دوائیں ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر نہ لیں۔ ڈاکٹر عرفانہ مکہ کے ایک زچہ بچہ اسپتال میں خدمات انجام دے رہی ہیں۔ وہ دو بار عرفات کے اسپتال میں بھی حجاج کی خدمت کر چکی ہیں۔ انھوں نے ایک اخبار سے بات کرتے ہوئے کہا کہ سعودی عرب کی حکومت نے حجاج کو بہترین طبی خدمات فراہم کی ہیں اور اللہ کے مہمانوں کی خدمت پر انھیں فخر ہے۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق حج کے دوران سات بچوں کی ولادت ہوئی۔ ان سیکورٹی جوانوں نے جو حجاج کے تحفظ اور خدمات میں مصروف رہے، دایا کی بھی خدمات انجام دیں۔

کھو جانے کے واقعات

حج کے دوران جہاں بہت سے معمر افراد لاپتہ ہو جاتے ہیں وہیں بہت سے بچے بھی کھو جاتے ہیں۔ حالانکہ حجاج اپنے بچوں کے تئیں فکرمند رہتے ہیں اور ان کو ہمیشہ اپنے ساتھ ہی رکھتے ہیں لیکن بعض اوقات زبردست بھیڑ کی وجہ سے ان کی انگلیاں بچوں کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتی ہیں۔ حج کے ابتدائی دو دنوں میں گیارہ بچے اپنے والدین سے بچھڑ گئے یعنی منیٰ میں کھو گئے۔ گمشدہ بچوں کی دیکھ بھال کے مرکز کے سپروائزر لینا ابوزنادہ کے مطابق کوموروس کی ایک جن روتے ہوئے مرکز پر آئیں اور انھوں نے بتایا کہ صبح سے ہی ان کا بچہ کھویا ہوا ہے۔ وہ لوگ ایک مسجد میں نماز ادا کر رہے تھے کہ ان کے شوہر بھی لاپتہ ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ پولیس اسٹیشن میں وہ زیادہ محفوظ رہیں گی لہٰذا وہ وہیں پناہ لینا چاہتی تھیں۔ ہم نے انھیں کسی طرح خاموش کرایا اور ہماری کوششوں سے چند گھنٹے کے بعد ان کے ملک کے سفارت خانہ کے افراد آئے اور انھیں اپنے ساتھ لے گئے۔

انھوں نے بتایا کہ ہم سب سے پہلے کھو جانے والوں کی تفصیلات حاصل کرتے ہیں پھر انھیں اپنے فیلڈ ایجنٹوں کو پاس کرتے ہیں۔ بالآخر وہ لاپتہ لوگوں کو ڈھونڈ لیتے

ہیں۔ انھوں نے مزید بتایا کہ لاپتہ بچوں کو جب ان کے مرکز میں لایا جاتا ہے تو وہ پوری تندہی کے ساتھ ان کے اہل خانہ کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ابوزنادہ نے بتایا کہ ان کے مرکز میں بعض ایسے بچے بھی آئے جو ہسٹیریائی انداز میں چیخ چلا رہے تھے اور اس شخص کو چھوڑنے کو راضی نہیں تھے جو ان کو وہاں لے کر آیا تھا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ سب سے کم عمر لاپتہ بچہ جو ان کے مرکز میں آیا پانچ سال کا تھا اور زیادہ عمر کا بچہ بارہ سال کا تھا۔ ان کے پاس ایسے ماہرین کی ٹیم ہے جس کے کارکن بچوں سے عربی، انگریزی اور اردو میں بات کرنے کے علاوہ اشاروں کنایوں میں بھی بات کرتے ہیں اور تفصیلات معلوم کر کے ان کو ان کے والدین کے حوالے کرتے ہیں۔ وہ بعض اوقات سڑکوں پر صفائی ملازمین سے بھی رابطہ کرتے ہیں اور ان کی مدد سے بچوں کو ان کے والدین تک پہنچاتے ہیں۔

سعودی عرب ایمرجنسی فورسز کے ایک رکن محمد الشیدی نے جو کہ حفر الباطن سے آئے ہوئے ہیں اپنا پورا وقت جمرات میں حجاج پر پانی اسپرے کرنے میں لگایا۔ ان کا کہنا ہے کہ حاجیوں کی خدمت کرنا ان کے لیے اعزاز کی بات ہے۔ سول ڈیفنس کے خالد الجراشی نے بتایا کہ ان کی ٹیم ۷۰ رضاکاروں پر مشتمل ہے جو کہ حاجیوں کی مدد کے لیے غزان سے آئی ہے۔ انڈونیشیا کی ججن جمیلہ نے اسپیشل ایمرجنسی فورسز کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ منیٰ میں ان کی والدہ کی ہتھیلی میں کریک آگیا تھا جس کے بعد فورسز کے جوانوں نے انھیں وہیل چیئر پر صحت مرکز تک پہنچایا۔

پاکستان کے اویس کے مطابق حج کے دوران سب سے تکلیف دہ صورت حال گرمی کی تھی۔ لیکن جس طرح امدادی کارکنوں نے پانی کی بوچھاریں چھوڑیں اور پھواریں ماریں وہ بہت ہی آرام دہ تھیں۔ اس سے کچھ دیر کے لیے گرمی سے نجات مل جاتی تھی اور اس زبردست بھیڑ اور اگست کی شدید گرمی میں راحت کا سامان ہو جاتا تھا۔

سینیگال کی نبیلہ کہتی ہیں کہ انھوں نے یہ تو سنا تھا کہ حج کے دوران زبردست انسانی خدمت انجام دی جاتی ہے لیکن ان کو معلوم نہیں تھا کہ کتنے لوگ اس میں مصروف رہتے

ہیں۔ لیکن اب محسوس ہوا کہ آپ جیسے ہی سعودی عرب کی سرزمین پر قدم رکھتے ہیں آپ کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہاں کی حکومت دنیا کے مسلمانوں کی کس طرح شاندار خدمت انجام دے رہی ہے۔

انگلینڈ کے ۳۲؍سالہ بلال نے دوسری بار حج کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ حرم شریف میں جو توسیع کی گئی ہے اس سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا ہوں۔ جب اس سے قبل میں یہاں آیا تھا تو میری عمر پندرہ سال تھی۔ لیکن اب تو یہاں کی شکل وصورت ہی بدل گئی ہے۔

کراچی پاکستان کے ایک حاجی محمد عامر سرکی سے ہماری ملاقات مطاف میں ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ وہ دوسری بار حج کر رہے ہیں اور اس بار انھوں نے جو خدمات دیکھی ہیں وہ بے مثال ہیں۔ انھوں نے بھی سعودی حکومت کے انتظامات کی ستائش کی۔

امسال حج کی میڈیا کوریج بڑے پیمانے پر ہوئی ہے۔ وزیر اطلاعات ونشریات ڈاکٹر العواد بن صالح العواد کے مطابق حج کی میڈیا کوریج ۱۰۰؍ملکوں تک پہنچی ہے اور تین کروڑ بیس لاکھ افراد نے حج کوریج کا مشاہدہ کیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ بہتر حکمت عملی کے ساتھ ہونے والی کوریج کی وجہ سے اس معاملے کو سیاسی رنگ دینے اور کسی بھی قسم کی سازش کو ناکام کرنے میں کامیابی ملی۔ حج کی تفصیلات لوگوں تک پہنچانے کے لیے ایک ویب سائٹ بنائی گئی۔ بہتر حکمت عملی کی وجہ سے ٹویٹر پر ۱۸؍ارب امپریشن درج ہوئے۔ حج کی سرگرمیوں میں مصروف ۷۵؍اداروں کے بارے میں رپورٹنگ کی گئی۔

تصویر کا دوسرا رخ

یہ تو تھے وہ تاثرات وخیالات جو سرکردہ حجاج اور ان کے علاوہ حجاج کی خدمت میں مصروف افراد، اداروں اور ذمہ داروں کے تھے۔ اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیں۔ آیئے ہم یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ انتظامات کی حقیقی صورت حال کیا تھی۔ کیا واقعی سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا کہ مذکورہ بیانوں میں بتایا گیا یا اس سے کچھ مختلف

بھی تھا۔ کیا سب کے ساتھ انتظامیہ کا وہی رویہ تھا جو مذکورہ شخصیات کے ساتھ رہا۔ ہم فی الحال منیٰ کے خیموں کی بات کرتے ہیں۔ منیٰ میں پاکستان، ایران، ترکی اور بعض دیگر ملکوں کے خیموں میں شاہانہ انتظامات تھے۔ داخلی حجاج یعنی سعودی عرب کے حاجیوں کے لیے بھی بہترین انتظامات تھے۔ لیکن ہندوستانی خیموں کے انتظامات انتہائی ناقص اور تکلیف دہ تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ دوسرے حاجی اول درجے کے شہری اور ہم سوئم درجے کے شہری ہیں۔

خیموں کا انتظام متعلقہ ملکوں کی حج کمیٹیاں اور معلم کے ادارے کرتے ہیں۔ معلم کو یہاں مطوِف کہتے ہیں۔ ایک ایک معلم کے تحت کئی کئی عمارتیں ہوتی ہیں اور ایک ایک عمارت میں کئی کئی سو حاجی قیام کرتے ہیں۔ ہمارے معلم عبدالوہاب حامد عبدالرحمٰن بدر کے ذمہ کئی بلڈنگیں تھیں۔ ان کے اوپر ۳۸۰۰ رحجاج کے منیٰ وعرفات میں قیام، خورد نوش اور آمد ورفت کے بندوبست کی ذمہ داری تھی۔ اس طرح ایک ایک مطوف یا معلم کے تحت کئی کئی ہزار حجاج ہوتے ہیں۔ ہم لوگوں کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ ہم ۷ار اگست یعنی ۷ر ذی الحجہ کو بعد نماز عشا تیار رہیں۔ اسی وقت ہم کو منیٰ لے جایا جائے گا۔ لیکن رات بھر انتظار کرتے رہے کوئی لینے نہیں آیا۔ بالآخر نماز فجر کے بعد بس آئی اور لوگوں سے منیٰ چلنے کو کہا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ لوگ آئے تھے لیکن چونکہ لابی میں کوئی موجود نہیں تھا اس لیے وہ لوگ واپس چلے گئے۔ لابی میں اس لیے کوئی موجود نہیں تھا کہ حاجیوں کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ تیار ہو کر اپنے اپنے کمروں میں رہیں اور ہو سکے تو سو جائیں کیونکہ یہ بتانا مشکل ہے کہ واقعتاً بس کس وقت آئے گی۔

بہرحال اس طرح ہم لوگ صبح سات بجے کے آس پاس خیموں میں پہنچے۔ فوراً ناشتہ دیا گیا۔ باہر خیموں کے درمیان واقع گلیوں میں برف والے پانی کے بڑے بڑے کین اور چائے کے اسٹیل کے کین رکھ دیے گئے۔ پانی سے عجیب سی بو آتی رہی۔ چائے کے لیے مارا ماری کا عالم تھا۔ خیر اللہ اللہ کر کے ناشتے اور پھر کھانے سے فراغت حاصل کی گئی۔

اس سے پہلے کہ ہم منیٰ کے کھانوں کا ذکر کریں خیموں کی صورت حال بتا دینا

ضروری سمجھتے ہیں۔ پہلے ایک خیمے میں عورتوں کو پہنچایا گیا اور اس کے بعد ایک خیمے میں مردوں کو۔ عام طور پر ایک عمارت کے مردوں اور عورتوں کے خیمے آمنے سامنے تھے۔ لیکن ہماری عمارت کے مردوں اور عورتوں کو دور دور رکھا گیا۔ خیموں کے درمیان کی گلیاں اتنی تنگ تھیں کہ مشتاق یوسفی مرحوم کا وہ معرکہ آرا جملہ یاد آتا رہا کہ ایسی تنگ گلیوں میں اگر ایک طرف سے مرد اور دوسری طرف سے عورت آ رہی ہو تو نکاح کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ نہیں ہوتا۔ ہم لوگوں کو چونکہ اپنے بچوں کی بھی خیریت لینی ہوتی تھی لہٰذا ایسی صورت حال سے بار بار گزرنا پڑا۔ خیموں کے درمیان عام راستے بھی بہت تنگ تھے اور انہی راستوں پر پانی اور چائے کے کین بھی براجمان ہوتے اور کوڑے کے ڈھیر بھی۔ جگہ جگہ گندا پانی جمع رہتا اور اگر کوئی بچ کر نہ چلتا تو اس کے کپڑے خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا۔

قبر سے بھی کم جگہ

خیمے کے اندر گئے تو وہاں کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ چوڑے اسفنج کے گدے یوں ملا ملا کر بچھائے گئے تھے کہ ان کے درمیان سوئی بھی نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ ایک حاجی کے حصے میں ایک گدا تھا۔ ہر گدے پر ایک انتہائی گندی سی چادر رکھی ہوئی تھی جس کے روئیں جھڑ جھڑ کر کپڑوں میں چپک رہے تھے۔ ایک خیمے میں بمشکل پچاس افراد کی گنجائش تھی لیکن اس میں ڈیڑھ دو سو حاجیوں کو ٹھہرایا گیا۔ اور طرفہ تماشہ یہ کہ اسی حالت میں پانچ روز قیام کرنا ہے۔ جب سارے گدوں پر حاجی براجمان ہو گئے اور وہ بھی دو سفید چادروں میں تو ایسا محسوس ہوا کہ ہم لوگ انسان نہیں بلکہ وہ Broiler Chicken یعنی مرغ ہیں جن کو جالیوں والے بکسوں میں ٹھونس دیا جاتا ہے اور پھر بوقت ضرورت انھیں ذبح کیا جاتا ہے۔ مرغ تو ایک ہی بار ذبح کیے جانے کی اذیت سے گزرتے ہیں مگر ہم لوگوں کے سامنے تو ایسے مراحل بار بار آتے رہے۔ مزید ستم ظریفی یہ کہ گدے ہی پر آپ کو ناشتہ بھی کرنا ہے، کھانا بھی کھانا ہے، چائے بھی پینی ہے، نماز بھی ادا کرنی ہے، اپنا سامان بھی رکھنا ہے، اپنے چپلوں کے رکھنے کا بھی انتظام کرنا ہے اور سونا

بھی ہے۔ جگہ اتنی کم کہ کروٹ لینے پر اپنے پڑوسی پر چڑھ جانے کا اندیشہ الگ۔ بقول بشیر بدر:

زندگی تو نے مجھے قبر سے کم دی ہے زمیں
پاؤں پھیلاؤں تو دیوار سے سر لگتا ہے

یہاں صورت حال یہ ہے کہ ہمارے پیر دوسرے حاجیوں کے سر سے لگ رہے ہیں۔

ہم جب پہلی بار اپنے خیمے کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہیں سامنے ہی ٹوائلٹ اور وضو خانہ ہے۔ لیکن کچھ دیر کے بعد جب فراغت کے لیے وہاں گئے تو وہاں کا انتظام بدل گیا۔ ہم نے دیکھا کہ اس کے سامنے باڑ لگا کر اس کا راستہ روک دیا گیا ہے اور ہمارے خیمے کے برابر سے جانے والی گلی کے آخری سرے پر کچھ اور خیمے نصب ہیں اور یہ مخصوص انتظام ان لوگوں کے لیے کیا گیا ہے۔ وہ ترک حاجیوں کے خیمے تھے۔ یعنی ان کے ٹوائلٹ کا انتظام ہمارے خیمے سے متصل ہے۔ یہاں خونخوار قسم کے حبشی نوجوانوں کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے تاکہ کسی دوسرے خیمے کا کوئی حاجی حمام میں دراندازی نہ کر بیٹھے۔ ہم نے بارہا دیکھا کہ کسی حاجی صاحب کو پیشاب کی زبردست حاجت ہے اور وہ چوکیدار سے فریاد کر رہے ہیں مگر وہ انتہائی سختی سے روک دیتا ہے اور دوسری طرف جانے کا اشارہ کرتا ہے۔ کئی حاجی صاحبان ان سے لڑنے پر آمادہ ہیں۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو ان بے چارے پہرے داروں کی کیا خطا۔ خطا تو ایسا انتظام کرنے والوں کی ہے۔ یہیں برابر میں ترک حاجیوں کے لیے دستر خوان بچھانے کی جگہ ہے جہاں ان کو کھانا پیش کیا جاتا ہے۔ دن بھر ہم لوگوں کے صبر و ضبط کا امتحان اس طرح لیا جاتا ہے کہ ہمیشہ روسٹیڈ چکن کی مہک آ آ کر ہمارے نتھنوں میں گھس رہی ہے اور ہم لوگ ہونٹوں پر زبان پھیر پھیر کر اور دل مسوس مسوس کر وقت گزارنے پر مجبور ہیں۔

بریانی ہے یا پراٹھا، سمجھنا مشکل

اب ہم لوگوں کے کھانے کا قصہ سن لیجیے۔ یہ ۱۹/ اگست کی رات کے کھانے کا

واقعہ ہے۔ دن میں تو دال روٹی دی گئی اور رات میں ایک ایک پیکٹ تھمایا گیا۔ پیکٹ کھولنے پر یوں لگا کہ یہ کوئی پراٹھا ہے۔ لیکن ہاتھ لگانے کے بعد اندازہ ہوا کہ نہیں یہ تو چاول ہے جسے بریانی بتایا گیا۔ چاول کے دانے ایک دوسرے سے چپک کر پراٹھے کی شکل بنا رہے ہیں۔ ایک حاجی صاحب نے اسے پکڑ کر اٹھایا تو چپکے ہوئے چاول روٹی کی مانند اوپر اٹھ گئے۔ یہ ریڈی میڈ بریانی ہے جس میں گوشت کے انتہائی باریک ٹکڑے ہیں۔ اس میں سے عجیب سی بو آ رہی ہے۔ کوالٹی انتہائی گھٹیا ہے۔ ہم نے بمشکل دو لقمے کھائے۔ اس کھانے پر ہنگامہ شروع ہو گیا۔ ہماری بلڈنگ میں دہلی سے شائع ہونے والے ہندی روزنامہ شاہ ٹائمز کے بیورو چیف جناب مطلوب رانا بھی ہیں۔ اتفاق سے ان کا نام نہاد بستر ہمارے برابر میں ہے۔ ہم نے ان سے اور اپنے روم پارٹنر جناب قمرالدین قریشی سے مشورہ کیا اور اس کھانے پر احتجاج کا فیصلہ کیا۔ مطلوب صاحب نے ویڈیو بنایا اور کچھ لوگوں کے بیانات لیے۔ پیکٹ کی تصویریں بھی لی گئیں۔ یہ کھانا دہلی میں ۹؍جولائی کو پیک کیا گیا تھا اور اسے ۱۹؍اگست کو حاجیوں کو کھلایا جا رہا تھا۔ تصویروں، بیانوں اور ویڈیو کا ایک پیکج بنا کر مختلف وہاٹس ایپ گروپوں، حج کمیٹی آف انڈیا اور دہلی حج کمیٹی کے ذمہ داروں اور دیگر اداروں کو ارسال کر دیا گیا۔ چند لمحوں کے اندر یہ پورا معاملہ وائرل ہو گیا۔ پھر تو مردوں کے خیمے سے بھی آوازیں اٹھیں اور عورتوں کے خیمے سے بھی۔ بڑی تعداد میں مرد و خواتین مطبخ پر جمع ہو گئے اور ہنگامہ شروع ہو گیا۔ پہلے تو معلم کے ذمہ داروں نے ہمیں دھونس میں لینے کی کوشش کی۔ مگر حاجیوں کے تیور دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ دہلی حج کمیٹی کے سی ای او جناب اشفاق عارفی کا میسج ہمارے پاس آیا۔ انھوں نے پوچھا کہ اس میں کیا صداقت ہے اور کیا آپ اس پورے معاملے کے شاہد ہیں۔ ہم نے ان کو بتایا کہ ہم نہ صرف شاہد ہیں بلکہ اس ہنگامے کا حصہ بھی ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اس معاملے کو سعودی حکومت کے متعلقہ اداروں تک پہنچایا گیا ہے اور ان شاء اللہ معاملہ حل ہو جائے گا۔ معلم کے لوگوں نے بتایا کہ یہ کھانا انڈیا سے آنے والے حج کمیٹی کے افسران نے منظور کیا تھا۔ لیکن جناب اشفاق عارفی نے ہم کو بتایا کہ

کھانے کے معاملے میں زیادہ دخل سعودی حکومت اور معلم کا ہوتا ہے۔

بہر حال یہ معاملہ کافی دور تک چلا گیا اور پھر انڈین حج مشن اور خود سعودی حکومت میں طوفان برپا ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد سعودی عرب کی وزارت صحت کے فوڈ انسپکٹر نے آ کر کھانے کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد ہوا یوں کہ اس کھانے کو روک دیا گیا۔ جن خیموں میں تب تک کھانا نہیں پہنچا تھا وہاں کے لوگ انتظار کر رہے تھے۔ ہمارے ایک دوست نے ہمیں فون کیا کہ رات کے گیارہ بج گئے ہیں ابھی تک کھانا نہیں آیا۔ ہم نے ان کو سارا واقعہ بتایا اور کہا کہ بازار سے کھانا لے کر کھا لیں کیونکہ اب کھانا نہیں آئے گا اور اگر آئے گا بھی تو بہت تاخیر سے آئے گا۔ بہر حال ہم تو سو گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بارہ بجے کے آس پاس بہت اچھا کھانا پیش کیا گیا۔ اس کے بعد کھانے کی کوالٹی میں رفتہ رفتہ بہتری آنے لگی اور آخری دن تک کھانا بہت اچھا دیا گیا۔

معلم کا دفتر سرگرم

اس واقعہ کے بعد معلم کا دفتر متحرک ہو گیا۔ کچھ نوجوانوں کو عورتوں کے خیمے میں فیڈ بیک لینے کے لیے بھیجا گیا اور ان سے یہ لکھوانے کی کوشش کی گئی کہ کھانا ٹھیک تھا۔ لیکن جب کچھ خواتین نے موبائل فون سے ان کی تصویر لینے کی کوشش کی تو وہ رفو چکر ہو گئے۔ غیر مصدقہ اطلاع کے مطابق یہ معاملہ کافی اچھل گیا ہے اور حکومت کی جانب سے معلم کے خلاف جانچ کا حکم دے دیا گیا ہے۔ معلم کے بعض کارکنوں نے بتایا کہ اس خاندان میں یہ خدمت ڈیڑھ سو برسوں سے انجام دی جا رہی ہے۔ غالباً اسی وجہ سے ان میں غیر ذمہ داری آ گئی ہے۔

ہم لوگ عرفات میں غروب آفتاب کے بعد معلم کے دفتر کے باہر تھے۔ اسی دوران ایک تنومند نوجوان آیا۔ اس نے بتایا کہ وہ معلم کے دفتر سے ہے۔ وہ اردو بول رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کے والدین ہندوستانی ہیں۔ اس کا نام عمران اسکندر ہے۔ اس کے مطابق ”کھانا ہندوستانی افسران نے طے کیا تھا۔ حالانکہ معلم اس کھانے کے لیے تیار

نہیں تھے۔ انھوں نے اسے ہمارے گھر پکوایا اور ہماری والدہ کو کھلایا۔ ہم نے بھی کھایا۔ ہم لوگوں کو کھانا اچھا لگا۔ اس کے باوجود معلم اس پر راضی نہیں تھے۔ دو دو بار کھانے کا تجربہ کیا گیا۔ بہر حال اب اسے روک دیا گیا ہے جو کہ معلم کے سرد خانے میں پڑا ہوا ہے"۔ عمران اسکندر کے مطابق "کھانا روک دینے کی وجہ سے معلم کو پانچ لاکھ ریال کا نقصان ہوا ہے"۔

ایک رات کھانے سے قبل قونصل جنرل جناب نور الرحمٰن شیخ، قونصل حج اور ڈپٹی قونصل جنرل جناب شاہد عالم اور انڈین حج مشن کے ایک اہلکار جناب محمد یونس اعظمی خیموں میں آئے اور انھوں نے مطبخ کے ذمہ داروں سے کہا کہ حاجی صاحبان جو کھانا چاہیں وہ کھانا انھیں پیش کیا جائے۔ اتفاق سے شاہد عالم ہم سے ٹکرا گئے۔ ہم نے اپنا تعارف کرایا تو انھوں نے پہچان لیا اور کہا کہ آپ وہی سہیل انجم ہیں جنھوں نے ڈاکٹر سے متعلق شکایت کی تھی۔ ہم نے اثبات میں جواب دیا تو یونس اعظمی نے کہا کہ ہم نے بھی وہ رپورٹ پڑھی تھی۔ شاہد عالم نے ہی ہمیں بتایا کہ مطبخ کے ذمہ داروں کو بہتر کھانا دینے کی ہدایت دی گئی ہے۔

اس ہنگامے کے بعد معلم کے دفتر سے یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ حاجی صاحبان بہتر رپورٹ دے دیں۔ ایک شام ان کے دفتر کے دو ذمہ دار ہماری بلڈنگ میں آئے اور انھوں نے ہم لوگوں سے درخواست کی کہ کچھ مثبت بیان دے دیں۔ خیر ہم لوگوں نے اپنا بیان ریکارڈ کرا دیا اور ایک تحریر بھی دے دی کہ پہلے دن تو کھانا ناقص تھا لیکن احتجاج کے بعد کھانے کی کوالٹی بہتر کر دی گئی۔ البتہ منیٰ میں رہائش اور بسوں کا انتظام اطمینان بخش نہیں تھا۔ ہاں عزیزیہ سے حرم لے جانے کے لیے بسوں کا معقول انتظام ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ معلم سے یہ خدمت چھن جانے کا خطرہ ہے۔ واللہ عالم بالصواب۔ قونصل جنرل آف انڈیا نے بھی ہماری بلڈنگ کا دورہ کیا اور حجاج سے گفتگو کی۔ قونصلیٹ جنرل آف انڈیا جدہ کی جانب سے چار صفحات پر مشتمل ایک فارم پُر کرنے کے لیے حاجیوں کو دیا گیا جس میں ٹِک مارک کر کے انتظامات کے بارے میں اپنی رائے دینی ہے۔

حج انتظامات کی کہانی
کچھ عام حجاج کی زبانی

آیئے کچھ عام حجاج کے خیالات و تاثرات جان لیتے ہیں کہ وہ حج انتظامات کے بارے میں کیا کہتے ہیں:

پروفیسر عارف علی

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ بایو سائنس میں استاد پروفیسر عارف علی نے بتایا کہ جب انھوں نے حج کا فارم پُر کیا تھا تو لوگوں نے حج میں مشکلات کا حوالہ دیا تھا۔ مشکلات تو آئیں البتہ اتنی نہیں جتنی مشکلات کا اندیشہ تھا۔ یعنی: کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار، اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ روانگی کے وقت سے ہی آئندہ پیش آنے والی دقتوں کا مبہم سا اندازہ ہو گیا تھا۔ مدینہ منورہ پہنچے تو دیکھا کہ ایک ایک کمرے میں پانچ پانچ چھ چھ افراد کو ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ سوچا ہی نہیں گیا کہ اس طرح لوگوں کو کیا دشواریاں ہو سکتی ہیں۔ خیر مکہ مکرمہ آئے تو یہاں بھی رہائش کے سلسلے میں کافی شکایتیں سامنے آئیں۔ البتہ ہماری بلڈنگ کا معاملہ اتنا ناقص نہیں تھا جتنا کہ دوسری بلڈنگوں کا تھا۔ لیکن جب ہم منیٰ پہنچے تو پتہ چلا کہ یہاں تو سسٹم نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ پچاس ساٹھ افراد کے خیمہ میں ۱۷۰ اور ۱۸۰ افراد کو رکھ دیا گیا۔ ہم نے ایک گوشے میں جگہ لی جسے بعد میں ہم نے گوشۂ عافیت قرار دیا۔ لیکن وضو، استنجا، فراغت اور چائے کے لیے لوگوں کے بستروں پر سے اور اگر لوگ سوئے ہیں تو ان کے جسموں کو

پھلانگتے ہوئے جانا پڑتا۔ گدوں پر پیر پھسل بھی جاتا۔ لیکن کھانے کا موقع آیا تو جناب اور بھی برا حال۔ ہم لوگوں نے بستروں پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ پلاسٹک اور گتے کے برتنوں کو سمیٹنے کے لیے کوئی نہیں آیا۔ خود ہی لے جا کر باہر پھینکیے۔ انہی بستروں پر نماز بھی پڑھی گئی۔ کھانے کی کوالٹی نہایت خراب۔ وہ تو جب ہنگامہ ہوا تب کوالٹی بہتر کی گئی۔ ٹوائلٹ میں کوئی صفائی ستھرائی نہیں۔ کوڑا اس قدر کہ خیمے سے باہر نکلیے تو دروازے پر کوڑے کا انبار ہے، پاؤں رکھنے کی جگہ ہی نہیں۔

ڈاکٹر عارف علی نے ذمہ داروں پر سخت تنقید کی اور کہا کہ ان کے پاس انتظامات کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ اگر یہی سب کرنا تھا تو پھر ان لوگوں کی کیا ضرورت ہے۔ مکہ و مدینہ میں ہندوستانی افسران کیا کر رہے ہیں۔ ان کا کیا مصرف ہے۔ جب ہر چیز ہمیں خود کرنی ہے تو پھر ان کی موجودگی کا کیا مطلب۔ میں سمجھتا ہوں کہ حج مشن میں اچھے افسران تعینات کیے جانے چاہئیں۔ ہمارے ساتھ جو خدام الحجاج آئے ہیں وہ بھی بے مصرف ہیں۔ وہ تو خود اپنے حج میں مصروف ہیں۔ ان کو حج کرنے کی اجازت کس نے دی۔ ان کی کیا ڈیوٹی تھی۔ انھوں نے اپنی ڈیوٹی کیوں نہیں نبھائی۔ ان کا کام تو حجاج کی خدمت کرنا یا مدد کرنا ہے۔ لیکن کسی بھی خادم الحجاج کا کچھ پتہ نہیں۔ ان کے مطابق پاکستانی رضا کار ہندوستانی رضا کاروں سے کہیں بہتر کام کر رہے تھے۔

یہ تمام باتیں متعلقہ ذمہ داروں تک پہنچنی چاہئیں تا کہ آئندہ جو حاجی آئیں وہ ان مراحل سے نہ گزریں جن سے ہم گزر کر آرہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حج مشکل ہے۔ حاجی کو صبر سے کام لینا چاہیے۔ لیکن حاجیوں کے صبر کا امتحان لینا کوئی اچھی بات نہیں۔ جو لوگ مشکلات میں کمی کرنے کے لیے بٹھائے گئے ہیں وہ ان میں کمی کرنے کے بجائے اضافہ کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حجاج جب واپس وطن پہنچیں تو وہ خطوط اور دیگر ذرائع سے ذمہ داروں تک صورت حال کو پہنچائیں تا کہ پورے سسٹم کی اوور ہالنگ ہو۔ اس کے ساتھ ہی اقلیتی امور کے وزیر تک بھی بات پہنچے تا کہ وہ اس جانب توجہ دیں۔ البتہ ڈاکٹر عارف علی نے عرفات کے انتظامات کو اطمینان بخش قرار دیا۔

مولانا محمد مقیم فیضی

ممبئ جمعیت اہلحدیث کے نائب امیر مولانا محمد مقیم فیضی نے کہا کہ سعودی حکومت کی جانب سے تو کوئی کمی نہیں ہے لیکن ان کا مینجمنٹ بہت کمزور ہے جس کی وجہ سے حجاج کو پریشانیاں ہوتی ہیں۔ منیٰ میں خیموں کا انتظام ناقص ہے۔ کھانوں کا معیار بھی بہت خراب ہے۔ کھانوں کی تقسیم کا نظام بھی معقول نہیں ہے۔ اگر کھانوں کے لیے الگ ڈائننگ ہال نہ بھی ہو تو کم از کم ان کی تقسیم کا تو باعزت طریقہ ہو۔ ہر شخص ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑ رہا ہے۔ جیسے کہ لوگ بھیک مانگ رہے ہوں۔ ان کو چاہیے تھا کہ کھانا لینے کے لیے لائن بنوا دیتے۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ عرفات جانے کے لیے یہ نہیں بتایا گیا کہ بس کہاں ملے گی۔ بسوں کی تعداد بھی بہت کم۔ کافی تاخیر سے کوئی بس آتی تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑتے۔ عرفات میں جب لے گئے تو معلم کے لوگوں کو ہی پتہ نہیں تھا کہ ان کا خیمہ کہاں ہے۔ گھنٹوں پریشان رہے۔ لوگ دھوپ میں تپتے رہے۔ بڑی مشکلوں سے خیمہ ملا۔ حالانکہ وہاں ہر چیز موجود تھی لیکن کوآرڈینیشن کی کمی تھی۔ مزدلفہ میں کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں تھا۔ حاجی کہاں جائیں کیا کریں کچھ بتانے والا کوئی نہیں تھا۔ بہت سے لوگ اپنا پیسہ خرچ کر کے ٹیکسی لینا چاہتے تھے تاکہ انھیں پیدل منیٰ نہ جانا پڑے۔ لیکن کوئی ٹیکسی نہیں۔ وہاں تو حاجیوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا۔

مولانا مقیم فیضی نے یہ بھی کہا کہ ٹرین کا انتظام اچھا ہو سکتا ہے اگر اس پر اور کام کیا جائے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ ٹرینوں کی لائنوں اور گاڑیوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ خیمہ بندی ایسے کی جائے کہ کسی حاجی کو ٹرین کے لیے ایک کلومیٹر سے زیادہ نہ چلنا پڑے۔ خیموں کے درمیان میں لائنیں ہونی چاہئیں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ٹرینوں کو معلمین کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ صرف انہی کے لوگ ان میں سوار ہو سکتے ہیں۔ جبکہ ٹرینیں تو تمام حاجیوں کے لیے ہونی چاہئیں۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ سعودی حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنے لوگوں کو خیموں میں بھیج کر سروے کرائے اور خوبیوں

اور خامیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ انھوں نے کہا کہ نقل وحمل کا شعبہ بہت کمزور ہے۔ کئی ایسے شعبے ہیں جن میں اصلاحات کی ضرورت ہے۔ مولانا فیضی نے مزید کہا کہ ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ نئے نئے لوگوں کو ٹرینڈ کرنے کے مقصد سے مختلف شعبوں میں لگایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے کام خراب ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو ٹرینڈ کرنے کے لیے پرانے افراد کے تجربات سے کام لیا جانا چاہیے۔ انھوں نے سیکورٹی جوانوں کے بارے میں کہا کہ وہ صرف عربی جانتے ہیں جس کی وجہ سے دوسری زبان جاننے والوں کی مدد نہیں کر پاتے۔ پولیس اور سیکورٹی میں دوسری زبانیں جاننے والوں کو بھی رکھا جانا چاہیے۔ پولیس لوگوں کو منیٰ اور جمرات پر کھڑا نہیں ہونے دیتی۔ اگر کوئی معمر شخص تھک گیا ہے تو وہ وہاں ستا نہیں سکتا۔ ان لوگوں کے پاس وسائل ہیں اگر منظم انداز میں کام کیا جائے تو ان مسائل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

مولانا عبدالرزاق عبدالغفار سلفی

دبئی سے آئے مولانا عبدالرزاق عبدالغفار سلفی نے بھی منیٰ اور مزدلفہ کے حالات کو غیر اطمینان بخش قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ مزدلفہ میں تو پینے کا پانی ہی نہیں تھا۔ حجاج کو سخت دشواریوں سے گزرنا پڑا۔ منیٰ میں حمام اور وضو خانے انتہائی کم تعداد میں ہیں۔ تقریباً دو ہزار افراد پر تیس حمام اور پانچ ٹونٹیاں ہیں۔ وضو خانے پر بھیڑ جان لیوا تھی۔ ان کے بقول میرا تجربہ ہے کہ ایک شخص کو فراغت میں تیس سے چالیس منٹ تک لگ جاتے تھے۔ صفائی کا کوئی نام ونشان نہیں۔ کوئی مہتر کہیں دکھائی نہیں دیا۔ بدبو سے دماغ پھٹنے لگتا اور طبیعت بے قابو ہو جاتی۔ دو ہزار حجاج کے لیے کم از کم سو حمام اور وضو کے لیے سو ٹونٹیوں کی ضرورت ہے۔ جہاں تک رہائش کا مسئلہ ہے تو ایک حاجی کے حصے میں ڈیڑھ فٹ سے بھی کم جگہ آئی تھی۔ اسی پر چلنا بھی ہے، کھانا بھی ہے، چپلیں بھی رکھنی ہیں اور سامان بھی رکھنا ہے۔ مولانا عبدالرزاق عبدالغفار نے کہا کہ منیٰ میں تو ایسا لگتا تھا کہ یہ انسان نہیں جانور ہیں اور ان کو کسی باڑے میں لا کر بند کر دیا گیا ہے۔ اس سے بہتر تو سعودی جیلیں

ہیں جہاں قیدی سکون سے سو لیتے ہیں اور اطمینان سے اجابت سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی سے کوئی شکایت کی جاتی تو کہتے ''حاجی صبر''، حج صبر کا نام ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انہی لوگوں کو حج کے مسائل معلوم ہیں باقی سب جاہل ہیں۔ انھوں نے ٹریفک نظام کو بھی غیر اطمینان بخش قرار دیا۔ ان کے مطابق ٹریفک کنٹرول کرنے والے سب غیر تربیت یافتہ تھے۔ بس ان کو سڑک پر چھوڑ دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ جاؤ ٹریفک کنٹرول کرو۔ وہ جہاں چاہتے ہیں راستہ بند کر دیتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں کھول دیتے ہیں۔ البتہ جمرات کے انتظامات اچھے تھے۔ آمد و رفت کے راستے الگ الگ تھے اور کافی کشادہ تھے۔ حرم شریف میں بھی حمام اور وضو خانوں کا نظم بہت اچھا ہے۔

قمر الدین قریشی

سندر نگری دہلی سے آئے قمر الدین قریشی نے کہا کہ ہر جگہ کا انتظام ٹھیک تھا لیکن منیٰ اور مزدلفہ کے انتظامات ٹھیک نہیں تھے۔ اگر کسی سے کچھ کہا جاتا تو جواب ملتا کہ حاجی صاحب صبر کیجیے۔ ارے بھائی کب تک صبر کریں۔ اگر صبر کرتے تو بھوکوں مرتے۔ منیٰ میں پہلے روز جو کھانا دیا گیا اسے تو انسان تو انسان جانور بھی نہیں کھا سکتا۔ حج صبر کا نام ہے لیکن صبر کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ البتہ انھوں نے عزیزیہ میں رہائش کی تعریف کی اور کہا کہ ہماری بلڈنگ میں کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ یہاں اگر کوئی مسئلہ ہے تو حارس سے کہیے فوراً شکایت دور کی جاتی تھی۔ یہ بلڈنگ بھی بہت کشادہ اور اچھی ہے۔ چار چار لفٹ لگی ہوئی ہیں، کبھی لفٹ کے لیے دھکا مکی نہیں ہوئی۔ انھوں نے جمرات کے انتظامات کی بھی تعریف کی اور کہا کہ یہاں کی پولیس حاجیوں کی بڑی خدمت کرتی ہے۔ یہاں کے لوگ بھی بہت خدمت کرتے ہیں اور صاحب خیر افراد بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں جو حاجیوں میں مفت کھانا پانی پھل اور دوسری چیزیں تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ انڈین حج مشن کی جانب سے جو ڈسپنسری اور اسپتال بنائے گئے ہیں وہاں بھی معاملہ اچھا ہے اور کارگر دوائیں دی جاتی ہیں۔

مطلوب رانا

دہلی سے شائع ہونے والے ہندی روزنامہ شاہ ٹائمس کے بیورو چیف جناب مطلوب رانا نے بتایا کہ منیٰ کے انتظامات اچھے نہیں تھے اور پہلے روز بہت خراب کھانا دیا گیا۔ لیکن جب ہم لوگوں نے احتجاج کیا تو کھانے کی کوالٹی بہتر کی گئی۔ انھوں نے پولیس نظام کی ستائش کی اور مختلف ملکوں سے جو رضا کار آئے ہوئے ہیں اور وہ لوگ جو خیموں کے نقشے لیے ہوتے ہیں ان سب کی کارکردگی بہت اچھی رہی۔ جمرات پر بھی اتنا اچھا نظام بنایا گیا ہے کہ اب بھگدڑ مچنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ لیکن انھوں نے حرم شریف میں وہیل چیئر پر معذوروں کو طواف کرانے والوں کے ذریعے زیادہ چارج کیے جانے کی شکایت کی۔ انھوں نے بتایا کہ پہلے پچاس ریال میں طواف کرا دیا کرتے تھے مگر اب ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو سو ریال طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ منظور شدہ کارکن ہیں، ان کو وردی ملی ہوئی ہے اور ان کے نمبر بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہاں ٹیکسی ڈرائیور بھی بہت چارج کرتے ہیں۔ حج شروع ہونے سے قبل عزیزیہ سے حرم شریف جانے کے لیے دس پندرہ ریال لگتے تھے مگر اب وہ بھی ڈیڑھ سو دو سو مانگتے ہیں۔ جبکہ وہ بھی حکومت کے منظور شدہ ہوں گے۔ حکومت کو چاہیے کہ اس معاملے کو ضابطے کے مطابق طے کرے۔

محمد عمران

ایم ٹی این ایل دہلی میں سب ڈویژنل آفیسر (ایس ڈی او) محمد عمران نے کہا کہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو صبح آٹھ بجے ہی معلم کی جانب سے ان کے خیمہ میں بار بار اعلان کیا گیا کہ لوگ ابھی جا کر رمی کر لیں۔ بلکہ اسی وقت لوگوں کو رمی کرنے کے لیے مجبور کیا گیا اور خیموں سے باہر نکالا گیا۔ حالانکہ رمی زوال کے بعد کی جاتی ہے۔ کچھ دوسرے مکتب کے لوگوں نے شکایت کی کہ ان کے خیمے کے دروازے بند کر دیے گئے اور کہا گیا کہ وہ دو بجے کے بعد رمی کریں۔ کسی کو کسی دوسری ضرورت کے تحت بھی باہر نہیں

جانے دیا جا رہا تھا۔ محمد عمران نے کھانے کی کوالٹی کی شکایت کی اور کہا کہ وہ ایسا نہیں تھا جسے کوئی صحت مند شخص کھاتا۔ انھوں نے بتایا کہ دوسرے مکتبوں سے بھی خراب کھانے کی شکایت کی گئی ہے۔ البتہ انھوں نے جمرات کے انتظامات کی ستائش کی۔

ڈاکٹر محمد اعظم

فراش خانہ دہلی کے ڈاکٹر محمد اعظم نے حج کمیٹی اور پرائیویٹ ٹور آپریٹرس کے انتظامات کا موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ پرائیویٹ ٹور آپریٹرس زیادہ پیسہ لیتے ہیں اس لیے وہ سہولتیں بھی بہت اچھی دیتے ہیں۔ لیکن حج کمیٹی کا انتظام بھی کوئی برا نہیں ہے۔ ہم تو اپنے ہوٹل میں بہت مطمئن ہیں۔ انھوں نے ہندوستانی حجاج کے بارے میں کہا کہ ان کا رویہ ٹھیک نہیں ہے، وہ کسی نظم وضبط کے پابند نہیں ہیں اور نہ ہی کسی کو اپنا رہنما یا قائد بنانا جانتے یا چاہتے ہیں۔ بس سے اتریں گے تو ایسے بھاگیں گے کہ جیسے اگر پہلے نہیں گئے تو ہوٹل میں کمرہ نہیں ملے گا۔ انھوں نے خدام الحجاج پر سخت تنقید کی اور کہا کہ انھوں نے اپنی ڈیوٹی انجام ہی نہیں دی۔

انھوں نے کہا کہ ہندوستان کے مقابلے میں پاکستان کا نظام بہت شاندار ہے۔ ہم نے مدینہ میں دیکھا کہ پاکستانی حاجیوں کو اپنا سامان اتارنے نہیں دیا گیا۔ ان کے خدام الحجاج نے کہا کہ آپ سامان نہ اتاریں، آپ چابی لیں اور اپنے کمروں میں جائیں، یہ کام ہم کریں گے اور انھوں نے ان کا سامان اتار کر ان کے کمروں میں پہنچایا۔ ہندوستانی حجاج کا کچھ سامان ادھر ادھر ہوگیا جو بعد میں ملا لیکن ہندوستانی خدام الحجاج نے ان کی کوئی مدد نہیں کی۔ انھوں نے منیٰ میں بھی کوئی کام نہیں کیا۔ اگر ان سے کچھ کہا جاتا تو پہلے تو جواب نہیں دیتے اور اگر دیتے تو الٹا اور کہتے کہ انڈیا جا کر ہماری کمپلینٹ کر دینا۔ ارے بھائی آپ کس لیے آئے ہیں۔ آپ کیوں کہتے ہیں کہ جا کر معلم کو ڈھونڈو۔ ہم کیوں ڈھونڈیں آپ کا کیا کام ہے۔ ان لوگوں نے حجاج کی کوئی رہنمائی نہیں کی۔ نہ ہی کوئی مشورہ دیا۔ انھوں نے کہا کہ ان خدام کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر محمد اعظم نے

ٹریفک کنٹرول کرنے والوں کی ستائش کی اور کہا کہ ان کے دس افراد دس ہزار لوگوں کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ چونکہ وہ نظم وضبط کے پابند ہیں اس لیے ان کی کارکردگی انتہائی شاندار ہے۔

محمد انیس

بھجن پورہ دہلی کے محمد انیس نے مدینہ میں حج کمیٹی کے انتظامات کی ستائش کی۔ البتہ انھوں نے بھی خدام الحجاج کی شکایت کی اور ان کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ مکہ میں جو انتظامات ہیں وہ بھی ان کے نزدیک اطمینان بخش ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ شروع میں کھانا ناقص تھا لیکن جب شکایت کی گئی تو اس کی کوالٹی بہتر کی گئی۔ ہمیں عرفات میں کوئی مسئلہ پیش نہیں آیا۔ البتہ ٹوائلٹ کی کمی تھی۔ انھوں نے منیٰ میں اور جمرات پر پولیس کے نظام کی تعریف کی اور جس طرح وہ انسانی زنجیر بنا کر بھیڑ کو کنٹرول کرتے ہیں وہ ان کو بہت پسند آیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں اس سے بھگدڑ مچ ہی نہیں سکتی۔ اگر مچے گی بھی تو آگے نہیں جائے گی وہیں کنٹرول کر لی جائے گی۔ انھوں نے بتایا کہ حج کے دوران بہت سے لوگ کھو جاتے ہیں۔ پولیس ان کی بڑی مدد کرتی ہے۔ اگر اس کو متعلقہ شخص کی زبان نہیں آتی تو وہ اس زبان کے جاننے والے کی مدد لیتی ہے۔ ان کے پاس ایک ہیلپ لائن نمبر بھی ہوتا ہے جس سے لوگوں کی مدد کی جاتی ہے۔

انھوں نے مدینہ کا ایک واقعہ بتاتے ہوئے کہا کہ مسجد نبوی میں نماز کے بعد ہم سے دو صف آگے ایک شخص بیٹھا ہوا تھا لیکن ہمیں نہیں پتہ تھا کہ وہ لیٹا ہوا ہے یا اسے کچھ ہو گیا ہے۔ لیکن پولیس کو کیمرے میں اس کے گرنے کے انداز سے معلوم ہو گیا کہ کچھ گڑ بڑ ہے۔ فوراً پولیس والے آئے اور تب ہمیں معلوم ہوا کہ اس شخص کا انتقال ہو چکا ہے۔ انھوں نے ایک اور واقعہ بتایا کہ جمرات پر انھیں ایک معمر خاتون ملیں جن کے پاس سامان وغیرہ بھی تھا۔ انھوں نے کہا کہ وہ دو روز سے اپنے لوگوں سے بچھڑی ہوئی ہیں۔ ان کے ساتھ ان کا بھتیجہ بھی تھا اور وہ بھی لاپتہ ہے۔ ہم نے ان کا مکتب نمبر معلوم کیا اور ان کو

اپنے ساتھ لیا۔ اس کے بعد ہم نے انڈیا کا جھنڈا نکالا اور سیلفی اسٹک پر لگا کر ہم آگے بڑھ گئے۔ جب ہم چلے تو ہمارا گروپ چھ افراد پر مشتمل تھا لیکن تھوڑی دیر کے بعد دیکھا تو جھنڈے کے پیچھے تقریباً ڈھائی سو افراد چل رہے تھے۔ پھر ہم نے مذکورہ خاتون کو ان کے خیمے میں پہنچایا۔ باقی جو لاپتہ افراد ہمارے ساتھ تھے ان کو رضا کاروں کے حوالے کیا۔ انھوں نے حکومت کے انتظامات کی ستائش کی۔

نسیم احمد نڈر عرف بنگالی بابا

سندر نگری دہلی کے ایک ۷۵ رسالہ بزرگ نسیم احمد نڈر عرف بنگالی بابا نے بھی حکومت سعودی عرب کے حج انتظامات کی ستائش کی اور بتایا کہ یوں تو یہاں کی پولیس بہت سخت ہوتی ہے لیکن وہ حاجیوں کا بڑا خیال بھی رکھتی ہے۔ جمرات پر ایک طرف سے جانا اور دوسری طرف سے آنا ہوتا ہے۔ لیکن میں جس طرف سے گیا اسی طرف سے آیا بھی۔ جگہ جگہ پولیس والوں نے مجھے روکنے کی کوشش کی اور میں نے ہر بار اشاروں میں ان کو بتایا کہ میں بہت تھک گیا ہوں، میں بہت پیاسا بھی ہوں اور میری حالت بہت خراب ہے۔ لہٰذا ہر بار پولیس والوں نے میری مدد کی۔ پانی کی ٹھنڈی بوتلیں لا کر مجھے دیں اور ٹھنڈا پانی میرے سر پر گرایا۔ انھوں نے عزیزیہ میں رہائش کے انتظام کی بھی ستائش کی اور بتایا کہ حج سے قبل لوگ آ آ کر جن میں مرد بھی ہوتے اور عورتیں بھی، حج کرنے کا طریقہ سکھاتے تھے۔ اس طرح یہاں کا انتظام بہت اچھا تھا اور ہم اس سے مطمئن ہیں۔

ہندوستانی حجاج کی شکایتیں جائز یا ناجائز؟

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ہر سال حاجیوں کو حکومت ہند اور حج کمیٹی آف انڈیا کے انتظامات سے شکایت رہتی ہے۔ کچھ شکایتیں جائز ہوتی ہیں تو کچھ ناجائز۔ کچھ حجاج کم پیسوں میں فائیو اسٹار سہولتوں کے متمنی ہوتے ہیں تو کچھ گھر جیسی آسائشوں کے

متلاشی۔ کچھ معمولی معمولی باتوں پر بھی طوفان اٹھا دیتے ہیں اور ہندوستان اور سعودی عرب کی حکومتوں اور حج کمیٹی کے ذمہ داروں کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔لیکن انہی میں کچھ قناعت پسند حاجی بھی ہوتے ہیں جو شکایتوں کو نظرانداز کر کے صرف عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں۔ہم نے دہلی میں بھی بہت سی شکایتیں سنیں اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی۔ اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یقیناً ہندوستانی حجاج کو بعض دشواریوں کا سامنا رہتا ہے۔لیکن بہت سے حاجی ان دشواریوں کو بڑھا چڑھا کر بھی پیش کرتے ہیں۔

دو تین موٹی موٹی باتیں ایسی ہیں جن میں اصلاح کی ضرورت ہے۔سب سے بڑا مسئلہ رہائش کا ہے۔ہمیں پہلے مدینہ لے جایا گیا۔وہاں دو بستروں کے کمروں میں تین تین، چار چار حاجی ٹھہرائے گئے۔ بیڈ ملا ملا کر ایسے بچھائے گئے کہ چلنے کی جگہ نہیں۔مکہ میں سوا مہینہ قیام کرنا ہوتا ہے۔عزیزیہ میں سیکڑوں عمارتیں ہیں۔ کچھ اچھی تو کچھ بری۔ یہاں بھی کمروں میں گنجائش سے زیادہ لوگوں کو رکھ دیا جاتا ہے۔دو بیڈ والے کمرے میں چار اور تین والے میں پانچ اور چھ حاجی ٹھہرائے جاتے ہیں۔ ہم اس کی تصدیق نہیں کر سکتے مگر مکہ میں دہائیوں سے قیام پذیر اور حج ڈیوٹی انجام دینے والے بعض افراد کے مطابق کمروں میں فاضل بیڈ کمیشن خوری کی اُپج ہیں۔ کمروں میں جن لوگوں کو ٹھہرایا جاتا ہے ان کے انتخاب میں بڑی لاپروائی برتی جاتی ہے۔مثال کے طور پر دو حاجی دہلی کے ہیں تو تین بجنور کے۔ تین مرادآباد کے ہیں تو دو بلند شہر کے۔خواندہ ناخواندہ سب کو ایک ہی ڈنڈے سے ہانکا جاتا ہے۔فیملی والوں کے لیے بے پردگی اذیت ناک ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض غیرت مند حاجی عزیزیہ میں قیام کرنے کے بجائے کسی دوسرے علاقے میں کمرہ کرائے پر لے کر یا وہاں ان کے عزیز ہیں تو ان کے پاس رہتے ہیں۔ کچھ ایسے غیر مہذب حاجی بھی ہوتے ہیں جو کمرے میں پردہ ڈالنے کی مخالفت کرتے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ بے پردگی میں رہ رہے ہیں دوسرا بھی رہے۔ اکثر حاجیوں میں لڑائی ہوتی رہتی ہے۔ جس عمارت میں ہمارا قیام تھا وہ بہت اچھی تھی۔ کافی کشادہ اور

اچھے انتظامات۔ لیکن ہم نے ایسی بھی کئی عمارتیں دیکھیں جو انتہائی خراب۔ کہنے کو تو انھیں ہوٹل کا نام دیا گیا ہے لیکن درحقیقت وہ فلیٹس ہیں۔ چھوٹی چھوٹی لابی اور چھوٹے چھوٹے کمرے۔ لابی میں چاروں طرف دروازے اور ہر طرف ایک ایک فلیٹ۔ چھوٹے چھوٹے کچن۔ نہ فریج نہ کپڑوں کی الماری۔ اے سی کا انتظام خراب۔ بیشتر عمارتوں میں اجابت کے لیے انگلش اسٹائل کی سیٹ۔ حجاج کی اکثریت دیہاتی۔ انھیں ان ٹوائلٹوں کے استعمال کا سلیقہ نہیں۔ ایک بلڈنگ میں چار پانچ سو حاجی مگر لفٹ کی تعداد ناکافی۔ اس ترقی یافتہ دور میں ہم نے بہت سی عمارتوں میں پرانے زمانے کی لفٹ دیکھی جس کا دروازہ ہاتھ سے کھولنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے حادثات بھی ہوجاتے ہیں۔ بہت سی عمارتوں میں بدانتظامی کا یہ عالم کہ کسی شکایت پر کوئی کارروائی نہیں۔ بعض عمارتوں میں دو دو روز تک پانی ہی نہیں آتا۔ اور بھی کئی خرابیاں پائی گئیں۔ معلموں کا نظام بہت خراب ہے۔ بعض معلموں کی جانب سے بڑی لاپروائی برتی جاتی ہے۔

منیٰ، عرفات، مزدلفہ پھر منیٰ

۱۹ر اگست کو ہمارے گروپ کے مردوں نے مغرب کی نماز مسجد خیف میں ادا کرنے کا پلان بنایا۔ انھوں نے ہم سے پوچھا تو ہم بھی تیار ہو گئے۔ اذان ہونے سے ذرا قبل ہم لوگ مسجد کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ رش کی وجہ سے پولیس والوں نے راستہ روک رکھا ہے اور دوسری طرف سے جانے کا راستہ بنا دیا ہے۔ کسی طرح ہم لوگ حمام کی طرف پہنچے اور ابھی باہر ہی تھے کہ نماز شروع ہو گئی۔ ہم لوگوں نے بھی راستے ہی میں نیت باندھ لی۔ ہمارے ساتھ دوسرے بہت سے لوگ بھی وہیں نماز پڑھ رہے ہیں۔

جب ہم خیمے سے چلے تھے تو موسم کا مزاج کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔ مسجد خیف کے پاس پہنچے تو تھوڑی ہوا چلنے لگی۔ گرج چمک بھی ہونے لگی۔ جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ہوا کی رفتار بڑھ گئی۔ سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہوئے تو ہوا نے آندھی کی شکل اختیار کر لی۔ گرج چمک میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اس وقت بہت تیز آندھی آئی اور ہلکی پھلکی پھوار بھی پڑنے لگی۔ ہم نے دو تین حاجیوں کو دیکھا کہ اگر انھوں نے چابک دستی نہ دکھائی ہوتی تو ان کے احرام اڑ کر کہیں اور چلے گئے ہوتے۔ نماز ادا کرنے کے بعد مسجد کے دروازے کی طرف بڑھے کہ اس کے اندر چلے جائیں تو دونوں دروازوں پر پولیس کا پہرہ دیکھا۔ وہ لوگوں کو نکلنے تو دے رہے ہیں مگر کسی کو اندر نہیں جانے دے رہے ہیں۔ مسجد میں وعظ چل رہا ہے۔ نمازیوں کی خواہش ہے کہ وہ اندر جائیں مگر زبردست ازدحام کی وجہ سے سیکورٹی والے گیٹ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ دونوں دروازوں پر سیکڑوں افراد بھی جمع ہیں۔ دس پانچ منٹ کے بعد جب ہم لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ اندر جانے کی اجازت نہیں ملے گی تو واپس خیمے کی طرف چل پڑے۔

اس درمیان ہلکی پھلکی بارش ہو چکی ہے۔ ہم نے تو نہیں دیکھا لیکن لوگوں نے بتایا کہ آندھی میں کئی خیمے اکھڑ گئے۔ حالانکہ منیٰ کے خیمے بڑی مضبوط بنیادوں پر نصب کیے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسجد خیف میں نماز کی ادائیگی کی شدید خواہش میں ہم لوگوں کو آندھی کی شدت کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ عرفات میں بھی کئی خیمے اکھڑ گئے تھے۔ خیر وہاں تو عارضی خیمے ہوتے ہیں وہ اکھڑ سکتے ہیں۔ لیکن منیٰ کے خیموں کا اکھڑنا آسان نہیں۔ اس بے موسم کی آندھی اور بارش کو حجاج نے اللہ کی جانب سے رحمت تصور کیا۔ اس کی وجہ سے گرمی کی شدت میں کمی آگئی اور حبس کا عالم کافور ہو گیا۔

گوشۂ عافیت

منیٰ کے خیموں میں ایک گوشۂ عافیت کا ذکر بے حد ضروری ہے۔ جب ۸؍ ذی الحجہ مطابق ۱۹؍ اگست کو پہلی بار ہم مع ساز و سامان، جو کہ ایک بیگ کی شکل میں تھا، منیٰ کے خیمے میں داخل ہوئے تو چونکہ ہم قافلہ سالار بنے ہوئے تھے یعنی سب سے آگے آگے تھے لہٰذا ہمارے صحافی ساتھی مطلوب رانا نے، جو کہ بڑے موقع شناس ہیں، باآواز بلند ہمیں ہدایت دی کہ سہیل صاحب وہ دیوار سے متصل کونے پر قبضہ کیجیے۔ ہم نے دیکھا کہ اس وقت تک کچھ حاجی منتشر سے یعنی ادھر ادھر کے گدوں پر براجمان ہیں۔ جس کونے کی طرف انھوں نے اشارہ کیا تھا وہ بیرونی سڑک سے متصل تھا۔ ہم دوڑ کر وہاں پہنچے تو تین گدے مقبوضہ پائے۔ یعنی ان پر تین حاجی صاحبان قابض ہو چکے تھے۔ پانچ چھ گدے خالی تھے اور ہم نے انھی پر قبضہ کیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ چین کی افواج نے ڈوکلام پر قبضہ کر لیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد تھوڑا اطمینان ہوا تو ہم نیم دراز ہو گئے اور اطراف و جوانب کا جائزہ لینے لگے۔

آخری سرے پر جو تین گدے تھے ان میں سے دو پر دو بزرگوار دنیا و مافیہا اور ہم نو واردانِ کیمپ یا نو واردانِ بساطِ دل سے بے نیاز محو گفتگو تھے۔ انھوں نے ہمیں اس لائق نہیں سمجھا کہ اِک نگاہِ غلط انداز ہی ہم پر ڈال لیں۔ یا پھر ممکن ہے کہ وہ گفت و شنید میں

اس قدر غرق رہے ہوں کہ انھیں اس ناگہانی حملے کا ادارک ہی نہ ہوا ہو۔ کچھ دیر کے بعد جب ہم نے ان دونوں بزرگوں پر ذرا تفصیلی نظر ڈالی تو وہ اپنے قیافہ سے تعلیم یافتہ معلوم ہوئے۔ دونوں باریش تھے۔ مگر جو بزرگ قد میں ذرا کچھ کم تھے بڑے نستعلیق، مہذب اور ذی علم محسوس ہوئے۔ ہم سمجھ گئے کہ ان کی علمیت ہم جیسے بے علموں کو خاطر میں لانے سے گریز کر رہی ہے۔ اتفاق سے انھی کے برابر والا گدا ہمارے نصیب میں آیا تھا۔ خیر ہمیں کیا؟ ہم بھی انھی کی مانند احرام پوش تھے اور اس وقت سبھی احرام پوش حجاج ایک دوسرے کے مساوی تھے۔ نہ کوئی بڑا نہ کوئی چھوٹا۔ نہ کوئی امیر نہ کوئی غریب۔ نہ کوئی محمود نہ کوئی ایاز۔ کم وبیش نصف گھنٹے کے بعد مذکورہ بزرگ نے کروٹ بدلی اور ان کا رخِ روشن ہماری جانب ہو گیا۔ ہم ٹپٹا گئے کہ کہیں خدانخواستہ کچھ سوال نہ کر بیٹھیں۔

اچانک ان کے لب وا ہوئے اور انھوں نے انتہائی خندہ پیشانی اور شیریں زبانی کے ساتھ پوچھ لیا کہ جناب آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ آواز میں بڑی نرمی اور جاذبیت محسوس ہوئی۔ ہمیں حوصلہ ملا۔ مگر پھر بھی ہم نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ دہلی سے آئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ دہلی میں کہاں سے۔ ہم نے کہا کہ ذاکر نگر سے۔ اس کے بعد ہم نے بھی جوابی تیر چھوڑا۔ ہمارے سوال پر انھوں نے بتایا کہ ہم بھی دہلی سے آئے ہیں۔ ہم نے پوچھا کہاں سے۔ بولے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے۔ اب ہم دونوں تھوڑا تھوڑا کھلنے لگے۔ شاید دونوں کے دلوں نے کہا ہو کہ اور کھل جائیں گے...... تکلفات کی پٹری پر بات چیت کی گاڑی تھوڑا آگے بڑھی تو انھوں نے کہا کہ آپ صحافی تو نہیں؟ ہم نے کہا کہ جی ہاں آپ نے صحیح پہچانا۔ ہم اردو کے ایک چھوٹے موٹے صحافی ہیں۔ انھوں نے کہا آپ کا نام۔ ہم نے کہا سہیل انجم۔ پھر تو انھوں نے مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ کہنے لگے ”ہاتھ ملائیے میں تو آپ کو جانتا ہوں۔ ابھی آپ نے حج سے متعلق جو قسط لکھی تھی وہ میں نے پڑھی ہے۔ آپ نے بہت عمدہ منظر نگاری کی ہے“۔ دل باغ باغ ہو گیا۔

پھر تو دونوں ایک دوسرے سے کھلتے چلے گئے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں شعبۂ بایو سائنس میں ہیں۔ انھوں نے ہمارے ایک بزرگ دوست شعبۂ اردو

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق صدر اور دہلی اردو اکادمی کے سابق وائس چیئرمین پروفیسر خالد محمود صاحب کی اہلیہ کا بھی نام لیا اور کہا کہ ہم دونوں ایک ہی شعبے میں ہیں۔ انھوں نے ان کا نام ممکن ہے اس لیے لیا ہو کہ چونکہ ہم اردو والے ہیں اور خالد محمود صاحب بھی اردو والے ہیں اس لیے انھوں نے سوچا ہوگا کہ دونوں میں ضرور شناسائی ہوگی۔ ان کا خیال درست تھا۔ نہ صرف شناسائی ہے بلکہ دوستی بھی ہے اور ہم ان کے دستر خوان پر بارہا لذت کام و دہن بھی حاصل کر چکے ہیں۔ وہ اور ان کی اہلیہ دونوں مہمان نوازی میں ماہر ہیں۔ اتنے ماہر کہ دونوں میں سے کوئی مل جائے تو دھڑکا لگ جاتا ہے کہ کہیں یہ نہ فرما دیں کہ گھر آیئے کھانے پر۔

مذکورہ بزرگ نے اپنا نام ڈاکٹر عارف علی بتایا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ان کی اہلیہ ڈاکٹر ثروت صاحبہ بھی حج کرنے آئی ہیں۔ وہ بھی جامعہ ملیہ اسلامیہ سے وابستہ ہیں۔ وہ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ میں رہی ہیں۔ وہ دونوں عزیزیہ میں ہماری بلڈنگ ۵۷۱ میں ہم سے اوپر والی منزل پر ہیں۔ لیکن وہاں ان سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا۔ ان کی اہلیہ کی غیرت مند طبیعت اس پر راضی نہیں ہوئی کہ وہ ایک ہی کمرے میں دوسرے نامحرموں کے ساتھ شب و روز گزاریں۔ لہٰذا وہ دونوں کہیں اور منتقل ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر عارف علی صاحب سے بہت سے موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ دورانِ گفتگو اندازہ ہوا کہ سائنس کے استاد ہونے کے باوجود وہ بہت ہی ستھرا ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ علامہ اقبال ہوں یا غالب، میر تقی میر ہوں یا نظیر اکبر آبادی یا پھر ماضی قریب کے شعرا میں سے حفیظ جالندھری ہوں یا دوسرے شعرا۔ بیشتر شعرا کے بارے میں ان کی معلومات بڑی عمدہ ہیں۔ اشعار بھی خوب یاد ہیں۔ اس وقت ہمیں انتہائی خوشگوار حیرت ہوئی جب انھوں نے اپنے تیسرے ساتھی کی زبانی انتہائی غیر معیاری اور اوزان و بحور سے آزاد اشعار سنے تو انھیں ''استاد رسا'' کا خطاب دے دیا۔ گویا وہ دہلی کے استاد رسا سے بھی واقف ہیں۔ اور ان سے وہی واقف ہو سکتا ہے جو شعری ذوق رکھتا ہو۔ استاد رسا ماضی قریب میں دہلی کے ایک الگ قسم کے شاعر تھے۔ وہ بڑے منہ پھٹ تھے اور مغلظات

کے اختراع میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ہر سال ایک مشاعرہ کرتے اور اس کا چندہ پورے سال کرتے۔ لوگ ان سے چنیدہ مغلظات سننے کے لیے انھیں چھیڑتے رہتے تھے۔ لیکن ان کی عزت بھی خوب تھی۔ چونکہ تھوڑا بہت ہم بھی استاد کے ''کارناموں'' سے واقف ہیں اس لیے اس خطاب پر بہت محظوظ ہوئے۔

باتوں باتوں میں ڈاکٹر عارف علی نے بتایا کہ وہ تو سائنس کے آدمی ہیں انھیں مذہب وذہب سے کیا لینا دینا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی ذات سے متعلق کئی سوالات ان کے ذہن میں اٹھتے رہے ہیں جن کا جواب انھیں نہیں مل پا رہا تھا۔ ان جوابوں کی تلاش میں انھوں نے سیرت کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ پھر تو ان کے دل کی دنیا بتدریج بدلنے لگی اور بدلتی چلی گئی۔ اچانک انھوں نے ہم سے پوچھ لیا کہ آپ نے سیرت کی کتاب ''الرحیق المختوم'' پڑھی ہے۔ ہم نے فخریہ انداز میں کہا کہ جی ہاں دو بار پڑھی ہے۔ انھوں نے تابڑتوڑ جواب دیا کہ ہم نے پانچ بار پڑھی ہے۔ اس کتاب اور سیرت سے متعلق دوسری کتابوں کے مطالعے نے ان کے دل کے بند دروازوں کو اس طرح چوپٹ کھول دیا کہ اب وہاں رسول اللہ ﷺ کی محبت کے علاوہ کسی اور کی محبت کا چراغ جل ہی نہیں سکتا۔ (حج سے واپسی کے بعد ہم نے ایک بار پھر الرحیق المختوم کا لفظ بہ لفظ مطالعہ کیا۔ اب ہم کیا بتائیں کہ اس تیسرے مطالعہ نے ہم پر سیرت طیبہ کے کیسے کیسے گوشے روشن کر دیے اور ہمارے اندرون میں کیا کیا اتھل پتھل مچ گئی۔ اس کتاب کے مصنف جامعہ سلفیہ بنارس کے استاد (مرحوم) مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری ہیں اور اس کتاب کو سعودی حکومت کی جانب سے سیرت پر تصنیف کردہ کتابوں کے ایک عالمی مقابلے میں اول انعام ملا تھا)۔

ڈاکٹر عارف علی صاحب کی پانچ روزہ ہم نشینی نے ہمیں ذہنی طور پر بہت تقویت بخشی۔ حسن اتفاق میدان عرفات میں بھی ہم ایک دوسرے کے قریب ہی رہے۔ ان کی دلچسپ اور محبت آمیز گفتگو نے ہمیں اپنا گرویدہ بنالیا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود ان کے اندر جو انکساری وخاکساری اور ملائمت ہے وہ دل کو اپنی جانب کھینچتی ہے اور ہم سمجھتے

ہیں کہ یہ خاکساری رسول اللہ ﷺ کی ذات سے ان کی والہانہ محبت کے سبب ہے۔ وہ اس بات کے بڑے قائل ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے جو کہ امی تھے، تن تنہا پوری دنیا میں جتنا بڑا انقلاب برپا کر دیا اتنا بڑا انقلاب انتہائی تعلیم یافتہ افراد بھی پوری کی پوری ٹیم کے ساتھ نہیں برپا کر سکے۔

سچ بتائیں! اگر منیٰ کے خیمے میں یہ ''گوشۂ عافیت'' نہ ملا ہوتا اور اس گوشے میں ایک محبِ رسولؐ کی ہم نشینی نہ ملی ہوتی تو یہ پانچ روز بڑے خشک گزرتے۔ دراصل یہ نام گوشۂ عافیت انہی کا دیا ہوا ہے۔ گویا ''گوشے میں قفس کے ہمیں آرام بہت تھا''۔ وہاں قیام کے دوران بار بار دل چاہتا کہ ان بزرگوار کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی جائے۔ لیکن وہاں تو سب بے دست و پا تھے۔ کوئی کسی کی خدمت کرتا بھی تو کیسے؟

بہر حال ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ شاعرانہ بھی، غیر شاعرانہ بھی۔ سیاسی بھی غیر سیاسی بھی۔ ادبی بھی غیر ادبی بھی۔ مذہبی بھی غیر مذہبی بھی۔ سماجی بھی غیر سماجی بھی۔ گویا ان پانچ دنوں میں کوئی ایسا موضوع ہم لوگوں سے نہیں چھوٹا کہ جس میں ہماری دلچسپی رہی ہو اور ہم نے اس پر تبادلۂ خیال نہ کیا ہو۔

اب دوسرے بزرگوار کے بارے میں بھی چند باتیں سن لیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ایک وکیل ہیں اور تیس ہزاری کورٹ نئی دہلی میں پریکٹس کرتے ہیں۔ جامعہ نگر کے غفار منزل میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کا نام عبد الرحمٰن ناصر یا اے آر ناصر ہے۔ انھوں نے اپنا شناختی کارڈ دکھاتے ہوئے کہا کہ دیکھیے اس پر جو میری تصویر ہے اس میں میرے داڑھی نہیں ہے۔ مگر اب میرے چہرے پر نور ہے۔

ہم نے کہا کہ جی آپ نے درست فرمایا، براہ کرم اب اس کی وضاحت بھی کر دیجیے۔ انھوں نے کہا کہ جب حج سے متعلق ہماری درخواست منظور ہو گئی اور ہم میاں بیوی حج کی تیاریاں کرنے لگے تو ایک روز ہمارے بیٹے نے بڑا چبھتا ہوا سوال کیا۔ اس نے کہا آپ حج کرنے جا رہے ہیں۔ ہم نے کہا ہاں جا رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے شہر مبارک یعنی مدینہ منورہ بھی جائیں گے۔ ہم نے کہا بالکل جائیں گے۔ وہ

کیسا مسلمان جو فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب جائے اور آقائے نامدارؐ کے در پر حاضری نہ دے۔ اس نے کہا کہ تو پھر آپ اس چہرے کے ساتھ کیسے جائیں گے۔ ہم نے کہا کیا مطلب؟ اس نے کہا کہ اللہ کے رسول کو ایسا چہرہ پسند تھا جو باریش ہو۔ آپ کا چہرہ تو داڑھی سے عاری ہے۔ ہم خاموش ہو گئے۔ کیا جواب دیتے۔ دل کی دنیا میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ ہم نے کبھی اس پہلو سے سوچا ہی نہیں تھا۔ ہمارے دل نے کہا کہ تمھارا بیٹا تو بالکل صحیح کہہ رہا ہے۔ تم ایسا چہرہ لے کر رسول اللہؐ کے دربار میں کیسے جاؤ گے جو انھیں پسند نہیں تھا۔ اس کے بعد سے ہم نے اپنی داڑھی پر بلیڈ نہیں چلایا۔ اس طرح ہم اس باریش چہرے کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کرنے آ گئے۔

ان سے بھی الگ الگ موضوعات پر گفت وشنید ہوتی رہی۔ اندازہ ہوا کہ وہ بھی انتہائی شریف اور مذہبی قسم کے شخص ہیں۔ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ حج کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اپنے محبوب کی جو محبت پیدا کی ہے وہ ہمیشہ قائم رہے۔ آمین۔

عرفات کا منظر

۱۹ر اگست کی شب میں یعنی ۹ر ذی الحجہ کی رات میں ہم لوگوں کو عرفات لے جایا گیا۔ وہاں جانا بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ بسوں کا کوئی معقول انتظام نہیں، نہ ہی کوئی بتانے والا۔ ہم کچھ لوگ اپنی صوابدید پر خیمے سے باہر نکلے۔ اپنی جھجوں کو ساتھ لیا۔ بمشکل اپنے مکتب کی ایک بس دکھائی دی۔ ہم لوگ اس میں گھس گئے۔ مگر بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔ وہ پہلے سے ہی بھری ہوئی تھی۔ لہٰذا کھڑے جانے پر مجبور ہوئے۔ جب ۲۰ر اگست کی صبح کے تقریباً تین بجے عرفات پہنچے تو ہم لوگوں کو ہماری عمارت نمبر کے حساب سے ایک خیمے میں لے جایا گیا۔ اس خیمہ میں پہنچنے والا ہمارا گروپ پہلا تھا۔ تب تک کوئی نہیں آیا تھا۔ خیمہ ٹھیک ٹھاک تھا۔ چاروں طرف زمین پر کولر رکھے ہوئے تھے۔ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا۔ لیکن خیمہ میں لائٹ کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ باہر سے چھن چھن کر آنے والی روشنی میں ہم لوگوں نے اپنا سامان رکھا اور چٹائی یا چادر بچھا کر لیٹنے کی جگہوں

پر قبضہ کیا۔ ایک کونے کو اپنی ججوں کے لیے مخصوص کر دیا۔ وہاں کا انتظام قدرے بہتر تھا۔ کھانا بھی ٹھیک تھا۔ روشنی کا انتظام غالباً اس لیے نہیں تھا کہ یہاں صرف دن میں رہنا ہوتا ہے اور عام طور پر حاجی دن ہی میں پہنچتے ہیں اور غروب آفتاب سے قبل نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

عزیزم مولانا محمد شعیب کی روایتی فراخ دلی

صبح کے چھ سات بجے ہیں۔ ہمارے عزیز مولانا محمد شعیب کا خیمہ یہاں سے دور ہے۔ ہم لوگوں کے پاس کھانے پینے کے نام پر بسکٹ یا جوس کے چند پیکٹ ہیں۔ ابھی یہاں ناشتہ تیار ہو رہا ہے۔ ملنے میں کافی دیر ہے۔ چائے کی شدید طلب ہے۔ مگر تمام تر جد و جہد لا حاصل۔ مولانا شعیب نے فون کر کے ہمارے خیمے کی لوکیشن معلوم کی۔ ان کو اندازہ تھا کہ ہم لوگوں کے پاس کچھ نہیں ہوگا۔ ہم سابقہ تجربے کی روشنی میں باہر نکلنے میں جھجک رہے ہیں۔ خیر گیٹ پر پہنچے۔ دیکھا تو سامنے یعنی روڈ کی دوسری طرف نمرہ ہاسپٹل کا بڑا سا بورڈ نصب ہے۔ ہم نے مولانا شعیب کو بورڈ کے بارے میں بتایا۔ ہم بائیں جانب کے گیٹ پر ان کا اور وہ دائیں جانب کے گیٹ پر ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ خیر وہ دوسرے گیٹ پر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں پھلوں کا بڑا سا تھیلا ہے۔

جب انھوں نے یہ خوش خبری سنائی تھی کہ وہ لوگ بھی امسال حج کریں گے تو بڑا حوصلہ ملا تھا۔ ہم لوگ اس مسرت آمیز خیال میں مگن رہے کہ چلو پانچ روز تو ایک ساتھ رہیں گے۔ لیکن یہاں کا تو معاملہ ہی بالکل برعکس ہے۔ سب کے خیمے الگ الگ۔ کوئی کسی دوسرے کے خیمہ میں نہیں جا سکتا۔ بہر حال ان کے دیے پھلوں سے ہم لوگوں نے ناشتہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد باہر جا کر دیکھا تو چائے کے کین رکھے ہوئے ہیں اور ان کے ارد گرد حشر کا سماں ہے۔ کافی جد و جہد کے بعد دو کپوں میں چائے لائے۔ بچوں کو دی اور خود پی۔

عرفات آنے سے ایک روز قبل ہی مولانا شعیب بچوں کے ساتھ آ گئے تھے۔ ارادہ

تھا کہ ماقبل و مابعد حج ایک ایک رات ہم لوگوں کے ساتھ گزاریں گے۔ خیر منیٰ روانگی سے ایک روز قبل صبح کے وقت وہ عزیزیہ پہنچ گئے۔ یہاں عزیزیہ میں کسی باہری شخص کو بلڈنگ کے اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ صرف حاجیوں کو چھوٹ ہے۔ لیکن یہ تو ہمارے ساتھ کے حاجی نہیں۔ اس لیے انھوں نے حسب روایت و قاعدہ کاؤنٹر پر اپنا اقامہ جمع کیا اور بتایا کہ ہمیں فلاں صاحب کے کمرے میں جانا ہے۔ جب ہم نیچے پہنچے تو حارس نے ہمیں دیکھا تو ان کو اقامہ واپس کر دیا۔ وہ بہت شریف آدمی تھا۔ اس سے ہم سلام دعا کر لیا کرتے تھے۔ لہٰذا اس نے ہمارا لحاظ کیا۔

جناب قمر الدین قریشی کی وسیع القلبی

ہم لوگوں نے اپنے روم پارٹنر جناب قمر الدین قریشی کو بچوں کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ جب ہم ان لوگوں کو لے کر کمرے میں پہنچے تو وہ اور ان کی اہلیہ بہت خوش ہوئیں اور زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ ناشتے کے بعد قمر الدین صاحب نے کہا کہ سہیل صاحب ہم لوگ کہیں جا رہے ہیں کچھ دیر میں آئیں گے۔ اور پھر دونوں میاں بیوی چلے گئے۔ ہم سمجھ گئے کہ اپنی شرافت طبع سے مجبور ہو کر وہ کہیں چلے گئے ہیں تا کہ ہم لوگ بے تکلفی کے ساتھ رہ سکیں۔ انھوں نے بس ایک جملہ کہا کہ بچوں کے ساتھ کھل کر رہیے۔ خیر بچے رات بھر سفر میں تھے اس لیے کافی تھک گئے تھے۔ انھوں نے قمر الدین صاحب کے دونوں بستروں پر قبضہ کیا اور اپنی نیند پوری کی۔ قمر الدین صاحب شام تک واپس ہوئے۔ باتوں باتوں میں کہا کہ ہم جان بوجھ کر گئے تھے تا کہ بچے آرام کر لیں۔ ہم نے کہا کہ اتنا تو خیر ہم بھی سمجھ گئے تھے۔ ہم تو پہلے سے ہی آپ کی شرافت کے قائل ہیں۔ ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

حج کے بعد یعنی منیٰ سے واپسی پر بھی مولانا شعیب بچوں کے ساتھ ہمارے کمرے میں رہے اور اس بار بھی قمر الدین صاحب نے وسیع القلبی کا مظاہرہ کیا۔ مولانا شعیب کو بھی قربانی کرنی ہے۔ انھوں نے مولانا عبد الرؤف صاحب سے بات کی اور مولانا محمد

مقیم فیضی کے داماد مولانا ہدایت اللہ صاحب سے، جو کہ مکہ ہی میں مقیم ہیں، ہمارے روم پر قربانی کا گوشت بھیجنے کو کہہ دیا۔ لہٰذا بارہ ذی الحجہ کو بعد نماز عشا وہ خاصی مقدار میں گوشت لے کر آ گئے۔ ان کے ساتھ دو نوجوان اور تھے۔ ہم بلڈنگ کے باہر ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک گاڑی آ کر رکی۔ اس میں سے باریش نوجوان نکلے تو ہم سمجھ گئے کہ یہ وہی لوگ ہوں گے۔ علما و طلبا کے ساتھ رہتے رہتے اتنی سمجھ تو آ ہی گئی ہے کہ قیافہ سے شناخت کر لیں۔ ہم نے اپنا تعارف کرایا تو ان کے ساتھ آنے والے ایک دوسرے نوجوان نے کہا کہ "ارے وہی سہیل انجم جو صحافی ہیں، جن کے کالم اخباروں میں چھپتے ہیں"۔ ہم نے اثبات میں جواب دیا تو وہ بے انتہا خوش ہوئے۔ لیکن کہنے لگے کہ "اخبار میں تو آپ جوان نظر آتے ہیں اور حقیقت میں کچھ اور ہیں"۔ ہم نے از راہ مذاق کہا کہ قارئین کو دھوکہ دینے کے لیے جوانی کی تصویر چھپواتے ہیں۔ پھر ہم نے ان کو بتایا کہ چونکہ اس وقت ہم فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے آئے ہیں اس لیے ہم نے اپنا حلیہ شریفانہ بنا رکھا ہے۔ اس پر وہ لوگ کافی محظوظ ہوئے۔

خیر ان کا دیا ہوا گوشت ہم نے قمر الدین صاحب کو دے دیا کہ خود پکائیں، کھائیں اور اس فلور کے دیگر لوگوں میں بھی تقسیم کر دیں۔ انھوں نے اس کا انتظام کیا۔ اگلے روز مولانا شعیب بچوں کے ساتھ اور مع قربانی کے گوشت، کمرے پر آئے۔ مگر ان کو رات ہی میں نکلنا پڑا۔ ان کے دفتر سے فون آ گیا تھا کہ ان کو جلد پہنچنا ہے۔

مسجد نمرہ جائیں، نہ جائیں؟

دو پہر ہوتے ہوتے عرفات کا خیمہ حاجیوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ کہیں پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں۔ ہمارے کچھ ساتھیوں نے تقریباً دس بجے مسجد نمرہ جا کر حج کی نماز ادا کرنے کا پلان بنایا۔ کچھ لوگوں نے بتایا کہ اب جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ مسجد تو صبح سات آٹھ بجے ہی بھر جاتی ہے۔ لیکن وہ نہیں مانے، چلے گئے۔ تقریباً چالیس پچاس سال کی عمر کے ایک جوڑے نے بھی، جو کہ ہمارے ساتھ نہیں تھا، مگر ہمارے قریب ہی قیام پذیر تھا،

جانے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن چونکہ وہ لوگ عورتوں کو اپنے ساتھ نہیں لے جا رہے تھے اس لیے، ان کو اپنے ساتھ لے جانے سے معذرت کر لی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دونوں از خود چلے گئے۔ مسجد نمرہ ہمارے خیمے سے ایک ڈیڑھ کلومیٹر کی مسافت پر ہے۔ کچھ لوگوں نے بتایا کہ جو نہ جانا چاہیں وہ یہیں سے خطبہ سن سکتے ہیں۔ ہم نے اس سے پہلے والے حج کے موقع پر اپنے خیمے سے حج کا خطبہ سنا تھا۔ اس لیے ہم نے بھی کہا کہ ہاں یہاں سنائی دیتا ہے۔ کسی نے بتایا کہ ہر کھمبے پر لاؤڈ اسپیکر لگا ہوتا ہے اور آپ یہاں سے بھی سن سکتے ہیں۔ لیکن جب خیمے میں خطبہ سنائی نہیں دیا تو ہم تین چار لوگ باہر نکلے اور سڑک تک گئے۔ لیکن کہیں سے بھی خطبہ سنائی نہیں دیا۔ واپس خیمے میں آئے اور ہمارے دو ساتھیوں نے اپنے موبائل پر ایف ایم لگایا جس پر اردو میں خطبہ آرہا ہے۔ اس طرح ہم لوگوں نے ایئر فون لگا کر ایک ایک موبائل سے دو دو لوگوں نے خطبہ سماعت کیا۔

غلطی کا امکان

اس کے بعد نمازیں ادا ہوئیں۔ دعائیں کی جانے لگیں۔ ہم باہر گئے تو ہم نے دیکھا کہ بڑی تعداد میں مرد و خواتین انتہائی کڑی دھوپ میں کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر گڑگڑا کر دعائیں کر رہے ہیں۔ ان کی نقل میں اپنی بساط بھر ہم بھی کھڑے رہے۔ لیکن ان لوگوں کا مقابلہ ہمارے بس میں نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آگئے۔ اتنے میں مسجد نمرہ جانے والے بھی آچکے تھے۔ انھوں نے بڑی مسرت اور جوش و خروش کے ساتھ بتایا کہ انھیں مسجد میں جگہ مل گئی تھی۔ ان کے مطابق کئی بار پولیس والوں نے ان لوگوں کو بھگانا چاہا۔ لیکن وہ ایک طرف سے نکلتے اور دوسری طرف سے داخل ہو جاتے۔

جس جوڑے کا ذکر اوپر کیا گیا ہے وہ بھی اب تک آچکا ہے۔ بہت خوش ہے۔ اس نے بھی بڑے جوش و خروش کے ساتھ بتایا کہ اس کو مسجد میں جگہ مل گئی تھی۔ ہم نے استفسار کیا تو ان دونوں نے بتایا کہ ہم مسجد کے ایک طرف گئے تو وہاں کوئی بھیڑ نہیں تھی۔ مسجد خالی تھی اور ہمیں آرام کے ساتھ خطبہ سننے اور نماز ادا کرنے کا موقع مل گیا۔ ہم نے ان

سے پوچھا کہ آپ لوگ مسجد میں کدھر تھے۔ کیونکہ مسجد کا ایک حصہ عرفات کی حدود کے باہر ہے۔ وہاں بھیڑ نہیں ہوتی۔ جس کو معلوم ہوتا ہے وہ وہاں نماز کے لیے نہیں جاتا۔ آپ بتا رہے ہیں کہ آپ کو خالی جگہ مل گئی تھی۔ کہیں آپ اسی حصے میں تو نہیں پہنچ گئے۔ اگر آپ نے وہاں نماز ادا کی ہے تو حج کی نماز نہیں ہوئی۔ آپ کو دوہرانا پڑے گی۔ اور اگر واقعی آپ نے حدود عرفات کے حصے میں نماز ادا کی ہے تو کوئی بات نہیں۔ پھر تو مبارک ہو۔ اس پر ان دونوں کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ شاید ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی۔ لیکن وہ اس پر بضد رہے کہ ان کو حدود عرفات والے حصے میں جگہ ملی تھی۔ اللہ کرے ایسا ہی ہوا ہو۔ کیونکہ انھوں نے اپنی نماز دوہرائی نہیں۔ اور اگر انھوں نے بیرونی حصے میں نماز ادا کی تھی تو ان کی نماز حج نہیں ہوئی۔

اور وہ بھٹک گئے

ادھر ہمارے ان ساتھیوں کو، جو مسجد نمرہ میں نماز ادا کر کے واپس آئے تھے اور ان کو بھی جنھوں نے خیمے ہی میں نماز ادا کی تھی، جبل رحمت کی یاد ستانے لگی۔ وہ جبل رحمت جس کی چوٹی پر عرفہ کے دن ہزاروں احرام پوش حجاج کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں اور جس کی تصویر بچپن سے ہی ہر حاجی کی آنکھوں میں رہتی ہے، اسی جبل رحمت سے ہم آغوش ہو کر رحمت خداوندی کے طلبگاروں نے وہاں جانے کا پلان بنا لیا۔ انھوں نے ہم سے بھی پوچھا مگر ہم نے نرمی سے انکار کر دیا۔ کیونکہ وقت کھسکتا جا رہا ہے۔ اگر خدانخواستہ ہم ان سے بچھڑ گئے اور راستہ بھٹک گئے تو وہاں ہم پریشان ہوں گے یہاں ہمارے بچے۔ اس لیے ہم نے خیمے ہی میں ٹھہرنے کو ترجیح دی۔ سوئے اتفاق ان لوگوں کے دو گروپ بن گئے۔ ایک آگے نکلا، دوسرا پیچھے۔ ڈاکٹر عارف علی صاحب بھی جبل رحمت کی محبت سے سرشار تھے، لہٰذا وہ بھی چپکے سے نکل گئے۔ کچھ دیر تک جب وہ نظر نہیں آئے تو ہم نے ان کی اہلیہ سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ بھی جبل رحمت گئے ہوئے ہیں۔

عصر کے بعد سے ہی لوگوں نے خیمے سے نکلنا شروع کر دیا۔ مغرب سے ذرا پہلے خیمہ تقریباً خالی ہو گیا۔ پورے خیمہ میں سناٹا پھیل گیا اور ہو کا عالم چھا گیا۔ وہ خیمہ جو دن کے وقت زندگی کی چہل پہل اور اس کی رونقوں سے لبریز تھا، جو بے شمار حجاج کرام کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھا اور جہاں قدم رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی، وہی خیمہ اب ڈراؤنا لگنے لگا، وہاں وحشت سی ہونے لگی۔ ہمارے ساتھیوں کا ایک گروپ جبل رحمت سے آ گیا، دوسرے کا انتظار ہے۔ سب نے سامان تیار کر لیا۔ اتنے میں دوسرا گروپ بھی آ گیا۔ لیکن ڈاکٹر عارف علی صاحب کا کہیں اتا پتا نہیں۔ ان کی اہلیہ سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ ابھی ان سے فون پر بات ہوئی ہے اور انھوں نے بتایا ہے کہ قریب ہی ہیں، جلد ہی پہنچ رہے ہیں۔ ہم لوگ ان کا انتظار کرنے لگے۔ جب تاخیر ہونے لگی اور مغرب کا وقت گزرنے کو ہوا تو فطری طور پر ان کی اہلیہ کی اور ہم لوگوں کی بھی حالت غیر ہونے لگی۔ اب ڈاکٹر صاحب فون رسیو نہیں کر رہے ہیں۔ ہم نے بھی دو تین بار فون کیا لیکن انھوں نے رسیو نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے اندیشۂ دور دراز نے ہم لوگوں کو گھیر لیا۔ ان کی اہلیہ نے یہ سوچ کر کہ ان کی وجہ سے ہم لوگ بھی پریشان ہو رہے ہیں، ہم لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ جائیں ہم یہیں ان کا انتظار کریں گے۔ ہم نے ان سے کہا کہ آپ نے یہ کون سی بات کہہ دی۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یہ ہمارا بالکل ہی غیر انسانی رویہ ہوگا۔ ہم لوگ آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے خواہ ہم لوگوں کو بھی یہیں پوری رات گزارنی پڑے۔ ان کو یہ فکر تھی کہ چونکہ ڈاکٹر صاحب فون نہیں اٹھا رہے ہیں تو خدانخواستہ کہیں کوئی بات تو نہیں ہو گئی۔

بہر حال ہم لوگوں نے باہمی مشورہ سے ان کا سامان اٹھایا، انھیں اپنے ساتھ لیا، خیمے سے باہر نکلے اور گیٹ کے پاس آ گئے۔ ہمیں بھی تشویش تھی کہ ڈاکٹر صاحب پتہ نہیں کہاں رہ گئے۔ اس سے قبل منیٰ اور عرفات میں حاجیوں کے گم ہونے اور کئی کئی روز تک گم رہنے کے اتنے واقعات سن رکھے تھے کہ تشویش میں مبتلا ہونا فطری تھا۔ بعض تجربہ کار افراد کا کہنا ہے کہ عرفات میں گم ہونے والا مکہ ہی میں جا کے ملتا ہے۔ تشویش اس لیے بھی

تھی کہ یہ خیمے تو دن میں بھی نہیں پہچانے جاتے رات میں کیا پہچانے جائیں گے۔ دوپہر کے بعد ایک بار ہم استنجا کر کے واپس آرہے تھے تو راستے میں ڈاکٹر صاحب مل گئے۔ کہنے لگے کہاں ہے؟ ہم نے پوچھا کیا؟ بولے خیمہ۔ ہم نے کہا آیئے۔ پھر ہم ان کو لے کر خیمہ میں آئے۔ ایک بار ہم بھی بھری دوپہر میں خیمہ بھول گئے تھے۔ وہ تو ہمارے گروپ کی کچھ خواتین ادھر سے گزر رہی تھیں، انھوں نے ہماری رہنمائی کی۔ تو جناب جب نصف النہار میں یہ خیمے اپنا سراغ نہیں دیتے تو رات کی تاریکی میں کیا دیں گے۔ خیر گیٹ پر معلم کے دفتر کے سامنے معلم کے کئی لوگ موجود تھے۔ ہم لوگوں نے انھیں اپنا مسئلہ بتایا تو انھوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ فکر نہ کریں ہم ان کو منیٰ لے آئیں گے۔ ان کی اہلیہ نے کہا کہ اس سے پہلے تو مزدلفہ میں وقوف کرنا ہے۔ اور پھر ان کے بغیر وہ کیسے جائیں گی۔ انھوں نے کہا کہ آپ جائیں ہم مزدلفہ میں ان کو ٹھہرائیں گے اور فجر کی نماز کے بعد منیٰ کے خیمہ میں لے آئیں گے۔ لیکن وہ ڈاکٹر صاحب کے بغیر وہاں سے ٹلنے کو تیار نہیں تھیں۔ ان کی بات معقول بھی تھی۔ وہ ایسے کیسے جاسکتی تھیں۔ اتنے میں انھوں نے بڑے پُر جوش انداز میں بتایا کہ ڈاکٹر صاحب نے فون رسیو کرلیا ہے۔ ہم نے فوراً معلم کے آدمی کو دیا اور اس سے کہا کہ وہ ڈاکٹر صاحب کو بولے کہ نمرہ ہاسپٹل کے سامنے آجائیں۔ ہمارا گیٹ اس کے تقریباً سامنے ہی تھا۔ کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر صاحب کا مسکراتا ہوا چہرہ نمودار ہوا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ ساتھیوں سے بچھڑ گئے تھے اور پھر راستہ بھٹک گئے تھے۔ اس طرح ہم لوگوں کی اور بالخصوص ان کی اہلیہ کی جان میں جان آئی۔ وہاں بے شمار افراد راستہ بھٹک جاتے ہیں۔ یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ لوگ پھر مل بھی جاتے ہیں۔

وقوفِ مزدلفہ

جب واپسی کا موقع آیا تو معلم کی جانب سے بس کے سلسلے میں کوئی واضح بات نہیں بتائی گئی۔ کبھی کہا گیا کہ بسیں چھ بجے آجائیں گی، کبھی کہا گیا کہ رات میں دس بھی

بچ سکتے ہیں اور کبھی یہ کہا گیا کہ بہت پیدل چلنا پڑے گا۔ گویا ہمیں عرفات سے پیدل ہی مزدلفہ اور پھر منیٰ کے لیے روانہ ہو جانا چاہیے۔ خیر ہم باہر سڑک پر آئے۔ کافی دیر کے بعد ہمارے مکتب کی دو ایک بسیں آئیں اور ہم لوگ انتہائی جاں فشانی کے ساتھ ایک بس میں سوار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اس میں سوار ہونا بھی کسی جہاد سے کم نہیں تھا۔ بس نے ہم لوگوں کو مزدلفہ میں مسجد مشعر الحرام سے کچھ مسافت پر چھوڑا۔

یہاں ہم لوگوں نے قیام کرنے کے لیے ایک جگہ متعین کی۔ خواتین نے الگ چٹائی بچھائی اور ہم لوگوں نے الگ۔ مگر دور نہیں پاس پاس۔ پھر مسجد مشعر الحرام میں جا کر نماز ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ مسجد تک جانا بھی آسان نہیں تھا۔ جہاں ہم لوگوں نے ٹھہرنے کا منصوبہ بنایا وہاں سے یہ مسجد کم از کم ڈیڑھ دو کلو میٹر رہی ہوگی لیکن لگتا تھا کہ بالکل سامنے ہے۔ جب ہم لوگ وہاں جانے لگے تو اِس جگہ کی نشانی متعین کر لی۔ ہم جوں جوں آگے بڑھتے گئے حجاج کا ازدحام بھی بڑھتا گیا۔ نہ سڑک کا کوئی حصہ بچا تھا نہ میدان کا جہاں حجاج کا قیام نہ ہو۔ جگہ جگہ اذان ہو رہی ہے اور لوگ نمازیں ادا کر رہے ہیں۔ گروہ در گروہ حاجیوں کی آمد کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ عجیب روح پرور منظر ہے۔ مسجد کے قریب پہنچے تو وہاں بہت رش پایا۔ کہیں تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں۔ لوگ چٹائیاں بچھا بچھا کے بیٹھے لیٹے ہیں۔ بہر حال کسی طرح مسجد کے پاس پہنچے، وضو کیا گیا اور نمازیں ادا کی گئیں۔ مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے بھی کہیں کوئی خالی جگہ نہیں۔ لوگ یا تو نمازیں ادا کر رہے تھے یا قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے یا پھر سوئے ہوئے تھے۔ بڑی مشکل سے راستے پر جہاں کچھ لوگ نماز ادا کر رہے تھے ہم لوگوں نے بھی ادا کی۔ مزدلفہ میں مخیّر حضرات کی جانب سے جگہ جگہ ٹرکوں سے پانی، ناشتہ اور کولڈ ڈرنک تقسیم کیا جا رہا تھا۔

جب واپس اپنی متعینہ جگہ پر آئے تو وہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا پایا۔ ہمارے قریب جو خالی جگہیں تھیں سب بھر گئیں۔ ہمارے پاس پاکستانی حجاج کا ایک بڑا قافلہ آیا اور اس نے وہاں گدے وغیرہ بچھائے، نمازیں ادا کیں، کھانا کھایا اور پھر گدے چھوڑ کر چلتے بنے۔ صبح کو جب ہم لوگ وہاں سے نکلنے لگے تو دیکھا کہ منیٰ کے خیمہ میں ملنے والی

چادریں پڑی ہوئی ہیں۔ لگتا ہے کہ کچھ لوگ لے آئے ہوں گے اور پھر یہاں چھوڑ گئے۔ حالانکہ یہ امانت میں خیانت تھی۔ ہم لوگوں نے بھی چٹائی یا چادر بچھائی اور سو گئے۔ کنچوں کے برابر کی کنکریوں پر عام دنوں میں تو سویا نہیں جاتا۔ لیکن آج لیٹتے ہی بہترین نیند آئی۔ نیند اس وجہ سے آگئی کہ ہم لوگ تکان سے چور تھے اور آرام کی سخت ضرورت تھی۔

منیٰ کو واپسی

ہمارے ایک ساتھی محمد انیس ماشاء اللہ کافی ذہین ہیں۔ عزیزیہ میں ہمارے کمرے کے برابر ان کا کمرہ ہے۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ ہیں۔ اس کمرے میں فراش خانہ دہلی کے ڈاکٹر محمد اعظم اور ان کی اہلیہ ہیں۔ محمد انیس اچھی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ ان کے مشورے پر ہی ہم لوگ رات میں منیٰ سے عرفات کے لیے نکلے تھے۔ بعد میں اندازہ ہوا کہ وہ انتہائی درست فیصلہ تھا۔ لہٰذا مزدلفہ میں ہم نے انھی کو اپنا قائد بنا لیا۔ ان کے مشورے پر عمل کرتے رہے۔ کافی تندرست، طویل القامت، توانا اور چاق و چوبند ہیں۔ جوان ہیں اس لیے جوش بھی کافی ہے۔ ان کی چابک دستی سے کئی جگہ آسانیاں ہوئیں۔ سونے سے قبل انھوں نے مختلف لوگوں سے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ یہاں سے منیٰ جانے کے لیے پیدل کا راستہ کون سا ہے اور یہاں سے منیٰ کی مسافت کتنی ہے۔ صبح اٹھے، نماز فجر ادا کی اور منیٰ کے لیے نکل پڑے۔ ہم جوں جوں آگے بڑھتے جا رہے ہیں حجاج کے قافلوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ جن لوگوں کو مزدلفہ اور منیٰ کی مشترکہ سرحد معلوم ہے وہ رات ہی میں سرحد پر پہنچ جاتے ہیں اور مزدلفہ کی حدود کے اندر قیام پذیر ہو جاتے ہیں۔ نماز فجر کے بعد وہ فوراً منیٰ کی سرحد کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کم بھیڑ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بہر حال ہم لوگ آگے بڑھتے گئے اور ازدحام بھی بڑھتا گیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد ایک فلائی اوور آیا۔ اس کے نیچے سے آگے بڑھے تو منیٰ کا علاقہ شروع ہو گیا۔ یہاں پہنچ کر اندازہ ہوا کہ ہم لوگ کافی اندر وقوف کیے ہوئے تھے۔ اگر پہلے ہی چلے آتے تو

آسانی کے ساتھ منیٰ پہنچ جاتے۔ خیر کچھ دور چلنے کے بعد بھیڑ اس قدر ہو گئی کہ چلنا مشکل ہو گیا۔ اب یہاں سڑک کی دونوں طرف پولیس کے جوان اور رضا کار نظر آنے لگے جو ٹریفک کنٹرول کر رہے تھے۔ کہیں کہیں سڑک کے درمیان میں بھی پولیس جوان ہوتے اور وہ اپنی حکمت عملی سے بھیڑ کو کنٹرول کرتے۔ اب یہاں منیٰ کے خیمے دکھائی دینے لگے۔ کچھ دور کے بعد ایک اور فلائی اوور آیا۔ محمد انیس نے ایک پولیس جوان سے اپنے خیمے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی فلائی اوور کے برابر سے چلے جائیں اس پر نہ چڑھیں۔ اتفاق سے ہم اسی سڑک پر ہیں جس پر ہمارا خیمہ ہے۔ یعنی جواہرہ روڈ۔ اس روڈ کا نمبر ۵۶ ہے اور ہمارے خیمے کا نمبر ۱۶ ہے۔ ہمارا پتہ ہے ۱۶ بٹا ۵۶۔ یعنی ۱۶ نمبر کا خیمہ اور ۵۶ نمبر کی روڈ۔ ہر خیمے کے پاس ایک پول ہوتا ہے اور اس پر یہ نمبر درج ہوتا ہے۔ یہی خیموں کا پتہ ہوتا ہے۔ تھوڑی دور آگے بڑھے تو کھمبوں پر خیموں کے پتے نظر آنے لگے۔ جب ہمارے خیمے سے پہلے والے نمبر دکھائی دیے تو ہماری خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ دراصل ہم لوگ تو تھکے ہی تھے خواتین زیادہ تھک گئی تھیں اور بار بار خیمے کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔

جان میں جان آئی

خدا خدا کر کے خیمہ آ گیا اور ہم لوگوں کی جان میں جان آئی۔ ناشتے کے بعد کم و بیش ایک گھنٹہ آرام کر کے ہم لوگ تقریباً دس بجے رمی کرنے نکل پڑے۔ دس ذی الحجہ کو رمی کرنے کا وقت فجر کے بعد سے اگلے روز صبح صادق تک ہے۔ لیکن باقی دنوں میں زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے۔ کچھ علماء نے بھیڑ کے پیش نظر اجازت دے دی ہے کہ کبھی بھی رمی کی جا سکتی ہے۔ لیکن بعض دوسرے علماء کا خیال ہے کہ جس نے زوال سے قبل رمی کی اور زوال کے بعد دوبارہ نہیں کی تو اس پر دم واجب ہو جائے گا۔ ہمارے خیمے سے جمرات تقریباً دو کلومیٹر دور ہے۔ یہاں سے بائیں جانب شیڈ کے نیچے سے ہو کر جو راستہ جاتا ہے وہ پہلی منزل پر لے جاتا ہے۔ شیڈ کے بعد اور مسجد خیف کے

سامنے سے ہی چڑھائی شروع ہو جاتی ہے اور حجاج پہلی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ جبکہ دائیں جانب والے دوسری اور اسی طرح تیسری منزل پر جاتے ہیں۔ ایک راستہ گراؤنڈ فلور پر لے جاتا ہے۔ آج یعنی دس ذی الحجہ کو صرف بڑے جمرے کو جسے جمرۂ عقبہ یا جمرۂ کبریٰ کہتے ہیں کنکری مارنی ہوتی ہے۔ گیارہ اور بارہ کو اور جو لوگ تیرہ کو رکیں ان کو تینوں جمروں کو کنکری مارنی ہوتی ہے۔

جمرہ عُقبہ نہیں جمرہ عَقَبہَ

اسے جمرہ عَقَبہَ اس لیے کہتے ہیں کہ یثرب کے بارہ افراد نے یہیں اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی تھی۔ الرحیق المختوم (مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری) کے مطابق نبوت کے گیارہویں سال میں موسم حج میں یثرب کے چھ افراد نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ انھوں نے رسول اللہؐ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنی قوم میں جا کر آپ کی رسالت کی تبلیغ کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال جب موسم حج آیا تو بارہ آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ سے منیٰ میں عقبہَ کے پاس ملاقات کی اور آپ سے چند باتوں پر بیعت کی۔ یہ باتیں وہی تھیں جن پر آئندہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ کے وقت عورتوں سے بیعت لی گئی تھی۔ عقبہ (ع، ق، ب تینوں پر زبر) پہاڑ کی گھاٹی یعنی تنگ پہاڑی گزرگاہ کو کہتے ہیں۔ مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے منیٰ کے مغربی کنارے پر ایک تنگ پہاڑی راستے سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہی گزرگاہ عَقَبہَ کے نام سے مشہور ہے۔ دسویں ذی الحجہ کو جس ایک جمرہ کو کنکری ماری جاتی ہے وہ اسی گزرگاہ کے سرے پر واقع ہے۔ اس لیے اسے جمرۂ عَقَبہَ کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام جمرۂ کُبریٰ بھی ہے۔ باقی دو جمرے اس سے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہاں اُس وقت جو پہاڑ تھا اُسے کاٹ کر اب کشادہ سڑکیں بنا دی گئی ہیں۔ بہت سے لوگ اسے جمرۂ عُقبہ کہتے ہیں۔ ہم خود لاعلمی میں اسے یہی کہتے رہے ہیں۔ لیکن حج سے واپس آنے کے بعد جب تیسری بار الرحیق المختوم کا مطالعہ کیا تو جہاں بہت سی باتیں صاف ہوگئیں وہیں یہ

لفظ بھی صحیح تلفظ کے ساتھ ہمارے سامنے آ گیا۔

دس ذی الحجہ کو کنکری مار کر ہم تقریباً ظہر کے وقت اپنے خیمہ میں پہنچے۔ مغربی یو پی سے تعلق رکھنے والے ہمارے خیمے کے ایک بزرگ حاجی صاحب جب چھوٹے جمرے کے پاس پہنچے تو انھوں نے اس سے مخاطب ہوتے ہوئے اپنی زبان میں از راہ مذاق کہا ''تو ہ وے سے تو کل نپٹوں گا، آج بڑے والے سے نپٹ لوں''۔

انہی سے جب منیٰ آنے سے قبل ایک روز ان کے روم پارٹنر نے پوچھا کہ آج طواف کرنے حرم نہیں گئے؟ تو انھوں نے معصوم سا سوال کیا کہ ''کیا روز روز جاوے ہیں؟''۔ وہ بھی مذاق کے موڈ میں تھے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں روز جا کر طواف کرنا ہے۔ اس پر انھوں نے کہا:

''کب تک رہ وے گی یہ مصیبت''۔

کچھ حاجی صاحبان تو بڑے سادہ لوح ہوتے ہیں۔ مغربی یو پی ہی کے ایک اور حاجی صاحب لاعلمی کی وجہ سے جمرات کو بار بار ''جمراج'' بول رہے تھے۔ انھوں نے سوچا ہوگا کہ آج جمراج کا کام تمام کر دینا ہے۔

طواف افاضہ، سعی اور رمی جمرات

کل یعنی دسویں ذی الحجہ کو ہم لوگوں نے صرف بڑے جمرے کی رمی کی۔ حج پر روانہ ہونے سے قبل ذاکر نگر، نئی دہلی میں ہمارے پڑوس کی مسجد اصلاح کے امام مولانا قاری عارف جمال نے عازمین حج کو دس دنوں تک بڑی مفید ٹریننگ دی تھی۔ ٹریننگ دینے کے ان کے سلیقے، ان کی معلومات اور ایک ایک بات کو بہت اطمینان وسکون کے ساتھ بتانے کے ان کے انداز کے پیش نظر ہمارے ذہن میں بار بار یہ خیال آتا رہا اور اب بھی آرہا ہے کہ وہ اگر یہ تمام تفصیلات ایک جگہ جمع کر دیں اور اسے کتابی شکل میں چھپوا دیں تو اس سے ان لوگوں کو جو ٹریننگ میں نہیں آپاتے، فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ حالانکہ زیادہ مفید ٹریننگ میں ذاتی طور پر پہنچنا ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی اگر یہ کتاب چھپ جائے تو حاجی صاحبان ٹریننگ کے بعد بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں یا ٹریننگ میں جو چیزیں سیکھی تھیں ان کا اعادہ کر سکتے ہیں، انھیں دوہرا سکتے ہیں۔ انہی قاری عارف جمال صاحب نے یہ بات بار بار بتائی تھی کہ دسویں ذی الحجہ کو صرف بڑے جمرے کی رمی کریں اور واپس خیمہ میں آجائیں۔ عرفات اور مزدلفہ کی تکان آپ پر حاوی رہے گی اس لیے اس روز طواف زیارہ یا طواف افاضہ نہ کریں۔ بلکہ گیارہ ذی الحجہ کو کریں۔ انھوں نے اسے بڑے دلچسپ انداز میں بتایا تھا کہ دس کو طواف افاضہ کو چھیڑیں نہیں اور بارہ کے لیے چھوڑیں نہیں۔ کیونکہ اگر بارہ کے لیے چھوڑا اور خدانخواستہ کسی وجہ سے اس دن نہیں کر پائے تو دم لازم آجائے گا۔ ان کی یہ بات ہمارے ذہن میں محفوظ تھی۔ لہٰذا ہم لوگوں نے بھی گیارہ کو طواف افاضہ کرنے کا پلان بنایا۔ ہمارے عزیز مولانا محمد شعیب نے بھی اسی کا مشورہ دیا تھا۔

ہم لوگ گیارہ ذی الحجہ کو مولانا شعیب کے ساتھ صبح کے تقریباً سات بجے طواف

افاضہ کے لیے نکلے۔ ارادہ یہ تھا کہ پہلے طواف وسعی کریں اور اس کے بعد واپسی میں رمی کر کے خیمے میں واپس آجائیں۔ جب ہم لوگ جمرات پر پہنچے تو دیکھا بہت سے لوگ اس وقت بھی رمی کر رہے ہیں۔ حالانکہ رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے۔ آگے بڑھے تو بڑے بڑے بورڈ نظر آئے جن پر مکہ جانے اور بس اسٹینڈ کے لیے اشارے بنے ہوئے تھے۔ ہم بس اسٹینڈ کی تلاش میں نکلے۔ چلتے رہے اور چلتے ہی رہے۔ کافی دور جانے کے بعد ایک پولیس والے سے اسٹینڈ کے بارے میں پوچھا تو اس نے سامنے کی جانب اشارہ کیا۔ کچھ دور کے بعد اسٹینڈ پر پہنچے مگر وہاں کوئی بس نہیں تھی۔ کچھ پرائیویٹ بسیں تھیں جو غالباً حاجیوں کی تھیں۔ کچھ دور اور آگے گئے تو اس جگہ پہنچ گئے جہاں ٹریفک چالو تھا۔ مولانا شعیب نے یہ سوچ کر کہ ہم لوگوں کے ساتھ دو معصوم بچے بھی ہیں ایک ٹیکسی کرائے پر لی۔ اس نے بتایا کہ وہ باب عبدالعزیز کی جانب چھوڑے گا۔ دس منٹ کے اندر اندر ہم وہاں پہنچ گئے۔ بچوں کی ٹرالی اور دوسرا سامان لاکر میں جمع کرنا چاہا مگر وہ بند تھا۔ لہٰذا کلاک ٹاور کے نیچے ایک جگہ ٹرالی کو ایک ریلنگ میں تالا لگا کر اللہ کے بھروسے چھوڑ دیا۔ جو کھانے پینے کا سامان یا پھل فروٹ وغیرہ تھا وہ سب ٹرالی کی پشت پر لگے تھیلے میں رکھ دیا۔

ایسا رش کبھی نہیں دیکھا

ہم تقریباً سات بجے خیمے سے نکلے تھے اور اب پونے دس بج رہے ہیں۔ اس دوران دس منٹ کے علاوہ باقی تمام وقت پیدل ہی چلتے گزرا ہے۔ خیر وضو وغیرہ سے فراغت کے بعد باب عبدالعزیز سے حرم میں داخل ہونے کے لیے آگے بڑھے۔ لیکن مسجد میں داخل ہونے کے لیے رش کا جو عالم آج دیکھا اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ ہم ۲۷/ جولائی سے روزانہ حرم آرہے ہیں اور آج ۲۲/ اگست ہے۔ اندر جانا جوئے شیر لانے کی مانند تھا۔ لوگ ایک دوسرے پر گرے پڑ رہے تھے۔ اگر ہم لوگوں نے جن کی تعداد دو بچوں کو لے کر سات تھی، ایک دوسرے کو انتہائی سختی سے نہ پکڑ رکھا ہوتا تو کوئی نہ کوئی ضرور کھو جاتا۔ کسی طرح اندر پہنچے اور انتہائی بھیڑ میں طواف کیا۔ سنت طواف ادا کی اور سعی کے لیے نکل پڑے۔

باب فتح اور باب اسماعیل کے درمیان سے آگے بڑھے اور چاہا کہ گراؤنڈ فلور سے سعی کر لی جائے۔ لیکن جب اس کی جانب لے جانے والے زینے کے پاس پہنچے تو وہاں ہزاروں افراد سے سابقہ پڑا۔ پولیس والوں نے راستہ بند کر رکھا ہے۔ وہ آگے جانے کی ہدایت دے رہے ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ وہیں سے جانے کے لیے بضد ہیں۔ چونکہ گراؤنڈ فلور پر سعی میں بے پناہ رش ہے اس لیے پولیس حاجیوں کو اوپر بھیجنا چاہتی ہے۔ یہاں ایسی دھکا مکی ہوئی کہ ہم لوگوں کا ہاتھ ایک دوسرے سے چھوٹ گیا اور سب ادھر ادھر ہو گئے۔ کسی طرح آگے بڑھے اور ایک نسبتاً کم بھیڑ والی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد رفتہ رفتہ سب وہیں پہنچ گئے اور اس طرح ہم لوگوں کے چہروں پر اڑنے والی ہوائیاں مسرتوں کی پر چھائیوں میں بدل گئیں۔

بے سمتی کے شکار

سعی کے لیے ہم لوگ پہلی منزل پر گئے۔ غالباً پانچویں چکر میں تھے کہ ظہر کی اذان ہو گئی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد سعی مکمل کی اور مروہ کی جانب ایک فلائی اوور کے پاس باہر نکل آئے۔ لیکن چونکہ ہمیں باب عبد العزیز تک جانا تھا اس لیے دوبارہ اندر گئے اور باب السلام کی شمالی جانب توسیع ملک عبد اللہ سے باہر نکلے۔ یعنی ہم ان خیموں کی طرف پہنچ گئے جو عزیزیہ سے آنے والی بسوں کے اسٹینڈ کے طور پر استعمال ہو رہے ہیں۔ ہم نے سوچا کہ ادھر سے باہر باہر باب عبد العزیز تک چلے جائیں گے۔ حالانکہ انتہائی شدید دھوپ ہے اور باہر چلنا مشکل ہے۔ پھر بھی ہمت کی اور آگے بڑھے۔ زم زم پینے کے بعد جو آگے جانے کی کوشش کی تو دیکھا کہ پولیس نے راستہ بند کر رکھا ہے۔ ہم خیمے کے پاس پہنچ گئے کہ ادھر سے جو لوگ حرم میں داخل ہونے کے لیے آرہے ہیں ان کے ساتھ چلے جائیں گے۔ لیکن وہاں اس طرح راستہ بند کر رکھا ہے کہ ان تک پہنچنا ناممکن ہے۔

اب پھر مجبور ہو کر ہم لوگ حرم میں داخل ہوئے اور صفا کی جانب بڑھے۔ انتہائی رش کی وجہ سے راستہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ کافی پیدل چلنے، نیچے اوپر ہونے، کچھ

ستانے اور پولیس والوں سے پوچھنے کے بعد خدا خدا کر کے کم وبیش آدھے پونے گھنٹے کے بعد باب عبدالعزیز کی جانب نکلنے میں کامیاب ہو سکے۔ ہم لوگوں کے مقابلے میں بچے زیادہ تھک گئے ہیں۔ باہر نکلے، ٹرالی لی اور جمرات تک جانے کے لیے ٹیکسی کی تلاش شروع ہوئی۔ یہاں بے شمار افراد ٹیکسیوں کے منتظر ہیں۔ لوگ آگے جا کر ٹیکسی لے رہے ہیں۔ مولانا محمد شعیب بھی آگے چلے گئے اور کافی دیر کے بعد ایک ٹیکسی لے کر آئے۔ اس دوران ہم لوگ دھوپ میں کھڑے رہنے پر مجبور تھے۔ یہاں شدت کے ساتھ یہ بات محسوس ہوئی کہ ٹیکسی کے منتظرین کے لیے کم از کم سائبان ضرور ہونا چاہیے۔ حرم شریف کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ یہاں سائبان بنائیں اور ان کے نیچے بینچ فکس کر دیں تاکہ لوگوں کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔

ٹیکسی کے بجائے پیدل بہتر

یہاں سے جمرات کا فاصلہ زیادہ نہیں ہے۔ بمشکل چار پانچ کلومیٹر ہے۔ پیدل والے راستے پر ہزاروں کی تعداد میں حاجی چل رہے ہیں۔ ہم لوگ تقریباً ڈیڑھ دو کلومیٹر گئے ہوں گے کہ ٹریفک جام مل گیا۔ معلوم ہوا کہ آگے پولیس نے راستہ روک رکھا ہے۔ کسی طرح ٹیکسی رینگتے ہوئے کچھ دور تک گئی اور جب آگے جانے کا راستہ نہیں رہا تو ڈرائیور نے وہیں یعنی شارع النور کے پاس اتار دیا۔ اس نے بتایا کہ وہ سامنے جو ٹی پوائنٹ دکھائی دے رہا ہے وہاں سے دائیں جانب چلنے کے بعد جمرات آجائے گا۔ اس نے ایسے بتایا کہ بس ٹیکسی سے نکلے اور پہنچ گئے۔

مرتا کیا نہ کرتا۔ ہم لوگ ٹیکسی سے اتر گئے۔ تکان اور دھوپ کی وجہ سے ہمارے چہرے بھی اترے ہوئے تھے۔ پیدل آگے بڑھے۔ کچھ دور جانے کے بعد دیکھا کہ ایک شخص پانی کی بوتل تقسیم کر رہا ہے۔ اس سے دو تین بوتلیں مانگیں مگر اس نے کہا کہ نہیں ایک شخص کو ایک۔ کچھ دور آگے بڑھے تو دیکھا کہ کوئی وی آئی پی قافلہ آرہا ہے۔ شاید انہی لوگوں کی وجہ سے راستہ بند کر دیا گیا تھا۔

بہر حال ٹی پوائنٹ سے دائیں جانب آگے بڑھے تو ایک فلائی اوور آیا جس کے نیچے ہزاروں حاجی بستر لگائے پڑے ہوئے ہیں۔ وہاں سے آگے بڑھے تو سامنے جمرات نظر آیا۔ لیکن اس تک پہنچنے میں کافی وقت لگا۔ ہم تقریباً چار بجے جمرات پہنچے۔ جس راستے پر ہم ہیں یہ تیسری منزل پر لے جاتا ہے۔ اسی لیے رمی کرنے کے بعد کافی دور تک آگے جانا پڑتا ہے۔ اس کے بعد یوٹرن لیتے ہیں اور پھر مسجد خیف والے راستے پر پہنچتے ہیں۔ صبح سات بجے سے مسلسل پیدل چلنے کی وجہ سے سب کی حالت غیر ہو رہی ہے۔ رمی کرنے کے بعد واپس ہوئے اور پھر تقریباً چھ بجے اپنے خیمہ میں پہنچے۔ اس طرح گویا گیارہ گھنٹے مسلسل پیدل چلنا پڑا۔ ذرا سوچیے جو شخص دن میں نصف گھنٹہ بھی پیدل نہ چلتا ہو اس کو گیارہ گھنٹے اور وہ بھی بھیڑ میں چلنا پڑے تو اس کی کیا حالت ہوگی۔

خیمہ میں پہنچے تو طواف افاضہ کر کے واپس آنے والے دوسرے حاجی بھی رفتہ رفتہ پہنچنے لگے۔ ہر شخص نڈھال اور پریشان۔ لوگ آتے ہی بستر پر گر رہے ہیں۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ آج پتہ چلا کہ حج کیا ہوتا ہے۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ آج تو مر گئے۔ کسی نے کہا کہ اب یہاں سے مر کر ہی جائیں گے۔ کسی نے تبصرہ کیا کہ حج صرف جوانوں کے لیے ہے۔ حج کے بعد جب بچوں سے فون پر گفتگو ہوئی تو ہماری اہلیہ نے بچوں کو ہدایت دی کہ اگر اللہ تعالیٰ استطاعت دے تو تم لوگ جوانی ہی میں حج کر لینا بڑھاپے کا انتظار مت کرنا۔

ساری احتیاط دھری رہ گئی

یہاں یہ بات بھی بتاتے چلیں کہ ہم نے مدینہ اور بالخصوص مکہ میں کھانے پینے میں بہت احتیاط برتی تھی۔ کسی ایسی چیز کے لالچ میں نہیں پڑے جو صحت کے لیے نقصاندہ ہو۔ جدہ میں مقیم ہمارے چھوٹے بھائی عزیزم قمر جمال انجم نے عزیزیہ میں اپنے ایک دوست محمد ابرار کو ہماری آمد کے بارے میں بتا دیا تھا۔ انھوں نے ہمیں فون کر کے ہمارا پتہ لیا اور جس روز ہم پہنچے اسی روز کھانے پینے کی بہت ساری اشیا لے کر آ گئے۔ ان کے دیے ہوئے سامان میں سے کافی سامان آخر تک ختم نہیں ہوا۔ انھوں نے ہمیں بہت

معقول مشورہ دیا۔ انھوں نے کہا کہ آپ دوسروں کی مانند یہاں بہت زیادہ محنت مت کیجیے گا۔ ہو سکے تو روز حرم مت جایئے گا۔ کھانے پینے میں بھی محتاط رہیے گا۔ لوگ یہاں جوش میں آکر بہت زیادہ عبادت کرتے ہیں۔ روزانہ کئی کئی طواف کرتے ہیں۔ کھانے پینے میں احتیاط نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے وہ بیمار پڑ جاتے ہیں۔ یہاں اگر کوئی بیمار پڑ جائے تو جلد ٹھیک نہیں ہوتا۔ آپ بہت کیجیے گا تو روز ایک طواف معمول بنایئے گا اس سے زیادہ نہیں۔ آپ خود کو ان پانچ دنوں کے لیے بچا کر رکھیے جس کے لیے آپ آئے ہیں۔ اگر خدانخواستہ بیمار پڑ گئے اور زیادہ بیمار ہو گئے تو حج کے متاثر ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ اپنی صحت کو حج کے لیے محفوظ رکھیے۔ ہم نے ان کے مشورے پر عمل کیا۔ حرم تو روز جاتے مگر ایک طواف اور فرض نمازوں اور کچھ نوافل تک خود کو محدود رکھتے۔ ہم نے اپنی بلڈنگ کے کئی لوگوں کو دیکھا کہ وہ کئی کئی عمرے کر رہے ہیں۔ روزانہ پانچ پانچ چھ چھ طواف کر رہے ہیں۔ پھر بیمار پڑ رہے ہیں۔ گولیاں کھا کر آرام کر رہے ہیں۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ہم لوگ بیماری سے دور رہے۔

ہم نے ٹھنڈے پانی سے بھی گریز کیا۔ ہم دہلی میں بھی کافی دنوں سے نارمل پانی پی رہے تھے۔ تاکہ حج کے موقع پر ہم بیمار نہ پڑ جائیں۔ یوں بھی ہم ذرا سا ٹھنڈا پانی پی لیں تو ہمارا گلا خراب ہو جاتا ہے جو رفتہ رفتہ انفیکشن میں بدل جاتا ہے اور ہم ایک عرصے تک پریشان رہتے ہیں۔ ہم نے یہاں کبھی بھی ٹھنڈا پانی یا ٹھنڈا مشروب نہیں پیا۔ ہم آب زم زم بھی NOT COLD والا یعنی نارمل پیتے رہے۔ لیکن طواف افاضہ کے روز جب گیارہ گھنٹے شدید دھوپ میں پیدل چلنا پڑا تو ساری احتیاط دھری کی دھری رہ گئی۔

مکہ میں جگہ جگہ سڑک کے دونوں طرف پانی کی ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ کہیں زم زم کی تو کہیں سادے پانی کی۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہر جگہ انتہائی ٹھنڈا پانی۔ اگر کوئی دھوپ سے پریشان ہے اور پیاس کا مارا ہے تو اسے یہ ٹھنڈا پانی بڑی راحت پہنچاتا ہے۔ منیٰ کے خیمے سے مکہ جاتے ہوئے اور مکہ سے جمرات اور منیٰ واپس آتے ہوئے ہمیں بارہا پیاس کی شدت کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم وہی ٹھنڈا پانی پینے پر مجبور رہے۔ نتیجتاً ہمارا گلا خراب ہو گیا۔ نزلہ

زکام نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ یہ گرفت دہلی آنے کے بعد اور سخت ہوگئی۔ دہلی میں بھی کم و بیش ایک ماہ تک پریشانی میں مبتلا رہے۔ ہمارے دوست محمد عمران کو تو دہلی آتے ہی نمونیہ ہوگیا۔ وہ بھی کم از کم پندرہ دنوں تک گھر میں قید رہنے پر مجبور رہے۔ اس لیے حج پر جانے والوں کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے۔ ایک تو وہ حج سے قبل بہت زیادہ محنت نہ کریں اور دوسرے کھانے پینے میں خوب احتیاط برتیں۔ ورنہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

رمی کے لیے جاؤ، مت جاؤ

اگلے روز یعنی بارہ ذی الحجہ کو زوال کے بعد رمی کرنے کا پلان بنایا اور یہ بھی طے کیا گیا کہ آج ہی منیٰ سے نکل جانا ہے ورنہ یہ رات بھی گزارنی پڑے گی اور پھر ۱۳ ذی الحجہ کو واپسی ہو سکے گی۔ چونکہ بیشتر حاجی ۱۲ کو ہی رمی کر کے منیٰ سے نکلنا چاہتے ہیں اس لیے جمرات پر زبردست رش ہو جاتا ہے۔ منتظمین نے اس رش کو کم کرنے کا پلان اس طرح بنایا کہ الگ الگ مکتبوں کے لیے الگ الگ اوقات مقرر کر دیے۔ ایک مکتب میں کئی خیمے ہوتے ہیں۔ ہر خیمے کے لیے بھی الگ الگ وقت مقرر کر دیا۔ حالانکہ اس پر عمل مشکل ہوتا ہے۔

ہم جس خیمے میں ہیں یہاں دسیوں الگ الگ خیمے ہیں۔ یہاں آنے کے لیے ایک مین گیٹ ہے۔ ایک مطبخ کی جانب گیٹ ہے۔ اس کے علاوہ ہر خیمے کے بیرونی کنارے پر جو کہ باہری سڑک کی جانب ہے باہر جانے کا ایمرجنسی راستہ ہے۔ ہمارے مکتب کے ذمہ داروں نے صبح ۹ بجے تمام راستے بند کر دیے۔ وہ کسی کو باہر نہیں جانے دے رہے تھے۔ البتہ باہر سے آنے والوں کو بڑی منت سماجت کے بعد آنے دیتے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ رمی کرنے نہ چلے جائیں۔ وہاں تعینات نوجوانوں نے بتایا کہ بارہ بجے گیٹ کھلے گا۔ جبکہ بعض دیگر مکتبوں میں معلم کی جانب سے صبح سات بجے سے ہی یہ اعلان کیا جاتا رہا کہ لوگ جا کر رمی کر لیں۔ یعنی زوال سے قبل ہی لوگوں کو رمی کے لیے نکالا جاتا رہا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ جمرات پر ہونے والی بھیڑ روکی جائے۔ ہمارے خیمے کا گیٹ بارہ بجے کھلا۔ ہم لوگ رمی کرنے چلے گئے۔

واپس آکر کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد از خود عزیزیہ واپس جانے کا فیصلہ کیا۔

رمی کا قابل دید منظر

پہلے رمی کرنے کے لیے جمرات پر کوئی منزل نہیں تھی۔ لوگ رمی کر کے اسی راستے سے واپس بھی آتے تھے جس کی وجہ سے بھگدڑ سی مچ جایا کرتی تھی اور جانی نقصان ہو جاتا تھا۔ لیکن اب جمرات پر چار منزلیں تعمیر کر دی گئی ہیں۔ یعنی گراونڈ پلس تھری۔ جمروں کی چوڑائی بھی بڑھا کر ۸۰ میٹر کر دی گئی ہے۔ الگ الگ منزلوں پر جانے اور مڑنے کے راستے بھی الگ الگ بنائے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک طرف کے خیموں کا راستہ گراؤنڈ فلور پر جاتا ہے اور حجاج کو رمی کر کے وہیں سے فوراً بائیں طرف سے یوٹرن لے کر واپس آجانا ہوتا ہے۔ کسی اور طرف کے خیموں کا راستہ پہلی منزل پر جاتا ہے اور رمی کر کے گراؤنڈ سے تھوڑا آگے چل کر یوٹرن لینا پڑتا ہے۔ اسی طرح تیسری منزل والے کسی اور خیموں کی طرف سے آتے ہیں اور رمی کے بعد وہ کافی آگے تک جا کر یوٹرن لیتے ہیں۔ اس طرح بھیڑ کو کئی منزلوں پر منتشر کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہاں ازدحام کا کوئی خطرہ نہیں رہ گیا۔ کچھ لوگ جوش میں آکر پہنچتے ہی کنکری مارنے کے لیے دوڑ پڑتے ہیں جس کی وجہ سے بالکل آگے کی طرف زیادہ بھیڑ رہتی ہے۔ ہم آگے بڑھ جاتے تھے اور آخری سرے سے رمی کرتے تھے جہاں میدان بالکل خالی رہتا تھا۔ رمی کا منظر قابل دید ہوتا ہے۔ اگر اچانک نظر پڑے تو یوں لگتا ہے سائیکلوں پر پیڈل مارا جا رہا ہے۔ البتہ واپسی کا راستہ ایک ہی ہے جو مسجد خیف سے گزرتا ہے۔ جس کی وجہ سے واپسی میں انسانی ٹریفک جام ہو جاتا ہے۔

۲۰۱۵ء میں منیٰ میں بھگدڑ مچنے سے متعدد حاجی ہلاک ہوئے تھے۔ اس کے بعد حکومت نے ''منیٰ پروجیکٹ'' شروع کیا جس کے تحت بھیڑ کو کنٹرول کرنے اور انفرااسٹرکچر پر اربوں ڈالر خرچ کیے گئے۔ جمرات پر ایک ہزار سی ٹی وی کیمرے نصب کیے گئے ہیں۔ جبکہ لوگوں کی آمد و رفت کو آسان بنانے کے لیے بڑی تعداد میں پولیس اور

رضا کار تعینات کیے جاتے ہیں۔ حج وعمرہ کے پروجیکٹ مینجمنٹ کے ڈائرکٹر کا کہنا ہے کہ سی سی ٹی وی کیمروں سے وہاں مسلسل نظر رکھی جاتی ہے۔ جہاں بھی یہ محسوس ہوا کہ بھیڑ خطرناک حد تک بڑھ رہی ہے فوراً متعلقہ اسٹاف کو ہدایت دی جاتی ہے اور وہ حرکت میں آکر صورت حال کو سنبھال لیتا ہے۔ اس کے علاوہ جمرات پر لاتعداد بڑے بڑے اے سی نصب ہیں جس کی وجہ سے وہاں درجہ حرارت ۲۹ ڈگری سے آگے نہیں بڑھ پاتا۔

معلم کی غیر ذمہ داری

معلم کی ذمہ داری منیٰ میں حاجیوں کے لیے کھانے کا انتظام کرنے کے علاوہ ان کے لیے بسوں کا انتظام کرنا بھی ہوتا ہے۔ یعنی مدینہ یا جدہ ایئرپورٹ سے ہوٹل تک، ہوٹل سے مکہ یا مدینہ تک، عزیزیہ سے حرم اور حرم سے عزیزیہ تک، عزیزیہ سے منیٰ عرفات واپس مزدلفہ اور منیٰ تک اور پھر منیٰ سے واپس عزیزیہ تک اور آخر میں ایئرپورٹ تک۔ ایک رپورٹ کے مطابق مذکورہ خدمات کے لیے معلموں کو فی حاجی تیس ہزار روپے بطور فیس دیے جاتے ہیں۔

ہم لوگوں کو اس بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی گئی کہ ۱۲ر ذی الحجہ کو بس ملے گی یا نہیں اور اگر ملے گی تو کب ملے گی۔ اڑتی پڑتی افواہ ایسی سنی گئی کہ بس ۱۳ر ذی الحجہ کو رات میں دس بجے ملے گی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ایسا اس لیے کہا گیا تاکہ حجاج پیدل ہی عزیزیہ چلے جائیں اور انھیں بس فراہم کرنے کی جھنجھٹ ہی ختم ہو جائے۔ ہمارے دوستوں نے بتایا کہ وہ سامنے جو فلائی اوور دکھائی دے رہا ہے وہاں سے عزیزیہ تک بس یا ٹیکسی مل جائے گی۔ ہم لوگ ہمت کر کے وہاں تک چلیں۔ یہ وہی فلائی اوور ہے جو مزدلفہ سے منیٰ آتے ہوئے ملا تھا۔

بہر حال ہم لوگ تقریباً ساڑھے چار بجے مع سامان پیدل ہی عزیزیہ کے لیے نکل پڑے۔ پندرہ بیس منٹ میں فلائی اوور پر پہنچ گئے۔ یہاں چاروں طرف زبردست ازدحام دیکھا گیا۔ بسیں تو کئی کھڑی ہیں مگر سب کی سب بھری ہیں اور جس سے بھی پوچھیے

وہ انکار کر رہا ہے۔ ٹیکسی کا دیدار تک نہیں ہوا۔ خیر ہم لوگ پیدل چلتے رہے، چلتے رہے۔ فلائی اوور اترنے کے بعد کچھ دور چلے ہوں گے کہ منیٰ کی سرحد ختم ہونے کا بورڈ نظر آیا۔ مسرت ہوئی۔ یعنی اب اگر یہاں غروب آفتاب بھی ہو جائے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔

خیر ہم لوگ پیدل چلتے رہے۔ ہمارے ساتھ ہزاروں لوگ بھی چل رہے ہیں۔ میلے کا سماں ہے۔ بالکل سامنے اونچے اونچے ٹاور نظر آ رہے ہیں۔ پتہ چلا کہ یہ عزیزیہ کے وہی ٹاور ہیں جن میں پاکستانی حجاج قیام پذیر ہیں اور جن کے سامنے سے ہم اکثر و بیشتر گزرتے رہے ہیں۔ بس انہی ٹاوروں پر نظر جما کر آگے بڑھتے رہے۔ رفتہ رفتہ عزیزیہ بھی آ گیا اور پھر ہم تکان کے باوجود جوش خروش کے ساتھ اپنی منزل کی جانب بڑھنے لگے۔ اس طرح ڈھائی گھنٹے تک متواتر چلنے کے بعد ہم لوگ تقریباً سات بجے اپنی بلڈنگ میں پہنچے۔

کھجوروں کی حفاظت ضروری

جن عازمین حج کی ابتدائی تاریخوں میں روانگی ہوتی ہے انھیں پہلے مدینہ منورہ لے جایا جاتا ہے اس کے بعد مکہ مکرمہ۔ پھر جدہ سے ان کی واپسی ہوتی ہے۔ لیکن جن کی آخری تاریخوں میں روانگی ہوتی ہے انھیں پہلے مکہ مکرمہ اور پھر مدینہ منورہ لے جایا جاتا ہے۔ ان کی واپسی مدینہ ایئرپورٹ سے ہوتی ہے۔ یوں تو حاجی حضرات وہاں بہت شاپنگ کرتے ہیں اور اعزا و اقربا اور دوست احباب کے لیے تحائف لے کر آتے ہیں۔ حاجی اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق چیزیں خریدتے ہیں۔ لیکن ان تحائف میں دو تحفے ایسے ہوتے ہیں جو ہر حاجی لے کر آتا ہے۔ ان کے بغیر تحائف کا سرمایہ مکمل نہیں ہوتا۔ وہ ہیں آب زم زم اور کھجور۔ علامہ اقبال نے کہا ہے کہ:

زائران کعبہ سے اقبال یہ پوچھے کوئی
کیا حرم کا تحفہ زم زم کے سوا کچھ بھی نہیں

اب پتہ نہیں اقبال زم زم کے سوا کیا چاہتے تھے۔ لیکن حاجیوں کی سب سے زیادہ دلچسپی انہی دونوں اشیا میں ہوتی ہے۔ وطن میں بھی لوگ انہی دونوں اشیا کے منتظر ہوتے

ہیں۔ خیر یہ تو اقبال کا معاملہ تھا وہ جانیں کہ انھوں نے ایسا کیوں کہا۔

مدینہ میں کھجور بہت اچھی اور سستی ملتی ہے۔ مکہ میں بہت مہنگی ملتی ہے۔ جو لوگ مدینہ ہوتے ہوئے اپنے وطن لوٹتے ہیں ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں۔ واپسی سے دو ایک روز قبل کھجور کی خریداری کر لیتے ہیں۔ لیکن جن کی آمد پہلے مدینہ ہوگئی ہے وہ کیا کریں؟ اگر وہ اسی وقت یعنی وطن واپسی سے سوا مہینے قبل ہی کھجور نہ خریدیں تو خالی ہاتھ آئیں گے۔ یا پھر وہ مکہ سے مہنگی کھجور لیں۔ اس لیے بہت سے بلکہ تقریباً تمام حاجی مدینہ ہی سے کھجور لے لیتے ہیں۔ کچھ تھوڑی بہت اور لینی ہوتی ہے تو مکہ سے لیتے ہیں۔ لیکن اس معاملے میں بڑی سمجھداری کی ضرورت ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ مدینہ کے کاروباری کمرہ نما فریج میں کھجور رکھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ خراب نہیں ہوتی۔ مکہ میں حاجی حضرات جہاں قیام کرتے ہیں ان کو اسی کمرے میں کھجور رکھنی ہے۔ اگر چہ اے سی چلتا رہتا ہے لیکن پھر بھی اگر سمجھداری سے خریداری نہیں کی گئی ہے تو کھجور کے خراب ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

جو سمجھدار اور تجربہ کار حاجی ہیں یا جو اپنے مقامی دوستوں کے ساتھ جا کر کھجور خریدتے ہیں وہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ ایسی کھجور لیں جو خراب نہ ہو۔ اس لیے جانکاروں کا کہنا ہے کہ چونکہ گرمی کے موسم میں کھجور ہوتی ہے اس لیے اگر گرمی میں جانا ہوا ہے تو اسی فصل کے بجائے پچھلی فصل کی کھجور خریدیں۔ یعنی وہ کھجور نہ لیں جس میں نمی ہو بلکہ خشک لیں چاہے مہنگی ہی کیوں نہ ملے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی خیال رکھیں کہ مکہ میں جہاں ان کا قیام ہے وہاں دو ایک بار اسے کھول کر دیکھ بھی لیں۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ اے سی ہمیشہ نہیں چلتا۔ کبھی بند بھی کرنا پڑتا ہے۔ اور پھر جب حاجی حج کے لیے منیٰ اور عرفات جاتے ہیں تو پانچ روز تو اے سی بالکل ہی بند رہتا ہے۔ اس لیے جب حاجی حج کر کے منیٰ سے واپس آئیں تو سب سے پہلا کام یہ کریں کہ کھجور کھول کر دیکھ لیں کہ خراب تو نہیں ہوئی ہے۔ اگر کچھ اندیشہ ہو تو اسے کھلے میں رکھ دیں۔ کیونکہ واپسی پر دو روز پھر اسے اے سی کی ٹھنڈک نہیں ملے گی۔ جو حاجی حضرات اس معاملے میں احتیاط نہیں کرتے ان کو کفِ افسوس ملنا پڑتا ہے۔

کیفیات و واردات

(دوران طواف)

ہم نے اپنے سابقہ سفرنامہ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی کہ حجاج طواف کعبہ کے دوران کن کیفیات میں مبتلا ہوتے ہیں، ان پر کیا گزرتی ہے۔ ہم یہاں اس سے الگ ہٹ کر کچھ واقعات پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ اس ارض مقدس کی یہ ہماری تیسری حاضری تھی۔ جب بھی کوئی شخص سفر میں پہلی بار خانۂ کعبہ پر نظر ڈالتا ہے تو اس کے دل کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ اِس سفر میں جب ہم مدینہ سے آئے اور ہم نے عمرہ کی ادائیگی کی اور نماز جمعہ کے لیے بیٹھے تو بار بار نظر خانۂ کعبہ پر جا کر جم جاتی تھی۔ ہمارے سامنے بہت سے نمازی اس وقت تک کھڑے رہے اور کعبہ پر نظریں جمائے رہے جب تک کہ جمعہ کی اذان نہیں ہوگئی۔

جب اگلے روز ہم لوگ حرم گئے اور مغرب سے قبل طواف کے بعد بالکل خانہ کعبہ کے سامنے بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عنایتوں اور کرم فرمائیوں نے ہمارے پورے وجود کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ نظر کعبہ پر جمی ہوئی تھی اور دل بار بار اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔ دل و دماغ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ آنکھیں نم ہوگئیں اور جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ بار بار یہی خیال دل میں آتا رہا کہ رب کعبہ نے اس گنہگار پر کیسے اپنی نوازشوں کی بارش کی ہے۔ ابھی تو پچھلے سال فروری میں اس نے عمرہ کی ادائیگی کی تھی اور اب اتنی جلد اس نے پھر اپنے گھر کے طواف کے لیے بلا لیا۔ نہ صرف طواف کے لیے بلکہ حج کے لیے بلا لیا۔ یہی سوچ سوچ کر ہم اس کا شکر ادا کرتے رہے، نگاہیں کعبہ پر جمی رہیں اور دل

میں جذبات کا طوفان برپا رہا۔ ہم کافی دیر تک بلکہ اس وقت تک جب تک کہ مغرب کی اذان نہیں شروع ہوگئی اسی کیفیت سے دوچار رہے۔

آنکھیں اشک بار، قدم لرزیدہ لرزیدہ

ایک رات غالباً نماز عشا کے بعد ہم لوگ طواف کے لیے پہنچے۔ ہم لوگوں کا معمول تھا کہ باب السلام پر بس سے اترتے اور باب اسماعیل سے حرم میں داخل ہوتے۔ باب اسماعیل سے داخل ہونے کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک توسعی کی راہداری کو کراس نہیں کرنا پڑتا۔ دوسرے فوری طور پر زینہ یا اسکیلیٹر کا استعمال نہیں کرنا پڑتا۔ تیسرے باب اسماعیل کے کافی کشادہ ہونے کی وجہ سے وہاں بھیڑ کم ہوتی ہے۔ چوتھے گیٹ سے ہی کعبہ نظر آتا ہے۔ پانچویں مطاف میں پہنچتے ہی تھوڑا سا دائیں جانب چلنے کے بعد وہ مقام آجاتا ہے جہاں سے طواف کی ابتدا کی جاتی ہے۔ ہم دائیں جانب جانے کے لیے مڑے تو ایک ادھیڑ عمر شخص پر نظر پڑی جو کعبہ کی طرف دیکھے جارہا ہے اور دہاڑیں مار مار کر رو بھی رہا ہے۔ اس عمل میں اس کی کمر قدرے خم ہو جاتی ہے۔ وہ پھر سیدھا ہوتا ہے اور پھر بآواز بلند رونے لگتا ہے۔ پھر جھک جاتا ہے پھر سیدھا ہو جاتا ہے۔ فوراً ہمارے دل میں خیال آیا کہ خانۂ کعبہ کے دیدار کی اس کی حسرت شاید پہلی بار پوری ہو رہی ہے اور وہ اس خوش نصیبی پر خود کو سنبھال نہیں پا رہا ہے۔ ذرا سوچیے کہ اگر کسی چیز کے پانے کی شدید تمنا بچپن سے ہی دل میں مچلتی رہی ہو اور وہ ادھیڑ عمر میں جا کر پوری ہو تو اس شخص کی خوشیوں کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔ کچھ انھی کیفیات سے شاید وہ شخص بھی گزر رہا تھا اور اسی لیے وہ جذبات اور احساس تشکر سے مغلوب ہو گیا تھا۔

ایک بار طواف کے دوران تقریباً چالیس پینتالیس سال کے ایک شخص کو دیکھا جو کہ ہم سے کچھ دوری پر ہی چل رہا تھا، عجیب و غریب کیفیت میں مبتلا ہے۔ وہ دائیں جانب رخ کر کے یعنی خانۂ کعبہ کی جانب سر کا پچھلا حصہ کیے ہوئے روئے جارہا ہے، روئے جارہا ہے۔ اس کا چہرہ اشک آلود ہے اور اس کی آواز رندھی ہوئی ہے۔ ایسا لگ رہا

ہے کہ جیسے وہ کافی دیر سے رو رہا ہے۔ روتے روتے نڈھال ہو گیا ہے۔ اس کی کیفیت بالکل کسی اس دیہاتی خاتون جیسی ہو گئی ہے جو اپنے جوان بیٹے کی موت پر بآواز بلند روتے روتے تھک کر چور ہو گئی ہو لیکن پھر بھی رونا بند نہ کرے۔ وہ شخص جس کیفیت میں مبتلا تھا اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

بھکارن کی جھولی میں حج کا تحفہ

ایک بار نماز فجر سے کچھ پہلے ہم تہجد پڑھ کر مطاف میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارا عام طور پر معمول تھا کہ طواف کے بعد باب فتح کے بورڈ کے نیچے آجاتے۔ وہاں بھیڑ نسبتاً کم ہوتی ہے۔ وہیں سنت طواف پڑھتے اور پھر وہیں نماز تہجد اور فجر پڑھتے۔ ہمارے برابر میں پینتیس چالیس سال کے ایک باریش شخص بھی تہجد پڑھ رہے ہیں۔ ہماری نماز تو بہت جلد ختم ہو گئی مگر وہ طول طویل رکعتیں پڑھتے جا رہے ہیں۔ لمبے لمبے رکوع اور لمبے لمبے سجدے۔ کافی دیر کے بعد جب وہ فارغ ہوئے تو انھوں نے ہماری طرف اپنا چہرہ گھما کر سلام کیا، خیریت پوچھی، ہمارا نام اور وطن پوچھا اور باتیں کرنے لگے۔ اثنائے گفتگو معلوم ہوا کہ ان کا نام محمد عامر سرکی ہے اور وہ کراچی پاکستان کے باشندہ ہیں۔ دونوں نے باتوں باتوں میں ایک دوسرے کو بتایا کہ کون کتنی بار یہاں حاضری دے چکا ہے۔

انھوں نے ایک بڑا حیرت انگیز واقعہ سنایا۔ اس واقعہ سے اس بات پر یقین اور پختہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کب کس کو کس انداز سے نواز دے کہا نہیں جا سکتا۔ اگر انھوں نے یہ واقعہ مطاف میں نہ سنایا ہوتا تو شاید مجھے کچھ شبہ ہوتا۔ لیکن کعبہ کے سامنے بیٹھ کر کس کی جرأت ہوگی کہ وہ دروغ گوئی یا مبالغہ آرائی کرے۔ انھوں نے بتایا کہ ان کی حج کرنے کی بڑی تمنا تھی۔ وہ کئی سال سے کوشش کر رہے تھے لیکن منظوری نہیں مل رہی تھی۔ اچانک منظوری مل گئی۔ ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ ان کے گھر کے راستے میں ایک بھکارن بیٹھتی تھی۔ اس سے ان کی سلام دعا ہو گئی تھی۔ یہ اس کی خیریت وغیرہ دریافت کیا کرتے اور کبھی کبھار اس سے باتیں بھی کر لیتے۔ انھوں نے جا کر اس کو یہ خوش خبری سنائی

اور کہا کہ میں حج کرنے جا رہا ہوں۔ اس نے ان سے کہا کہ تجھے اللہ نے بلایا ہے تو جا، میرے لیے وہاں سے ایک تسبیح لیتے آنا۔ انھوں نے کہا کہ ارے تسبیح کی کیا بات کرتی ہو، لو میری تسبیح لو اسی پر پڑھتی رہو، اللہ نے چاہا تو تم بھی حج کرلوگی۔

خیر وہ حج پر آ گئے اور جب واپس وطن پہنچے اور اس کے پاس جا کر کہا کہ دیکھ میں حج کر کے آ گیا ہوں تو اس نے کہا کہ تو کیا ہوا۔ تو سمجھتا ہے کہ صرف تو نے حج کیا ہے۔ میں بھی حج کر کے آئی ہوں۔ انھوں نے حیرت و استعجاب کی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے بتایا کہ تیرے جانے کے بعد میں اس تسبیح کو لے کر رات بھر روتی رہی۔ صبح ہو گئی۔ اگلی رات پھر روتی رہی۔ اسی طرح میں تین راتیں روئی اور اللہ سے دعا کرتی رہی کہ یا اللہ تو مجھے حج کرا دے۔ میری ایک بہن تھی جس کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس کا بیٹا اچانک پہلی بار میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ خالہ میں تمھارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ میں تمھیں حج کرانا چاہتا ہوں۔ اس طرح اس نے ساری کارروائی مکمل کرائی اور اس نے مجھے اللہ کے حکم سے حج کرا دیا۔

ہم نے محمد عامر سرکی سے پوچھا کہ کیا اس بھکارن کی کوئی ایسی نیکی تھی جس کا بدلہ اللہ نے اس طرح دیا تو انھوں نے بتایا کہ وہ یتیم بچوں کا بڑا خیال رکھتی ہے۔ اسکول میں ان کی فیس جمع کرتی ہے اور انھیں کھلاتی پلاتی ہے۔ ہم نے کہا کہ اس کی اس نیکی نے اسے اچانک دنیا کی سب سے بڑی دولت سے نواز دیا۔

محمد عامر سرکی نے یہ بھی بتایا کہ جب وہ پہلی بار یہاں حاضر ہوئے تھے تو اظہار تشکر میں اس قدر روئے تھے کہ کئی دنوں تک دونوں آنکھوں کے نیچے کی نسیں دکھتی رہیں۔

حطیم میں سیلِ رواں کا سامنا

۲۷/ جولائی کو جب پہلی بار ہم حرم پہنچے اور طواف کر رہے تھے تو دیکھا کہ حطیم میں صفائی چل رہی ہے۔ اگلے شوط میں دیکھا کہ صفائی ختم ہو چکی ہے اور اس کا دروازہ کھل رہا ہے۔ ہم فوری طور پر بغیر کچھ سوچے سمجھے بالکل "بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق" کی

مانند حطیم میں نفل پڑھنے کے لیے داخل ہو گئے۔ ابھی ہم رکوع میں بھی نہیں پہنچے تھے کہ انسانوں کا ایک زبردست ریلا بلکہ سیل رواں آیا اور ہم تینوں گڑبڑا کر رہ گئے۔ وہاں کے محافظ نے ہمیں سب سے پیچھے چلے جانے کی ہدایت دی تھی۔ ہم حطیم کی پشت سے لگ گئے اور بڑی مشکل سے لوگوں کو ہاتھ سے ہٹا ہٹا کر رکوع و سجود کیے۔ دو رکعت نماز کیا پڑھی کسی بہت بڑے طوفان کا مقابلہ کیا۔ سلام پھیرنے کے بعد جو نکلنا چاہا تو ناممکن نظر آیا۔ سد سکندری کا سامنا تھا اور ہم تین کمزور و ناتواں لوگ تھے۔ خوب گتھم گتھا ہوئی۔ ہم کسی طرح ایک قدم آگے بڑھتے تو سامنے کا ریلا دھکا دے کر دو قدم پیچھے کر دیتا۔ بہت جد و جہد کے بعد ہم کسی طرح گیٹ کے پاس پہنچے پھر بھی کم از کم دو فٹ دور رہے ہوں گے کہ پھر نیا ریلا آ گیا۔ ہم لوگوں کی بے بسی و بے چارگی قابل دید تھی۔ اچانک ہماری نظر گیٹ کے باہر پڑی تو دیکھا کہ پچیس تیس سال کا نوجوان ہماری جانب ہاتھ بڑھا رہا ہے اور اسے پکڑ لینے کو کہہ رہا ہے۔ ہم نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا بلکہ اپنے پنجوں میں جکڑ لیا۔ ہم نے پیچھے سر گھما کر اپنی اہلیہ کو اپنا ہاتھ پکڑایا اور انھوں نے بیٹی کا ہاتھ پکڑا۔ مذکورہ نوجوان نے پوری طاقت لگا کر ہم لوگوں کو کھینچا اور اس طرح ہم حطیم کی جد و جہد سے باہر نکل سکے۔ اس کے بعد پھر کبھی ہماری ہمت نہیں ہوئی کہ ہم اس میں داخل ہونے کا خیال بھی اپنے دل میں لائیں۔

کچھ ناپسندیدہ حرکتیں

ایک بار رات میں بارہ ایک بجے کے وقت طواف کے دوران ہماری نظر سبز دستاروں والے ایک غول پر پڑی۔ سب باآواز بلند دعائیں پڑھ رہے تھے۔ جب ذرا غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے آگے آگے چل رہے ایک ساٹھ پینسٹھ سال کے بزرگ کی کاغذ سے دیکھ کر پڑھی ہوئی دعاؤں کو دوہرا رہے ہیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ صرف وہی سبز دستار میں نہیں تھے۔ وہ بلا مبالغہ آدھی فٹ اونچی ٹوپی زیب سر کیے ہوئے تھے جو بالکل سفید براق تھی اور خوب استری کی ہوئی لگ رہی تھی۔ ان کا قد بھی ماشاء اللہ چھ فٹ سے

زیادہ رہا ہوگا۔ ایک بار ہم اس غول کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے کہ اچانک لوگ کھڑے ہو گئے۔ جو ذرا غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہی طویل القامت حضرت طواف کے دوران کھڑے ہو کر ہاتھ ہلا ہلا کر باآواز بلند تقریر فرما رہے ہیں اور ان کے ساتھی اسے بہت غور سے سن رہے ہیں۔ باقی دوسرے لوگ بھی کھڑے ہونے پر مجبور ہیں۔ اتفاق سے اگلی رات بھی اس غول سے سامنا ہو گیا۔ البتہ اس کے بعد پھر وہ لوگ نظر نہیں آئے۔ ان کو اس کا احساس نہیں تھا کہ ان کے اس عمل سے لوگوں کو کتنی دشواری ہو رہی ہے۔

طواف کے دوران مرد و خواتین ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ البتہ سب عموماً ایک دوسرے سے اختلاط سے بچتے ہیں۔ اگر کسی کا جسم کسی سے بلا ارادہ مس بھی ہو گیا تو وہ اپنے دل و دماغ میں کوئی برا خیال نہیں آنے دیتا اور پھر کوشش کرتا ہے کہ دوبارہ ایسا نہ ہو۔ لیکن ہم نے بہت سے نوجوانوں اور بزرگوں کو بھی اس معاملے میں اس قدر حساس دیکھا کہ ان کی حساسیت دوسروں کے لیے باعث تکلیف ہو جاتی ہے۔ ایسے مناظر بارہا سامنے آتے ہیں کہ بیوی آگے آگے اور شوہر پیچھے پیچھے ہے۔ لیکن شوہر نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس کے دائیں اور بائیں ایسا حصار بنا رکھا ہے کہ مجال کیا کہ کوئی اس کے قریب بھی آسکے۔ اگر کوئی شخص بلا ارادہ اور دھکا مکی کی وجہ سے قریب پہنچ گیا تو وہ پوری طاقت سے اس شخص کو اپنے بازوؤں سے دھکا دیتے ہیں۔ ایسے میں قریب آنے والا شخص بعض اوقات اپنا توازن کھو بیٹھتا ہے۔ جب ایسے کئی مناظر ہماری نگاہوں کے سامنے آچکے تو ہم سے رہا نہیں گیا اور ہم نے ایسے ہی ایک نوجوان سے کہا کہ اگر کسی نامحرم کے مس ہو جانے کا اتنا ہی خطرہ ہے تو آپ یا تو بالکل کنارے کنارے چکر لگائیں یا پھر اس سے بھی محفوظ جگہ چھت پر ہے وہاں چلے جائیں۔ ہماری یہ بات سن کر ایک دوسرا نوجوان مسکرانے لگا مگر اس شخص پر شاید کوئی اثر نہیں پڑا۔

ایک بار ہمارے سامنے افریقیوں کا ایک گروہ چل رہا تھا۔ ان میں ایک تقریباً بیس سال کا نوجوان بھی تھا جو بڑا ہی وجیہ اور خوبصورت تھا۔ ہمارے برابر میں دو چار لوگ غالباً ترک یا عراقی تھے۔ اچانک آگے کوئی رکاوٹ ہوئی اور لوگ کھڑے ہو گئے۔ ہمارے برابر

چلنے والوں میں سے ایک نے جو دیکھنے میں اجڈ لگ رہا تھا، مذکورہ نوجوان کے کندھے پر زور سے دھکا دیا اور اشارہ کیا کہ آگے بڑھو۔ آگے گنجائش ہی نہیں تھی وہ بے چارہ بڑھتا کہاں سے۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس نے نوجوان کو پہلے سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ دھکا دیا۔ بالکل ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اس کی اس سے کوئی دشمنی ہو۔ اس بار نوجوان کو تاؤ آگیا۔ اس نے پلٹ کر اس کو پکڑنا چاہا۔ اس کے ساتھی جوان بھی مذکورہ شخص کی جانب لپکے۔ یوں لگ رہا تھا کہ بس اب وہ لوگ گتھم گتھا ہونے والے ہیں۔ اسی دوران کسی بھلے شخص نے ان کو الگ الگ کیا اور پیچھے والے شخص کو تھوڑی دیر تک روکے رکھا۔

خوشگوار مناظر بھی

ایسے جانے کتنے واقعات روزانہ پیش آتے ہیں۔ انہی تکلیف دہ واقعات کے درمیان بعض اوقات بڑے خوشگوار مناظر بھی نظر آجاتے ہیں۔ اس بھیڑ میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو دوسروں کے لیے بڑی خوشی سے راستہ بنا دیتے ہیں۔ ہم نے ایسے کئی ترک، ایرانی، عراقی اور بعض دوسرے ملکوں کے حاجی صاحبان کو بھی دیکھا جو طواف کے دوران بچوں کو دیکھ کر کھل اٹھتے ہیں اور انھیں ٹافی، پیسہ اور ریال تک دینے لگتے ہیں۔ ہمارے طواف افاضہ کے وقت مولانا شعیب اور ان کے بچے بھی تھے۔ وہ اپنے تقریباً تین سالہ بیٹے کو کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے۔ اچانک ہمارے برابر میں تیس پینتیس سال کی دو خوبصورت خواتین بھی آگئیں۔ بچے کو دیکھتے ہی ان کی باچھیں کھل گئیں اور وہ اس پر بوسوں، ٹافیوں اور ریالوں کی بارش کرنے لگیں۔ کافی دیر تک وہ ہمارے ساتھ چلتی رہیں اور اس کے رخسار کو چومتی رہیں۔ جب ہم سعی کر رہے تھے اور تیسرے یا چوتھے چکر میں تھے تو اچانک وہی دونوں خواتین وہاں بھی نظر آگئیں۔ انھوں نے بھی ہم لوگوں کو دیکھا۔ وہ اتنی خوش ہوئیں کہ جیسے ان کو کوئی گمشدہ نعمت مل گئی ہے۔ دونوں خواتین نے ایک بار پھر بوسوں، ٹافیوں اور ریالوں کی بارش کر دی۔ کافی دیر تک وہ ساتھ ساتھ چلتی رہیں اور بچے کو پچکارتی رہیں۔

حرمین کا تقدس اور سیلفی کا جنون

اسلام میں تصویر کشی و تصویر سازی ممنوع ہے۔ علما نے بدرجہ مجبوری اس کی اجازت دی ہے۔ یعنی پاسپورٹ اور دیگر ضروری دستاویزات کے لیے تصویر کھنچوائی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کو مکمل طور پر جائز اور حلال کر لینا اور ہر مناسب و نامناسب موقع پر تصویر کشی کرنا اب ہماری زندگی کا ناگزیر حصہ بن چکا ہے۔ اگر ہم کسی موقع کی کوئی تصویر لینے میں ناکام رہتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ کچھ ادھورا ادھورا سا ہے، کچھ کمی کمی سی ہے۔ اس کا دائرہ بھی اب کافی وسیع ہو چکا ہے اور اس میں کئی نئے پہلو جڑ چکے ہیں۔ اب یہ معاملہ صرف فوٹو کھنچوانے تک محدود نہیں رہ گیا بلکہ اس سے بھی آگے سیلفی، ویڈیو گرافی اور ویڈیو کالنگ تک پہنچ گیا ہے۔ اور اس سے بھی آگے فیس بک، انسٹا گرام اور ٹویٹر وغیرہ پر ان تصاویر او رویڈیوز کو پوسٹ کرنا کارِ ثواب جیسا امر بن گیا ہے۔ اس شوقِ نامراد کی زلفِ گرہ گیر کے شکار بلا لحاظ ملت و فرقہ، بلا تخصیص عمر و جنس اور بلا امتیاز ملک و علاقہ اور رنگ و نسل تمام بنی نوع انسان بن چکے ہیں۔

اب ہمارے یعنی مسلمانوں کے مقدس مذہبی امور و ارکان بھی اس سے اچھوتے نہیں رہے۔ رمضان المبارک میں افطار کرانے کی تصویریں لے کر اخباروں میں شائع کرانا تو اب ایک معمول سا بن گیا ہے۔ اس میں ہمیں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ اب تو حج جیسا دین کا اہم اور مبارک رکن بھی اس کی آلائشوں میں لت پت کر دیا گیا ہے۔ حرمین جیسے مقاماتِ مقدسہ اور دیگر مشاعر مبارکہ بھی اس کی زد میں آ گئے ہیں۔ اس کا بدترین مشاہدہ اگر کسی کو کرنا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ حرمین کا مبارک سفر کرے اور پھر ان مقامات پر مسلمانوں کی بداحتیاطیاں دیکھے اور ماتم کرے۔ اسمارٹ فون نے اس شوقِ ناہنجار کو وبائی

مرض میں تبدیل کر دیا ہے۔ جسے دیکھیے وہ اس مرض میں مبتلا ہے اور اس شوق کی تکمیل کی خاطر کسی بھی بداحتیاطی بلکہ بداخلاقی کو گوارہ کرنے کے لیے تیار ہے۔

روضۂ رسول ﷺ اور خانۂ کعبہ جدید ترین بدعت کی زد میں

ہم نے مسجد نبوی میں اسمارٹ فون کی منحوس کرامات دیکھی تھیں اور کف افسوس مل کر رہ گئے تھے۔ اس بارے میں ہم نے سابقہ سطور میں بتایا ہے کہ کس طرح بہت سے معتمرین و عازمین سیلفی، ویڈیو گرافی اور ویڈیو کالنگ کے ذریعے مسجد نبوی اور یہاں تک کہ قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کو پامال کرتے ہیں۔ ایسے کئی افراد دیکھے جو اللہ کے رسول ﷺ کو سلام پیش کرنے جا رہے ہیں اور ویڈیو کالنگ کے ذریعے اپنے اہل خانہ سے گفتگو کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے گھر کی خواتین روضۂ رسولؐ کے سامنے موبائل فون کی اسکرین پر بے پردہ نظر آ رہی ہیں اور دوسرے لوگوں کی نگاہیں ان پر پڑ رہی ہیں۔ ایسے افراد کے لبوں پر درود و سلام کے بجائے لایعنی فقرے ہوتے ہیں اور وہ اس پر فخر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ انھوں نے اپنے اسمارٹ فون سے اپنے بیوی بچوں کو بھی قبر مبارک کی زیارت کرا دی ہے۔ کسی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ فون اسمارٹ نہیں ہوتا انسان اسمارٹ ہوتا ہے۔ یہ بات جزوی طور پر درست معلوم ہوئی۔ لیکن اب یہ بھی اندازہ ہوا کہ ہر آدمی اسمارٹ نہیں ہوتا۔ اسمارٹ تو وہ شخص ثابت ہوا جس نے اسمارٹ فون بنایا۔ باقی تو بیوقوف بن گئے۔ البتہ اسمارٹ بن جانے کی خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔

ہم نے مسجد نبوی میں جو کچھ دیکھا تھا وہ اس جدید ترین ''بدعت'' کا ایک ہلکا سا نمونہ تھا۔ جامع اور تفصیلی مشاہدہ تو حرم مکی میں ہوا۔ یہاں اِس اِس انداز میں اسمارٹ فون کو استعمال کیا جاتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے اور تکلیف بھی۔ عازمین حج کی ٹریننگ کے دوران ایک بار مسجد اصلاح ذاکر نگر کے امام مولانا قاری عارف جمال نے ایک واقعہ بتایا تھا کہ ان کے ایک شناسا عمرہ پر گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے وہاں سے ایک ویڈیو ارسال کیا ہے جس میں وہ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں مگر ان کی نگاہ کیمرے کی جانب ہے۔

اس طرح انھوں نے ایک چکر پورا کر لیا۔ انھوں نے یہ ویڈیو بڑے فخر کے ساتھ امام صاحب کے پاس بھیجا تھا۔ جس پر انھوں نے بڑے متاسفانہ انداز میں علامہ اقبال کا یہ شعران کے واٹس ایپ پر بھیج دیا:

رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

یہ واقعہ سننے کے بعد ہم حیرت زدہ تھے کہ کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص طواف کرنے جائے اور اس کی توجہ دعاؤں کے بجائے ویڈیو گرافی پر ہو۔ لیکن جب ہم وہاں گئے تو ہم نے بچشم خود ایسے واقعات کا متعدد بار مشاہدہ کیا۔ ہم نے ایسے کئی لوگوں کو دیکھا جنھوں نے طواف کے دوران پورے شوط میں موبائل کیمرہ آن کیے رکھا اور ان کی نگاہیں مسلسل اسکرین پر ٹکی رہیں۔ ان کی ساری توجہ اس پر تھی کہ ان کا چہرہ اسکرین سے غائب نہ ہونے پائے بلکہ خانۂ کعبہ اور اسکرین کے مابین موجود رہے۔ اس طرح انھوں نے ایک چکر پورا کیا۔ ان کے لب خاموش تھے۔ نہ دعائیں، نہ چہرے پر اللہ کے حضور حاضری کا کوئی تاثر۔ کچھ لوگ خانۂ کعبہ کے سامنے سیلفی لینے میں مگن ہیں تو کچھ ہزاروں کلومیٹر دور اپنے اعزا کو یہاں کے مناظر سے لطف اندوز کرا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ لو حجر اسود کو بوسہ دے دو۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ لوگ طواف میں مشغول ہیں کہ اچانک کوئی گروپ ٹھہر گیا، پیچھے کے لوگوں کو بھی مجبوراً ٹھہرنا پڑا۔ غور کیا تو دیکھا کہ کوئی ایک شخص پورے گروپ کی یا تو تصویر لے رہا ہے یا ویڈیو بنا رہا ہے۔ ایسے لوگوں کو اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی کہ ان کے اس عمل سے دوسروں کو کتنی تکلیف اور پریشانی ہوتی ہے۔

بوڑھے بھی کم نہیں

ایسا نہیں ہے کہ صرف نوجوان ہی اس بیماری میں مبتلا ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس نے معمر افراد کو بھی اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ ایک بار ہم حرم شریف میں نماز فجر کے وقت مطاف میں بیٹھے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ جوں ہی اذان شروع ہوئی ایک ادھیڑ عمر

شخص اٹھا اور مطاف کے درمیان میں خانۂ کعبہ کی جانب پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔ ایک دوسرے شخص نے جو قدرے کم عمر تھا موبائل فون سنبھالا اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر ویڈیو بنانے لگا۔ جب تک اذان مکمل نہیں ہو گئی معمر شخص بت بنا کھڑا رہا اور ویڈیو بنواتا رہا۔ حرم مکی میں ہم نے یہ بھی دیکھا کہ انتہائی معمر جوڑے بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ خانۂ کعبہ کے سامنے تصویریں بنواتے ہیں۔ میاں بیوی ایک دوسرے کو سپورٹ کرتے ہیں۔ یعنی بیوی کرسی پر بیٹھتی ہے تو شوہر اس کا فوٹو بناتا ہے اور شوہر کرسی پر بیٹھتا ہے تو بیوی اس کی تصویر اتارتی ہے۔

ایک بار ہم نے دوسری منزل پر رات میں تقریباً ڈیڑھ بجے طواف مکمل کیا اور ریلنگ کے پاس آکر نیچے خانۂ کعبہ اور مطاف کے مناظر سے لطف اندوز ہونے لگے۔ اتنے میں ہم نے دیکھا کہ وہیل چیئر پر براجمان دو معمر ایرانی خواتین کو ایک نسبتاً کم عمر شخص نے اس طرح لاکر ریلنگ کے پاس سجایا کہ ان کی پشت خانۂ کعبہ کی جانب تھی۔ اور پھر اس نے کعبہ کو بیک گراؤنڈ میں رکھ کر ان کا فوٹو کھینچا۔

عورتوں کی بداحتیاطی

ہمارا قیام عزیزیہ میں ہے۔ ایسا اکثر دیکھنے کو ملتا ہے کہ بس سے حرم جا رہے ہیں اور کوئی خاتون یا مرد اپنے گھر پر ویڈیو کالنگ کیے ہوئے ہے اور اطراف کے مناظر خصوصاً سڑکوں، عمارتوں اور پہاڑوں کے مناظر بڑی دلچسپی سے دکھا رہا ہے۔ شرمناک بات یہ ہے کہ ایسے مواقع پر لوگ اطراف سے بے خبر ہو جاتے ہیں اور یوں جوش و خروش میں بلند آواز میں گفتگو کرتے ہیں جیسے وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس دوران کوئی رازداری نہیں برتی جاتی اور ہر گفتنی و ناگفتنی باتیں کی جاتی ہیں۔ ہم نے ہوٹلوں کی لابی میں، جہاں مفت وائی فائی کی سہولت موجود ہوتی ہے، دیکھا کہ مرد و خواتین ویڈیو کالنگ میں مست ہیں۔ عورتوں کو ہلکی آواز میں گفتگو کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن لابی میں بیٹھ کر وہ اس طرح زور زور سے باتیں کرتی ہیں کہ جیسے وہ اپنے کمرے میں ہوں اور کوئی اجنبی

وہاں پر موجود نہ ہو۔ ہم نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ ایسے افراد جو اسمارٹ فون کے دیوانے ہیں، عبادت میں خشوع وخضوع سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان کی ساری توجہ تصویر کشی اور سیلفی پر ہوتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ان کے نزدیک یہ بھی حج کا کوئی اہم رکن یا طواف کا کوئی اہم عمل ہے کہ اگر یہ رہ گیا تو نہ تو طواف ہوگا اور نہ ہی حج۔ ایسا لگتا ہے کہ اس قسم کے لوگوں نے حج کی تربیت کے دوران اپنی تمام تر توجہ ارکان کی ادائیگی سیکھنے پر نہیں بلکہ سیلفی لینے پر مرکوز کر رکھی تھی۔

موبائل سے تصویر کشی جائز یا ناجائز

اس سلسلے میں دو رائیں سامنے آئی ہیں۔ انٹرنیٹ پر العربیہ ڈاٹ نیٹ کے حوالے سے ایک خبر موجود ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ سعودی عرب کے سرکردہ علماء نے مسجد حرام میں عبادت، طواف، سعی اور دیگر مناسک کے دوران تصاویر کھنچوانے کو شرعاً حرام قرار دیا ہے۔ علماء کا کہنا ہے کہ لوگوں میں تشہیر کی غرض سے تصویر اتارنا عبادت میں اخلاص کی نفی کے مترادف ہے۔ ۲۰۱۵ء کی اس خبر کے مطابق علماء نے بیان جاری کر کے کہا ہے کہ مساجد صرف اللہ کی عبادت کے لیے مخصوص ہیں۔ انھیں کسی دنیاوی مقصد یا تفریحی مشاغل کے لیے استعمال کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ مساجد کو نماز، تلاوتِ قرآن اور ذکرِ خداوندی کے سوا کسی دوسرے مقصد کے لیے استعمال کرنا شرعاً حرام ہے۔ خبر کے مطابق مسجد حرام میں منعقدہ ایک سیمینار کے بعد جاری کردہ مشترکہ فتوے میں کہا گیا ہے کہ مساجد کا تقدس قائم رکھنا ہر مسلمان کا شرعی فریضہ ہے۔

انٹرنیٹ پر اس خبر کے سلسلے میں ایک بحث بھی موجود ہے۔ ایک پوسٹ میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۹۶ء تک حرمین میں تصویر اتارنا سختی سے منع تھا۔ خادمین میں سے اگر کوئی کسی کو ایسا کرتے دیکھتا تو کیمرے سے پوری فلم ضائع کر دی جاتی اور یہ وارننگ دی جاتی تھی کہ آئندہ اگر ایسا کیا تو کیمرہ ضبط کر لیا جائے گا۔

لیکن اب ایسا ممکن نہیں ہے۔ اب تو اسمارٹ فون کی شکل میں ہر شخص کے ہاتھ

میں نہ صرف یہ کہ جدید ترین کیمرہ ہے بلکہ پورا اسٹوڈیو اور پورا سینما ہال موجود ہے۔ اسمارٹ فون سے جہاں یہ فائدہ ہے کہ لوگ اپنے اہل خانہ اور اعزا سے رابطہ رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی خیریت سے باخبر ہوتے رہتے ہیں۔ حرمین میں کسی سے ملاقات کرنے یا اپنے کسی عزیز کے کھو جانے کی صورت میں موبائل سے بڑی مدد ملتی ہے۔ وہیں اس کا غلط استعمال بھی دھڑلے سے کیا جاتا ہے۔ یقیناً اس پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ اس پر تو صارف یعنی موبائل استعمال کرنے والا خود پابندی لگائے تو لگائے انتظامیہ یا حکومت کی جانب سے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔

ایک رائے یہ بھی

بعض افراد کا خیال ہے کہ اگر کوئی پہلی بار حرمین کے سفر پر آیا ہوا ہے اور حج وعمرہ کے بعد اپنے قیام کے دوران اس طرح سیلفی لیتا ہے یا تصویر اتر واتا ہے کہ دوسروں کو کوئی زحمت نہ ہو اور مقامات مقدسہ کا تقدس بھی پامال نہ ہو تو اسے حرام قرار نہیں دیا جانا چاہیے۔ ایسے لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ڈیجیٹل کیمرہ سے تصویر یا فلم بنانا ''متفقہ طور پر بذات خود ایک جائز عمل ہے''۔ ان کے مطابق یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص آئینے میں اپنی شکل دیکھے۔ اس بارے میں وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ حرمین شریفین میں یہ عمل خود کار سیکورٹی کیمروں کی مدد سے نہ صرف یہ کہ چوبیس گھنٹے جاری رہتا ہے بلکہ مختلف ٹی وی چینلوں سے یہ براہ راست ٹیلی کاسٹ بھی ہوتا رہتا ہے۔

یہ بات تو بالکل درست ہے کہ مدینہ منورہ ہو یا مکہ معظمہ، دونوں مقامات پر ہوٹلوں اور دوسری جگہوں پر حرمین کو، طواف کو اور نمازوں کو لائیو دکھایا جاتا ہے۔ اس بارے میں علماء ہی کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ درست ہے یا نہیں۔ البتہ مذکورہ بالا دلیل میں اسے یہ کہہ کر جائز قرار دیا گیا ہے کہ سیکورٹی کیمروں سے فلم بندی ہوتی رہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سی سی ٹی وی کیمروں سے جو فلم بندی ہوتی ہے وہ سیکورٹی کے نقطۂ نظر سے ہوتی ہے نہ کہ ظاہری دکھاوے یا ریاکاری کے نقطہ نظر سے۔ خیال رہے کہ اگر کوئی حادثہ رونما ہو

جائے تو سی سی ٹی وی کیمرے کے فوٹیج کی مدد سے تحقیقات میں آسانی ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی شخص یادگار کے طور پر رکھنے کے لیے ایسا کرتا ہے یعنی تصویر یا سیلفی لیتا ہے تو اسے درست مانا جاسکتا ہے۔ لیکن تشہیر کی غرض سے اگر ایسا کیا جارہا ہے تو اس میں ریاکاری کا پہلو بہر حال نکلتا ہے۔ ریاکاری کا یہ پہلو پہلے بھی موجود تھا۔ یعنی اگر کوئی شخص فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے جارہا ہے تو وہ اس کا ڈنکا پیٹتا تھا اور پھر بہت سے لوگ اس کو چھوڑنے آتے تھے۔ اب بھی بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں۔ یہ بتانے کے لیے کہ وہ حج کرنے جارہے ہیں مختلف حیلے بہانے تراشے جاتے ہیں اور دنیا کو یہ بتانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اب ہم حاجی بننے جارہے ہیں اور جب لوٹ کر آئیں گے تو ہمیں حاجی صاحب ہی کہنا۔ اسمارٹ فون کا استعمال بھی بڑی حد تک خود تشہیری سے جڑا ہوا ہے۔

مذکورہ پوسٹ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ "کوئی عمل اگر حرام قرار پاتا ہے تو سب کے لیے حرام ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی عمل عوام کے لیے تو حرام ہو اور خواص کے لیے جائز۔ حرمین شریفین میں مقامی "شاہی ارکان" کی آمد ہو یا غیر ملکی مسلم حکمرانوں اور ان کے وفود کا دورہ، ان سب مواقع کا سرکاری طور پر ویڈیو بنایا جاتا ہے اور اسے ٹی وی اور اخبارات میں شائع کرایا جاتا ہے۔ حالانکہ اس سے آس پاس کے دیگر افراد شدید طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ علماء کو حرمت کا فتویٰ دیتے وقت ان باتوں کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے"۔ ہمارا خیال ہے کہ حکومتی انتظامات کا معاملہ الگ ہے اور عبادت کے دوران سیلفی اور تصویر کشی کا معاملہ الگ ہے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ گڈ مڈ نہیں کرنا چاہیے۔ حکومت و انتظامیہ کی سطح پر اگر تصویر کشی ہوتی ہے تو اس کا مقصد ریاکاری نہیں بلکہ وہ پروٹوکول کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ اس دلیل کی بنیاد پر سیلفی اور تصویر کشی کو جائز قرار دینا مناسب نہیں۔

بیشتر علماء کی رائے

ان دلائل کے برعکس علماء کا ایک بڑا طبقہ اسمارٹ فون سے سیلفی اور ویڈیو گرافی کو

حرام قرار دیتا ہے۔ علما کا خیال ہے کہ اس طرح لوگ عبادت نہیں کرتے بلکہ عبادت کا ڈراما کرتے ہیں اور خانۂ کعبہ کے سامنے یا مسجد نبوی میں جس طرح دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر تصویریں کھنچواتے ہیں، اس کا مقصد عبادت نہیں ریاکاری ہے۔ اس بارے میں دبئی میں مقیم مولانا عبدالرزاق عبدالغفار سلفی نے ہمیں ایک ویڈیو ارسال کیا ہے جو کہ یوٹیوب پر بھی موجود ہے۔ یہ شیخ سلیمان الرحیلی کی ایک تقریر ہے جو انھوں نے ۲۰۱۶ء میں کی ہے۔

انھوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ "اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تصاویر کے حوالے سے لوگوں کی نرمی اصل میں ایک ظاہری بات ہے۔ یہاں تک کہ مسجد نبوی شریف میں بھی خطیب خطبہ دے رہا ہے اور ادھر اپنی تصویر لی جارہی ہے، سیلفی لی جارہی ہے۔ اس نے خطبہ میں سے کچھ بھی نہیں سنا۔ اوپر سے وہ تصویر میں جھوٹ بول رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ برائے مہربانی کیا آپ میری تصویر لے سکتے ہیں۔ وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہے اور تصویر بنوا رہا ہے۔ واللہ وہ جھوٹا ہے، وہ دعا نہیں کر رہا ہے۔ لیکن جب وہ انڈونیشیا (یعنی اپنے ملک) واپس جاتا ہے تو وہ اس تصویر کو فریم کرواتا ہے اور اپنے کمرے میں لگاتا ہے اور یہ تاثر دیتا ہے کہ وہ مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر دعا مانگ رہا ہے۔ میں لوگوں سے کہتا ہوں کہ یہ حرام ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ یہاں تک کہ مسجد نبوی میں چلیں ایسا سوچ لیتے ہیں کہ اس کے حرام ہونے کا امکان صرف دس فیصد ہے تو کیا آپ مدینے میں خود کو گناہ کے خطرے میں ڈالنے آتے ہیں یا اجر و ثواب اور انعام حاصل کرنے آتے ہیں۔ آپ اپنے آپ کو اللہ کے رسولؐ کے شہر میں گنہگار ہونے کے امکان میں کیسے ڈال سکتے ہیں؟ اس کے علاوہ یہ ایک اور نقطۂ نظر سے ممنوع ہے اور وہ ہے ریاکاری۔ سلف اپنے نیک اعمال کو چھپایا کرتے تھے، یہاں تک کہ خشوع کے لحاظ سے بھی۔ امام احمد بن حنبلؒ جب لوگوں کے ساتھ بات کرتے اور وہ محسوس کرتے تھے کہ وہ رونے لگے ہیں تو وہ اپنا ہاتھ اپنی ناک پر رکھتے اور کہتے کہ کیسی شدید سردی ہے۔ یعنی وہ آواز جوان کے بولنے سے آرہی تھی (وہ چاہتے تھے کہ لوگ یہ سوچیں کہ) یہ بدلی ہوئی آواز سردی کی وجہ سے تھی۔ اور بعض اوقات وہ کھڑے ہو جاتے، مسجد سے نکلتے اور گھر

چلے جاتے۔ سلف اپنے نیک اعمال کو جہاں تک ممکن ہوتا چھپایا کرتے تھے۔ اور جھوٹ بولنا، دعا کرتے ہوئے اپنی تصویر لینا اور پھر اسے لوگوں کو دکھانا غلط ہے"۔

لیکن آج عالم یہ ہے کہ لوگ سلف کے نہیں بلکہ سیلفی کے عقیدت مند ہیں۔

فتح مکہ کا یہ واقعہ اور ہمارا عمل

یہاں فتح مکہ کے روز کا یہ واقعہ بیان کر دینا مناسب اور موزوں معلوم ہوتا ہے۔ اس دن آپ نے خانۂ کعبہ کے اردگرد اور اس کی چھت پر موجود تین سو ساٹھ بتوں کو ٹھوکر مار کر نیست و نابود کر دیا تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے طواف کیا۔ تکمیل طواف کے بعد حضرت عثمان بن طلحہؓ کو بلا کر ان سے کعبہ کی کنجی لی۔ پھر آپ کے حکم سے خانۂ کعبہ کھولا گیا۔ آپ اندر داخل ہوئے تو تصویریں نظر آئیں جن میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بھی تھیں اور ان کے ہاتھ میں فال گیری کے تیر تھے۔ آپ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا اللہ ان مشرکین کو ہلاک کرے۔ خدا کی قسم ان دونوں پیغمبروں نے کبھی بھی فال کے تیر استعمال نہیں کیے۔ آپ نے خانۂ کعبہ کے اندر لکڑی کی بنی ہوئی ایک کبوتری بھی دیکھی جسے آپ نے اپنے دست مبارک سے توڑ دیا اور آپ کے حکم سے تصویریں مٹا دی گئیں۔ (بحوالہ: الرحیق المختوم)۔

حجاج کرام ذرا غور فرمائیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کعبہ کے اندر تصویریں دیکھیں تو آپ نے اظہار ناراضگی کیا اور ان تصویروں کو مٹا دینے کا حکم دیا۔ لیکن آپ خانۂ کعبہ کے باہر تصویریں بناتے ہیں اور نہ صرف بناتے ہیں بلکہ ان کو سوشل میڈیا پر پوسٹ کر کے پوری دنیا میں پہنچاتے بھی ہیں، ان کی تشہیر بھی کرتے ہیں۔ کیا آپ کو اللہ کے رسولؐ کے ذریعے تصویریں مٹا دینے کا حکم، نعوذ باللہ، اچھا نہیں لگا جو آپ کعبہ کے پاس ہی تصویریں بناتے ہیں۔ وہ تو شکر ہے کہ کچھ خاص افراد کو ہی کعبہ میں داخلے کی خاص مواقع پر اجازت ملتی ہے ورنہ اگر عام لوگوں کو کعبہ میں داخلے کی اجازت مل جائے تو اس کے اندر بھی سیلفی لینے اور ویڈیو گرافی کرنے سے آپ باز نہیں آئیں گے۔ اقبال بہت

پہلے کہہ گئے ہیں:

ہو نیکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

اگر آپ لوگوں کو کعبہ میں داخلے کی عام اجازت مل جائے تو کیا آپ وہاں اس حرکت سے خود کو روک سکیں گے۔ ذرا سوچیے کہ اللہ کے رسولؐ نے کعبہ کے اندر سے جس چیز کو مٹوا دیا آپ کعبہ کے باہر اسی کو بڑھاوا دے رہے ہیں۔ موبائل سے تصویر کشی کی طرفداری کرنے والے کہہ سکتے ہیں کہ ہم تصویر بناتے نہیں بلکہ اس کا عکس کھینچتے ہیں۔ جب تصویر بنانا غلط ہے تو کیا اس کی عکس بندی درست ہو سکتی ہے۔ یہ تو تصویر سازی سے کہیں آگے کی چیز ہے۔ تصویر سازی میں تو کئی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے اور اس میں وقت بھی لگتا ہے اور محنت بھی لگتی ہے۔ جبکہ موبائل سے تصویر کشی میں نہ کسی چیز کی ضرورت ہے اور نہ ہی وقت کی اور نہ ہی محنت کی۔ تو کیا اگر کوئی حرام کام بغیر کسی محنت کے اور ٹیکنالوجی کی مدد سے کیا جائے تو وہ جائز ہو جائے گا۔ حجاج کرام سے گزارش ہے کہ آپ براہ کرم فتح مکہ کے روز کے اس واقعہ کو ذہن میں رکھیں اور پھر اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ کیا اس کا جواز ہے کہ ہم طواف وسعی، دعا و اذکار کے دوران سیلفی لیں یا تصویریں کھنچوائیں۔ خدارا اس عمل کے ذریعے اپنے حج اور اپنی عبادت کے ثواب کو رائگاں نہ کیجیے۔

اس سلسلے میں ہمارا مشورہ یہ ہے کہ جس طرح بہت سے مقامات پر Jammer نصب کر دیے جاتے ہیں تا کہ وہاں موبائل فون کے سگنل کام نہ کر سکیں اسی طرح کوئی ایسا انتظام کیا جانا چاہیے کہ حرمین میں سیلفی ناممکن بن جائے۔ ٹیکنالوجی کی ترقی کے اس دور میں یہ مشکل نہیں ہے۔ سعودی حکومت کے ذمہ داروں اور بالخصوص حرمین کے منتظمین کو چاہیے کہ وہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ماہرین کے ساتھ اس پر گفتگو کریں اور ان کے ساتھ مل کر کوئی ایسا Device (آلہ) تیار کریں جسے حرمین کی چھتوں پر نصب کر دینے سے کم از کم موبائل کیمرے بے اثر ہو جائیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر اس پر سنجیدگی سے کام کیا جائے تو کوئی نہ کوئی انسٹرومنٹ تیار کیا جا سکتا ہے۔

کیا ایسا حج، حج مبرور ہے؟

بہر حال اگر اسمارٹ فون کے استعمال میں ریاکاری کا عنصر شامل ہے تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارا حج ''حج مبرور'' نہیں ہو سکتا۔ حج مبرور کے بارے میں کئی قسم کی آرا موجود ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ حج ہے جس کے دوران کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ حج ہے جو عنداللہ مقبول ہو جائے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ حج ہے جو ریا و شہرت سے پاک ہو اور جس میں فحاشی و لڑائی جھگڑا نہ کیا گیا ہو۔

حج اسلام کا پانچواں اور مقدس رکن ہے۔ حاجی ضیوف الرحمٰن یعنی اللہ کے مہمان ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حجاج کی دعا رد نہیں کرتے۔ وہ ان کی ہر دعا قبول کرتے ہیں۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ جس شخص نے حج کیا اور اس دوران اس نے نہ تو بدکلامی کی اور نہ فحاشی کا مظاہرہ کیا تو یہاں سے وہ ایسا واپس ہوگا جیسا کہ اس روز تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔ یہ مرتبہ ہے ایک حاجی کا۔ سعودی عرب میں حجاج کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہاں کے لوگ ان کی خدمت کو اپنے لیے باعث اعزاز سمجھتے ہیں۔ ہم جس ہوٹل میں مقیم ہیں وہاں کام کرنے والے سیالکوٹ پاکستان کے ایک شخص محمد عامر نے ہم سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں حجاج کا غلام اور نوکر بننے پر فخر محسوس ہوتا ہے اور ہمیں خوشی ہوتی ہے کہ اللہ نے ہمیں اس کا موقع عنایت کیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ کوئی بھی انسان کسی انسان کا غلام یا نوکر بننا پسند نہیں کرے گا۔ لیکن چونکہ حاجی اللہ کے مہمان ہوتے ہیں اس لیے ہم ان کی خاطر تواضع کو باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ لیکن اس نے حاجیوں کے رویے اور بالخصوص اسمارٹ فون کے ناروا استعمال پر اظہار افسوس بھی کیا۔

حجاج کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ اللہ کے مہمان ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی کے یہاں مہمان بن کر جاتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ اس کے کسی عمل سے اس کے میزبان کو

تکلیف نہ پہنچے۔ جب ایک عام انسان کا مہمان بننے پر ہم آداب اور حفظ مراتب کا خیال رکھتے ہیں تو اللہ کا مہمان بننے پر تو ہمیں اور بھی محتاط رہنا چاہیے۔ اللہ سے بڑا کوئی میزبان نہیں ہوسکتا۔ اور حجاج کے لیے یہ فخر کی بات ہے کہ ان کا میزبان اللہ تعالیٰ ہے۔ کائنات کے اس سب سے بڑے میزبان کا مہمان بننے پر ہمیں بطور خاص اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور ایسے کسی بھی عمل سے بچنا چاہیے جو اسے ناگوار گزرے یا جو اسے ناپسند ہو۔ خواہ وہ سیلفی ہو یا ویڈیو گرافی۔ ہمیں اپنی عبادتوں کو بہر حال ان آلائشوں سے محفوظ رکھنا چاہیے۔

عبادت کے دوران سیلفی کے مرض پر انٹرنیٹ پر ایک نظم ملی ہے جو بڑے سوز و گداز کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اسے یہاں پیش کیا جائے:

سیلفی بازوں کے نام

عبادت میں سیلفی، تلاوت میں سیلفی
امامت میں سیلفی، خطابت میں سیلفی
عجب مرض ہے عادت خود نمائی
عیادت میں سیلفی، سخاوت میں سیلفی
بِنا سیلفیوں کے گزارہ نہیں ہے
بشاشت میں سیلفی، ندامت میں سیلفی
میرے دیس میں سیاسی لوگوں کی عادت
حمایت میں سیلفی، مذمت میں سیلفی
رِیا کیا ہے ہم سے نہ پوچھے کوئی بھی
بنائیں گے ہم دیں کی خدمت میں سیلفی
میں علمائے دیں کو کہوں کیسے ہُد ہُد
ہمیں نہ پھنسادے قیامت میں سیلفی

(ہُد ہُد الہ آبادی)

حرمین میوزیم

ہم لوگ حج سے پانچ روز قبل اور ہندوستان کے یوم آزادی پر یعنی ۱۵راگست کو مکہ کا مشہور حرمین میوزیم دیکھنے گئے جسے مکہ میوزیم بھی کہا جاتا ہے۔ مکہ پہنچنے کے بعد ہی ہماری خواہش تھی کہ اس کا دیدار کرلیا جائے۔ لیکن ہمارے ساتھیوں کا ارادہ بنتا اور ٹوٹ جاتا۔ وہ ارادہ باندھتے اور توڑ دیتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اپنا زیادہ وقت حرم میں گزارنا چاہتے اور زیادہ سے زیادہ طواف کرنا چاہتے تھے۔ ہمارے کئی ساتھیوں نے ایک ایک دن میں پانچ پانچ چھ چھ طواف کیے۔ منیٰ جانے سے دو تین روز قبل عزیزیہ سے حرم شریف جانے والی بس سروس بند کردی جاتی ہے اور منیٰ سے واپسی کے دو تین دن کے بعد پھر شروع ہوتی ہے۔ پندرہ اگست سے بس سروس بند ہوگئی۔ لہٰذا لوگوں کو موقع مل گیا۔ ہمارے روم پارٹنر جناب قمرالدین نے اپنے فلور کے بہت سے لوگوں میں مکہ میوزیم کا چرچا کردیا تھا۔ لہٰذا بہت سے حاجی جن تیار ہوگئے۔ ہم لوگ جب اکٹھا ہوکر نیچے پہنچے تو ان کی تعداد ۲۵رہوگئی۔ پہلے پروگرام بنا کہ دو تین گاڑیوں میں جایا جائے۔ لیکن پھر ایک بس مل گئی اور اس سے ہم لوگ میوزیم کے لیے روانہ ہوئے۔ پندرہ پندرہ ریال فی حاجی کرایہ طے ہوا۔

حرمین میوزیم پرانی جدہ روڈ پر واقع ہے۔ اس سے عین قبل مؤتمر عالم اسلامی کا صدر دفتر ہے۔ سڑک کے دائیں طرف مؤتمر کا دفتر اور تھوڑا سا آگے چل کر بائیں جانب میوزیم کی عمارت ہے۔ یہ انتہائی شاندار میوزیم ہے۔ یہ سات ہالوں پر مشتمل ہے۔

پہلے ہال میں داخل ہوتے ہی حرم شریف کا ایک خوبصورت ماڈل ہمارا استقبال کرتا ہے۔ اس کو دیکھ کر طبیعت پر ایک سرور کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ اس ہال میں حرمین سے متعلق تصاویر اور ماڈل دعوت نظارہ دیتے ہیں اور ہر تصویر کہتی ہے کہ پہلے مجھے

دیکھو، پہلے مجھے دیکھو۔

آگے بڑھتے ہیں تو دوسرے ہال میں حرم شریف کی بہت سی قدیم اشیا سلیقے سے سجائی گئی ہیں۔ ان میں یہاں ۱۸۲۴ء کا کعبہ کا ایک زینہ رکھا ہوا ہے جو آج بھی چمک رہا ہے۔ کچھ پتھروں پر قرآنی آیات نقش ہیں۔ مقام ابراہیم کا ایک ماڈل ہے اور ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ بالکل وہی ہے جو مطاف میں نصب ہے۔ اسی کی مانند شیشے کے خول میں قید اور اس کے اندر رکھے ہوئے پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات ہیں۔ اس سے آگے چلتے ہیں تو ۱۵۷۶ء کا ماربل کا ایک دروازہ ایستادہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی قدیم اور خوبصورت چیزیں اس ہال میں موجود ہیں۔ ایک جگہ سلطان سلیم کے دور حکومت میں حرم شریف کی تعمیر کے آغاز سے لے کر ۱۵۷۶ء میں سلطان مراد کے دور تک چلی تعمیر کی تفصیلات ہیں۔

تیسرا ہال کعبہ سے متعلق ہے۔ اس میں ایک جگہ حجر اسود کا ماڈل رکھا ہوا ہے۔ جبکہ کئی مقامات پر غلاف کعبہ کے مختلف مراحل میں تیار ہونے والے ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں۔ یہاں پرانے ہینڈ لوم نصب ہیں اور ان کے اوپری سرے پر Jacquard نصب ہے۔ اسے بنکروں کی زبان میں ''جکاٹ'' کہتے ہیں۔ یہ گتے پر بنایا جانے والا ایک ڈیزائن ہوتا ہے۔ یہ ڈیزائن سیکڑوں سوراخوں کا مرہون منت ہوتا ہے۔ لوہے کی تیلیوں میں سوراخ پیوست ہوتے ہیں اور گتے کا ڈیزائن آگے پیچھے چلتا ہے۔ اس کی بنیاد پر کھڈی یا ہینڈ لوم پر کپڑے پر ڈیزائن بنا جاتا ہے۔ خانۂ کعبہ کے دو قدیم دروازے بھی رکھے ہوئے ہیں۔ دو تین چابیاں بھی موجود ہیں۔

ایک ہال میں حرمین سے متعلق نادر و نایاب تصاویر سجائی گئی ہیں۔ ایک ہال مخطوطات سے متعلق ہے۔ اسی میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن کی ایک کاپی موجود ہے۔ ایک ہال زم زم سے متعلق ہے۔ یہاں زم زم کے کنویں کا ماڈل ہے جس پر اوپر کی جانب پانی نکالنے کے لیے چرخی لگی ہوئی ہے جس میں ڈول لٹک رہا ہے۔ اسی میں وہ چرمی بیگ (مشک) بھی ہے جو عام طور پر پانی پلانے کے لیے بہشتی

استعمال کرتے ہیں۔ جس طرح پرانی دہلی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس کا ڈیزائن پرانی دہلی کے ڈیزائن سے ذرا مختلف ہے۔ اسی کے پاس صراحیاں بھی رکھی ہوئی ہیں۔

ایک ہال مسجد نبوی کی اشیا سے متعلق ہے۔ اس میں بھی مسجد کے ماڈل اور نمونے سجائے گئے ہیں۔ یہاں کچھ انتہائی قدیم تصاویر بھی ہیں۔ دھوپ کی مدد سے اوقات نماز کا اندازہ لگانے کا ایک آلہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ ایک پرانی گھڑی اور اس کی بڑی سی چابی رکھی ہوئی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی مشین کی مانند ہے۔ نیچے پینڈولم لٹک رہا ہے۔ اس کے اندر کی چرخیاں نکال کر الگ میز پر سجائی گئی ہیں۔ اس میوزیم میں ابھی کام چل رہا ہے۔ اس کو اور بھی خوبصورت اور بھرپور بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے تا کہ حرمین کی پوری تاریخ نظروں میں آجائے۔

جب ہم اس پورے میوزیم کو دیکھ کر باہری دروازے کے پاس آتے ہیں تو ایک کاؤنٹر پر چند نوجوان کھڑے ہیں جو زائرین کو تحفہ دے رہے ہیں۔ تحفے میں قرآن کریم کا ایک نسخہ ہے۔ ناشتے کا ایک پیکٹ ہے اور ایک چھتری ہے۔ بالکل باہر نکلنے پر دائیں جانب ایک اسٹال پر چائے کا انتظام ہے۔ خود بنایئے اور پیجئے۔ ہم نے کئی حاجیوں کو دیکھا کہ وہ داخلی دروازے سے کئی کئی بار جا کر تحفوں کے پیکٹ لے رہے ہیں۔ ہمیں چھتری والا بیگ نہیں ملا تو ہم بھی دوبارہ گئے اور لے کر آئے۔ ہم نے اسے اس لیے لیا کہ وہ بڑا تھا اور ہمارے پاس جو سامان تھا اس کو رکھنے کے لیے وہ بہترین انتظام تھا۔

کسوا فیکٹری

کسی سے ہمیں یہ معلوم ہوا تھا کہ حرمین میوزیم کے پاس ہی کسوا فیکٹری ہے۔ یعنی وہ کارخانہ جہاں غلاف کعبہ تیار ہوتا ہے۔ یہ کارخانہ عام دنوں میں بند رہتا ہے۔ صرف حج کے سیزن میں اور شاید رمضان المبارک میں زائرین کے لیے کھلتا ہے۔ اسے دیکھنے کے لیے منتظمین سے اجازت لینی پڑتی ہے اور اس کا وقت بھی مقرر ہے۔ ہم لوگوں نے بس ڈرائیور سے کہا کہ وہ ہمیں وہاں بھی لے چلے۔ اس کی دیواریں یوں تو میوزیم کی دیوار

سے متصل ہے مگر وہاں باہر کی طرف سے جانا پڑتا ہے۔ بس وہاں پہنچی مگر اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ڈرائیور کو کچھ لالچ دیا گیا اور وہ اندر دو تین دفاتر میں جا کر اجازت نامہ لے آیا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ایک عرب بھی ساتھ میں آیا جو عربی میں تفصیلات بتا رہا تھا۔ اس نے مردوں اور عورتوں کی الگ الگ لائن بنوائی اور اندر لے کر گیا۔ ہمارے گروپ میں کوئی عربی داں نہیں ہے پھر بھی لوگ سنتے اور گردن ہلاتے رہے۔

اندر جانے پر ہمارا استقبال ایک چرخے نے کیا۔ اس بہت بڑے ہال میں مختلف انداز سے غلاف کعبہ کی بُنائی کے مرحلے دکھائے گئے ہیں۔ کہیں پر چرخہ ہے تو کہیں سانچا، کہیں بئے رکھا ہوا ہے تو کہیں بوبن اور نلکی۔ کئی بڑی بڑی مشینیں ہیں جن پر تانا تنتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ایک جگہ یہاں بھی جکاٹ لگا ہوا ہے۔ چھوٹی کھڈی سے ہوتے ہوئے دھاگے بڑی کھڈی تک جاتے ہیں اور پھر وہاں بُنائی ہوتی ہے۔ یہ ہینڈ لوم نہیں ہے بلکہ مشینیں ہیں۔ دو تین مقامات پر بجلی سے چلنے والی متعدد موٹریں رکھی ہوئی ہیں۔ ایک جگہ بجلی سے چلنے والے چرخے نصب ہیں جن پر سیاہ سوت چڑھا ہوا ہے۔ ایک جگہ زردوزی کا کام ہو رہا ہے۔ سیاہ کپڑے پر سونے کے تاروں سے قرآنی آیات کی نقاشی ہو رہی ہے۔ ایک کمرہ نما مقام پر دو گول ستونوں پر کشیدہ کاری کیا ہوا ہرے رنگ کا کپڑا نیچے سے اوپر تک لپٹا دیا گیا ہے جو بے حد خوبصورت لگتا ہے۔ اس کپڑے پر قرآنی آیات کی زردوزی کی گئی ہے۔ کہیں کہیں اکا دکا لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ باہر نکلنے کے راستے پر غلاف کعبہ کا وہ حصہ چسپاں کیا گیا ہے جو حجر اسود والے کونے پر رہتا ہے۔

چالیس اور پچاس سال کی عمر کے درجنوں دستکار غلاف کعبہ تیار کرتے ہیں۔ اسے خالص ریشم اور کاٹن سے تیار کیا جاتا ہے۔ غلاف کعبہ کی بناوٹ میں کلمہ اور بعض جملے لکھے ہوئے ہیں اور قرآنی آیات کو سنہرے حروف میں منقش کیا گیا ہے۔ غلاف کعبہ کی تیاری کے لیے مکہ میں جو کارخانہ قائم کیا گیا ہے اس کے افتتاح کے موقع پر جو کتابچہ شائع کیا گیا تھا اس میں یہ وضاحت ہے کہ غلاف کی تیاری میں ۶۷۰ کلوگرام خالص سفید ریشم لگتا ہے جسے سیاہ رنگ میں رنگنے کے لیے ۷۲۰ کلوگرام رنگ اور اس کے لوازم استعمال کیے جاتے ہیں۔

مکہ کلاک ٹاور

مسجد حرام کے اطراف میں خانۂ کعبہ کے بعد اگر کوئی عمارت سب سے خوبصورت لگتی ہے تو وہ مکہ کلاک ٹاور ہے۔ جب ہم مطاف میں ہوتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم اس کے زیر سایہ ہیں۔ باہر ہوتے ہیں تو کبھی اس کے برابر ہوتے ہیں اور کبھی اس کے سامنے۔ رات کے وقت اس کا چمکدار ڈائل، خوبصورت سوئیاں، ڈائل کے اوپر موٹے حروف میں تحریر اللہ اکبر، ڈائل کے نیچے چلتی ہوئی پٹی جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کلمہ طیبہ اور دعا ''ربنا آتنا فی الدنیا'' جو کہ بار بار نگاہوں سے ٹکراتے ہیں، دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ عموماً فجر کی اذان کے وقت مذکورہ پٹی سے لے کر بالکل اوپر ہلال تک کا حصہ ہری روشنی میں نہا اٹھتا ہے اور اس وقت یہ ٹاور بالکل الگ شکل وصورت میں نظر آتا ہے۔ فجر کی اذان کے وقت یہ روشنی نظر آتی ہے جو اذان کے بعد کچھ لمحوں تک قائم رہتی ہے۔ اس کے بعد روشنی بجھا دی جاتی ہے۔ یہ ٹاور اپنے دامن میں زائرین کے لیے بڑی کشش رکھتا ہے۔ باہر سے مکہ معظمہ آنے والوں کو یہ دسیوں کلو میٹر دور سے ہی دکھائی دینے لگتا ہے۔ اس کو دیکھتے ہی ہم خود کو مطاف میں محسوس کرتے ہیں اور عالم تصور میں خانۂ کعبہ نگاہوں میں اٹکھیلیاں کرنے لگتا ہے۔ جب ہم مکہ سے باہر جاتے ہیں تو اس وقت بھی یہ ٹاور بار بار نظر آتا ہے۔ کبھی دائیں تو کبھی بائیں اور کبھی آگے۔ اس وقت اس پر نظر پڑتے ہی خانۂ کعبہ سے جدائی کا احساس تڑپانے لگتا ہے۔ یہ بلند و بالا عمارت جہاں ہزاروں مہمانوں کو اپنے دامن میں پناہ دیتی ہے وہیں خانۂ کعبہ سے دور کے باشندوں کو قبلہ کا پتہ بھی دیتی ہے۔ مکہ میں کوئی کہیں بھی ہو اگر وہاں سے یہ عمارت نظر آتی ہے تو قبلہ کا تعین آسان ہو جاتا ہے۔ جب ہم عرفات سے مزدلفہ واپس آئے تو ہم نے اس ٹاور کو دیکھ کر ہی قبلے کا تعین کیا۔

یہ ٹاور رات کے وقت جتنا خوبصورت دکھائی دیتا ہے دن میں نہیں دکھائی دیتا۔
ایک بار ہم نماز فجر کے بعد باب فہد کی جانب نکل گئے اور جب وہاں مارکیٹ میں اس پر نظر پڑی تو یہ تو محسوس ہوا کہ ہم اس کے زیر سایہ ہیں لیکن وہ خوبصورتی اور کشش ناپید تھی جس کا مشاہدہ ہم شب میں کر چکے تھے۔ باب عبد العزیز کے سامنے تعمیر اس ٹاور کے برابر میں الصفوا ٹاور ہے لیکن وہ اس کے بالمقابل ایک بچہ لگتا ہے۔ مکہ ٹاور اور باب عبد العزیز کے درمیان خالی صحن میں وہی پتھر بچھائے گئے ہیں جو مطاف میں لگے ہیں جس کی وجہ سے یہاں کا بھی فرش ہمیشہ ٹھنڈا رہتا ہے۔ گیارہ ذی الحجہ کو جب ہم لوگ طواف زیارت یا طواف افاضہ کرنے پہنچے تو اس کے دامن میں تقریباً نصف گھنٹہ ٹھہرے تھے۔ مطاف میں باب فتح کے بورڈ کے نیچے بیٹھنے پر آپ بالکل اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ ہم عام طور پر طواف کے بعد یہیں بیٹھتے اور نماز پڑھتے رہے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ رہی کہ اس جگہ پر نسبتاً کم بھیڑ ہوتی ہے۔

مکہ کلاک ٹاور خانۂ کعبہ کے پہلو میں رکن یمانی سے چند ہی قدم کے فاصلہ پر مقدس پہاڑی صفا کے پیچھے سڑک کے پار تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کا سنگ بنیاد ۲۰۰۴ء میں رکھا گیا اور ۲۰۱۲ء میں اس کی تعمیر مکمل ہوگئی۔ ۲۰۱۳ء میں اس کا افتتاح کیا گیا۔ خانۂ کعبہ کے ساتھ جنوب کی جانب اجیاد قلعہ تھا جسے ترک عثمانی حکمرانوں نے اٹھارھویں صدی عیسوی میں تعمیر کروایا تھا۔ بالکل اسی جگہ سعودی حکومت نے موجودہ عظیم منصوبے کا پروگرام بنایا جس میں دنیا کے سب سے بلند کلاک ٹاور اور ہزاروں رہائشی کمروں کے علاوہ ایک پانچ ستارہ ہوٹل بھی شامل تھا۔

اس وقت مکہ کلاک ٹاور دنیا کی دوسری بلند ترین عمارت ہے۔ پہلی بلند ترین عمارت دبئی کا برج خلیفہ ہے۔ مکہ کلاک ٹاور کی چوٹی پر نصب کلاک (یعنی گھڑی) پوری دنیا میں سب سے بڑا کلاک ہے۔ برج خلیفہ کی اونچائی ۲۷۱۸ فٹ ہے جبکہ مکہ کلاک ٹاور کی اونچائی ۱۹۷۲ فٹ یعنی ۶۰۱ میٹر ہے۔

یہ کلاک حجم کے لحاظ سے لندن کی عظیم عمارت بگ بین (Big Ben) سے چھ گنا

بڑا ہے۔ (بگ بین عرف عام میں اس گھنٹے کو کہتے ہیں جو کہ لندن کے ویسٹ منسٹر میں واقع کلاک ٹاور میں لٹک رہا ہے)۔ مکہ کلاک ٹاور میں تین ہزار کمروں والا ہوٹل بھی ہے۔ جس میں ۸۵۸ر کمرے لگژری اپارٹمنٹس پر مشتمل ہیں۔ ان کمروں کی کھڑکیاں خانہ کعبہ کی طرف کھلتی ہیں جہاں سے خانہ کعبہ اور مسجد الحرام کا روح پرور نظارہ ہر وقت کیا جاسکتا ہے۔

حج کے ایام میں اس کمپلیکس میں ۶۵۰۰ رزائرین قیام کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ہزار لوگوں کے نماز پڑھنے کے لیے بھی ایک بہت بڑا ہال بنایا گیا ہے۔ اس میں ۱۲۳ رمنزلیں ہیں جن میں ۱۲۰ رزمین کے اوپر اور تین زیر زمین ہیں۔ تہ خانوں میں ایک ہزار سے زائد گاڑیاں پارک کی جاسکتی ہیں۔ ۷۶ رمنزلیں ہوٹل کے زیر استعمال ہیں۔ ایک منزل میں اسلامی میوزیم بھی بنایا گیا ہے۔ بیس منزلوں پر مشتمل ایک بہت بڑا شاپنگ مال بھی ہے۔ اس کمپلیکس میں ۹۶ ر برقی زینے یعنی اسکیلیٹر ہیں۔ ان کے علاوہ لفٹ بھی نصب کی گئی ہیں۔ جن کی رفتار چھ میٹر فی سیکنڈ ہے۔

مکہ کلاک ٹاور زمین سے ۱۷۴۰ رفٹ کی بلندی پر نصب کیا گیا ہے۔ کلاک کے ڈائل ایریا کا رقبہ ۱۹۸۸۱ رمربع فٹ ہے۔ جبکہ کلاک کا قطر ۱۲۸ رفٹ ہے۔ منٹ کی سوئی ۷۲ فٹ اور گھنٹوں والی سوئی ۵۶ رفٹ لمبی ہے۔ منٹوں والی ہر سوئی کا وزن ڈیڑھ میٹرک ٹن ہے۔ کلاک کے اوپر موٹے حروف میں ''اللہ اکبر'' لکھا ہوا ہے۔ الف کی لمبائی ۲۳ ر میٹر سے زیادہ ہے۔ پورے کلاک کے سامنے والے رخ پر خوبصورت ٹائل لگائے گئے ہیں۔ کلاک کے فرش پر بیس لاکھ LED لائٹس لگائی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ کلاک کے اوپر ۲۱۰۰ رسفید اور سبز رنگ کی روشنیاں بھی نصب کی گئی ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں جب رات کے وقت یہ لائٹس روشن ہوتی ہیں تو ان کے سامنے آسمان کے ستارے منہ چھپاتے دکھائی دیتے ہیں۔ رات کے وقت یہ کلاک ٹاور بیس کلومیٹر کے فاصلہ سے نظر آتا ہے۔

کلاک کی چھت پر سولہ اہم لائٹس لگائی گئی ہیں جو بالکل عمودی آسمان کی طرف روشنی پھینکتی ہیں جو دس کلومیٹر تک آسمان کی بلندیوں تک چلی جاتی ہے۔ کلاک کے فرش پر دونوں سوئیوں کے پس منظر میں سعودی حکومت کا قومی نشان دو تلواروں کے درمیان کھجور کا

درخت بنایا گیا ہے۔ مسجد الحرام میں دی جانے والی پانچوں وقت کی اذان کی آواز اس کلاک ٹاور سے سات کلو میٹر کے فاصلے تک بخوبی سنی جا سکتی ہے۔

کلاک کی چھت کے اوپر ۱۸۳۳ رفٹ کی بلندی پر ایک رصد گاہ بھی بنائی گئی ہے جو یقیناً دنیا میں سب سے بلند رصد گاہ ہے۔ یہ رصد گاہ مسلمانوں کے مقدس مہینوں کا چاند دیکھنے کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے۔ اس میں اتنی طاقتور دوربینیں نصب کی گئی ہیں کہ چاند کے لیے آنکھ مچولی کھیلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

اس کلاک کا ڈیزائن ایک سوئس کمپنی Strantec نے تیار کیا اور کلاک کی تنصیب کا کارنامہ ایک جرمن کمپنی پریمیئر کمپوزٹ ٹیکنالوجی نے سرانجام دیا۔ اس کمپنی کا ذیلی دفتر دبئی میں ہے۔ کلاک کی تنصیب میں ۲۵۰ ر مسلمان ماہر کاریگروں نے حصہ لیا۔ کلاک تیار کرنے میں تین ماہ کا عرصہ لگا اور اسے دبئی سے لا کر مکہ ٹاور پر نصب کیا گیا۔ واقعی اتنی بلندی پر ایسا تکنیکی کام کرنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ اتنی بلندی سے صرف نیچے دیکھنے سے انسان کی روح کانپنے لگتی ہے۔

کلاک کے اوپر فائبر گلاس سے بنایا ہوا سنہرے رنگ کا ہلال بھی نصب کیا گیا ہے جس کا وزن ۳۵ رٹن ہے۔ یہ ہلال بھی جرمن فرم پریمیئر کمپوزٹ ٹیکنالوجی نے دبئی میں تیار کیا اور اس ہلال کی تنصیب اور ویلڈنگ کا کام مسلمان ماہر کاریگروں نے ہی سرانجام دیا۔ یہ ہلال کلاک ٹاور کی چوٹی کے کلس پر رکھا گیا ہے۔ مکہ کلاک ٹاور کے سارے پروجیکٹ کی تعمیر کا کام سعودی عرب کی سب سے بڑی تعمیراتی کمپنی بن لادن نے سرانجام دیا اور پروجیکٹ کی تعمیر دار الہندسہ کمپنی کی نگرانی میں مکمل ہوئی۔ اپنی دیو ہیکل قامت کی وجہ سے یہ ٹاور شہر کی ہر جگہ سے نہ صرف بآسانی دیکھا جا سکتا ہے بلکہ راستے کے تعین میں بھی مددگار ثابت ہوتا ہے۔

مکہ کلاک ٹاور کی چار اطراف ہیں جن میں رمضان اور عیدین کے خاص مواقع پر اذان کی آواز کے ساتھ خوشی کے اظہار کے لیے لیزر شعاعوں کا ایسا فوارہ بلند کیا جاتا ہے جس کی روشنی دیکھنے والوں کو سحر زدہ کر دیتی ہے۔ مٹی دھول اور بارش سے بچاؤ کے لیے

گھڑیال کا ایک جامع سسٹم ہے۔ گھڑی کو چلانے کے لیے بجلی شمسی توانائی کے ذریعے حاصل کی جاتی ہے۔ اضافی بجلی کے لیے سولر پینل کو مکہ مکرمہ الیکٹرک گرڈ سے بھی منسلک کیا گیا ہے۔ گھڑی کے چاروں رخ کی اپنی الگ موٹر ہے جو خودکار نظام کے تحت اپنے اپنے رخ کو چلاتی ہے۔ اس گھڑی کا وقت مکہ مکرمہ کے مقامی وقت کے مطابق رکھا گیا ہے۔

چوٹی کے عین نیچے، سنہری ہلال کی بنیاد میں ایک خاص کمرہ بنایا گیا ہے جسے خالق کائنات کی عبادت کے لیے وقف کیا گیا ہے۔ اس کمرے تک پہنچنے کے لیے ہائی اسپیڈ لفٹ استعمال کرنی پڑتی ہے جو عمارت کے ٹاپ فلور تک جاتی ہے۔ اس کے بعد ۱۸ میٹر کا فاصلہ پیدل طے کیا جاسکتا ہے یا اس کے لیے دنیا کی بلند ترین چیئر لفٹ استعمال کی جاسکتی ہے۔ عمارت کی تعمیر کے لیے کام کرنے والے انجینئروں کا کہنا ہے کہ اس کی منصوبہ بندی کرنے والے چاہتے تھے کہ کعبہ کے پاکیزہ اور روح پرور نظارے کے ساتھ نماز کی ادائیگی کے لیے جگہ تعمیر کی جائے اور اسی مقصد کی تکمیل کے لیے بلند ترین مقام پر واقع ہلال کے اندر یہ خاص کمرہ تعمیر کیا گیا۔ کلاک ٹاور کی تعمیر کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اس منصوبے پر تین ارب ڈالر سے زائد رقم خرچ ہوئی۔ گھڑی کی ہر سوئی کو متحرک رکھنے کے لیے اپنی الگ موٹر ہے۔ اسے دنیا کا سب سے بڑا گھڑیال ہونے کا شرف حاصل ہے۔

یقیناً یہ سعودی حکومت کا ایک قابل فخر کارنامہ ہے کہ اس نے دنیا کے سب سے بڑے اور بلند کلاک ٹاور کو تعمیر کر کے تمام دنیا کے مسلمانوں کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ اس سے قبل یہی فخر مغربی دنیا کے پاس تھا۔ گویا دنیا میں بلند و بالا فلک بوس عمارتیں تعمیر کرنے کی ایک طرح سے ان کے پاس اجارہ داری تھی۔ اس اجارہ داری کا طلسم اس وقت پاش پاش ہو گیا جب ملیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں پیٹروناس ٹاورز نے سر نکالا۔ اس کے بعد دبئی میں برج خلیفہ کی تعمیر ہوئی جو ابھی تک دنیا کی بلند ترین عمارت ہے اور اب مسلمانوں کے مقدس ترین شہر مکہ میں دنیا کے سب سے بلند کلاک ٹاور کی تعمیر کو چاہے مسلمانوں کی مذہبی فوقیت کا ثبوت نہ بھی مانا جائے مگر دنیا کی بلند ترین عمارتوں میں اس کے مقام سے انکار تو ممکن نہیں رہا۔

حرمین کے اغوات (خدام)

حرمین میں پہلے کچھ مخصوص خدام ہوا کرتے تھے جن کو اغوات کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ مرد بننے کی صلاحیت سے محروم ہوتے اور ان کے والدین ان کو حرمین کی خدمت کے لیے وقف کر دیتے تھے۔ دونوں جگہ ان کے محلے آباد تھے۔ مدینہ میں مسجد نبوی اور بقیع کے مابین ان کا محلہ تھا جو اب ختم ہو چکا ہے۔ اغوات بھی اب کہیں نہیں ہیں۔ نہ حرم مکی میں نہ حرم نبوی میں۔ اس بارے میں جدہ سے شائع ہونے والے اردو روز نامہ ''اردو نیوز'' میں ایک انتہائی معلوماتی مضمون شائع ہوا ہے۔ ۱۲ر فروری ۲۰۱۸ء کے شمارے میں شائع اس مضمون کے قلمکار اخبار کے نامہ نگار احمد صالح حلبی ہیں۔ ہم اس مضمون کو اس کی افادیت کے پیش نظر اردو نیوز کے شکریے کے ساتھ اس کتاب میں شامل کر رہے ہیں:

جب بھی نماز یا طواف کے لیے مسجد الحرام جاتا ہوں مجھے وہ لوگ یاد آتے ہیں جو ماضی قریب تک مطاف یا کنکریوں کے صحن میں کھڑے ہوا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض امام کے ہمراہ آتے جاتے، سفید ثوب پہنتے، سفید عمامہ زیب تن کرتے۔ بعض منفرد قسم کا سبز عمامہ استعمال کیا کرتے تھے۔ انہیں ''اغوات الحرم'' کہا جاتا تھا۔ مجھے یہ لوگ یاد آتے ہیں۔ جب بھی ان کی یاد آتی ہے تو گزشتہ برسوں کی ان کی تاریخ بھی ذہن کی اسکرین پر دوڑنے لگتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے بہت سارے نوجوان اغوات الحرم کی تاریخ سے یکسر ناواقف ہیں۔

''آغا'' کا لفظ عربی نہیں عجمی ہے۔ یہ ترکی، کردی اور فارسی زبانوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کرد حضرات اپنے بزرگوں اور شیوخ کے لیے آغا کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ ترک حضرات سربراہ اور آقا کے لیے لفظ آغا بولتے ہیں۔ فارسی زبان میں

خاندان کے سربراہ کو آغا کہا جاتا ہے۔ سلطنت عثمانیہ کے زمانے میں لفظ ''آغا'' زمیندار، سردار یا شیخ یا گھر کے خدمت گاروں کے امیر کے لیے بولا جاتا تھا۔ عسکری عہدوں پر فائز اکثر خدمت گاروں کو بھی آغا کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ لفظ آغا قصر شاہی میں خصّی خدام کے لیے بولا جاتا تھا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں یہ لفظ ''خدام الحرمین الشریفین'' کے لیے مخصوص تھا۔

بہت ساری تاریخی کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ اغوات کی تاریخ امیر معاویہ بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور سے شروع ہوتی ہے۔ یہ پہلے امیر تھے جنہوں نے خانۂ کعبہ کی خدمت کے لیے غلام تعینات کیے۔ یزید بن معاویہ پہلے مسلم حکمراں ہیں جنھوں نے خانۂ کعبہ کی خدمت کے لیے خصّی خدام مقرر کیے۔ رفعت باشا کا کہنا ہے کہ مسجد الحرام میں اغوات کا تقرر کرنے والے پہلے مسلم حکمراں ابو جعفر المنصور ہیں۔ جہاں تک مسجد نبوی شریف کے اغوات کا تعلق ہے تو ان کی تاریخ صلاح الدین بن ایوب کے دور سے شروع ہوتی ہے۔ یہ پہلے حکمراں ہیں جنھوں نے مسجد نبوی شریف کے لیے خصی خدام متعین کیے۔

مسجد نبوی شریف کے شیخ الاغوات شیخ سعید بن آدم بن عمر آغا نے ۲۰۱۱ء میں شائع ہونے والے اپنے اخباری انٹرویو میں اس بات کی تردید کی کہ اغوات کو ان کے والدین خصی کر کے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ حرمین شریفین کی خدمت کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ یہ دعویٰ درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حبشہ پر اٹلی کی لشکر کشی کے موقع پر بچوں کو خصّی کیا گیا تھا۔ یہ حرکت اہل حبشہ نے نسل کشی کی غرض سے کی تھی۔

الیمامہ مجلّے نے اپنے ایک شمارے میں اغوات کے امور کے سابق نگراں سالم فرید یمنی کا ایک انٹرویو شائع کیا ہے۔ یہ انٹرویو توفیق نصر اللہ نے لیا تھا۔ سالم فرید نے اپنے انٹرویو میں اغوات کی زندگی کے متعدد خفیہ پہلوؤں کو سامنے لاتے ہوئے واضح کیا کہ اغوات مالدار ہوتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ باپ بننے کی صلاحیت سے مکمل طور پر محروم ہوتے ہیں۔ سالم فرید یمنی نے یہ بھی بتایا کہ عراق، مراکش اور یمن میں اغوات کے لیے

جائدادیں وقف ہیں۔ مکہ مکرمہ، طائف، جدہ اور الاحساء میں بھی اغوات کے لیے اوقاف محفوظ ہیں۔ مکہ مکرمہ کے اغوات کے لیے اوقاف میری نگرانی میں ہیں جبکہ مدینہ منورہ کے اغوات کے لیے خود شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں موقوفہ جائدادیں ہیں۔

اغوات کا باقاعدہ نظام ہے۔ سالم فرید یمنی بتاتے ہیں کہ دفعہ ۴۲ر میں تحریر ہے کہ ''اغوات کا سربراہ اور ان کا گروہ اپنے داخلی نظام کے حوالے سے خودمختار امت ہیں۔ انہیں یہ انتظامی خودمختاری شاہ عبدالعزیز نے دفعہ ۴۰ر میں دے رکھی ہے۔ شاہ سعود نے ۴ر ربیع الاول ۱۳۷۴ھ میں ایوان شاہی سے فرمان جاری کر کے بانی مملکت کے عطا کردہ اختیارات کی تائید کی تھی۔

سوال یہ ہے کہ اب جبکہ اغوات کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے کیا کوئی شخص ایسا ہے جو ان کی تاریخ کا ریکارڈ تیار کرنے کی کوشش کرے۔ میری آرزو ہے کہ اگر اغوات جسمانی طور پر نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں تو تاریخی اوراق سے غائب نہ ہوں۔ ان لوگوں نے حرمین شریفین کی خدمت کے لیے اپنی زندگیاں تج رکھی تھیں۔

حجاز اور اہل حجاز

(تب اور اب)

روئے زمین پر موجود دنیا کے دو مقدس ترین مقامات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ نہ صرف ان گنت تاریخی واقعات کے شاہد اور گواہ ہیں بلکہ بذات خود تاریخ ساز بھی ہیں۔ ان شہروں نے وحدانیت کے قیام اور اسلام کی توسیع و اشاعت میں جو نمایاں اور تاریخی کردار ادا کیا ہے اس کی وجہ سے مذہب اسلام تا قیام قیامت دنیا میں باقی رہے گا۔ مکہ کی تاریخ اتنی قدیم ہے کہ اس کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ یہ انتہائی حرمت والا شہر اور دار الامن یا دار الامان بھی ہے۔ یہ دنیا کے وسط میں اس کی ناف کی حیثیت رکھتا ہے اور روئے زمین کی سب سے اعلیٰ و ارفع جگہ ہے۔

مفتی حرم شیخ وصی اللہ عباس ندوی نے اپنی عربی کتاب ''المسجد الحرام: تاریخہ و احکامہ'' میں لکھا ہے کہ ریاض یونیورسٹی کے سول انجینئرنگ کے شعبہ کے صدر ڈاکٹر حسین کمال الدین نے قاہرہ میں شائع ہونے والے اپنے ایک انٹرویو میں واضح کیا ہے کہ ایک نوعیت کے جغرافیائی نظریہ تک ان کی رسائی ہوئی ہے جس کی رو سے مکہ مکرمہ کرۂ ارض کا مرکز ہے۔ وہ دراصل سمت قبلہ کے تعین میں معاون ایک کم قیمت آلہ تیار کرنے کے لیے روئے زمین کے تمام مقامات کی دوری معلوم کرنے کے لیے ایک نقشہ تیار کر رہے تھے۔ نقشہ پر نظر دوڑاتے ہوئے انکشاف ہوا کہ مکہ مکرمہ دنیا کے وسط میں واقع ہے۔ اپنی اس تحقیق کے دوران موصوف کو اس حکمت الٰہیہ کا اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو بیت اللہ الحرام کا مستقر اور رسالت کا مرکز کیوں بنایا ہے۔

(شیخ وصی اللہ عباس ندوی ام القریٰ یونیورسٹی کے شعبۂ سنت میں ریڈر ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو حرم مکی میں درس و افتاء کا شرف بھی حاصل ہے۔ مذکورہ کتاب پر مولانا مقتدیٰ حسن ازہری نے ایک طویل تبصرہ لکھا تھا جو ماہنامہ محدث بنارس میں شائع ہوا تھا۔ اس تبصرہ کو ابو عکاشہ نے اردو مجلس ڈاٹ نیٹ پر پوسٹ کیا ہے۔ ہم نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ اس کے لیے ہم ابو عکاشہ کے شکر گزار ہیں)۔

مکہ مکرمہ کب وجود میں آیا اس سلسلے میں عبداللہ بن عمرو کی ایک موقوف روایت میں ذکر ہے کہ بیت اللہ زمین سے دو ہزار سال قبل بنایا گیا تھا۔ تاہم یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ابراہیم علیہ السلام کے اپنی ذریت کو لے کر مکہ آنے سے قبل وہاں آبادی تھی یا نہیں۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں بنی جرہم کا یہ قول مذکور ہے کہ ہمارے علم میں اس وادی میں پانی نہ تھا۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ آدمی وہیں سکونت اختیار کرتا ہے جہاں پانی اور چارا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ فیصلہ کیا کہ سرزمین مکہ وحدانیت کا مرکز، نبی آخر الزماں کی جائے پیدائش اور مقام نزول وحی بنے تو انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہاں ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو وہاں کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا اور جب تعمیر مکمل ہوگئی تو ان سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ کے لیے رخت سفر باندھنے کا اعلان کروایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ یا اللہ میری ناتواں آواز کہاں تک پہنچے گی تو اللہ کا ارشاد ہوا کہ آپ آواز لگائیے پہنچانے کا کام ہمارا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جبل ابو قبیس سے آواز لگائی۔ انھوں نے لوگوں کو پکارتے ہوئے کہا کہ اے لوگو! تمھارے رب نے اپنی عبادت کے لیے ایک مکان بنوایا اور تم پر اس کا حج فرض کر دیا ہے۔ آپ یہ اعلان کرتے ہوئے شمال، جنوب، مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرتے جاتے اور آواز بلند کرتے جاتے۔ پس جن انسانوں کی قسمت میں حج بیت اللہ کی سعادتِ ازلی لکھی ہوئی تھی انھوں نے اپنے باپوں کی پشت سے اور اپنی ماؤں کے ارحام سے اس مبارک ندا کو سن کر جواب دیا کہ لبیک اللھم لبیک۔ یا اللہ ہم حاضر ہیں، یا اللہ ہم تیرے پاک گھر کی زیارت کے لیے

حاضر ہیں۔

لہٰذا اس کے بعد سے ہی طواف کعبہ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تاہم اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کس دور میں دنیا کے طول وعرض سے مکہ کی جانب انسانوں کا سفر شروع ہوا۔ لیکن جس طرح پوری دنیا سے مسلمان مکہ کا سفر کرتے ہیں خواہ حج وعمرہ کی ادائیگی کے لیے ہو یا تجارتی ضرورتوں کے لیے، اس کے پیش نظر دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مکہ دنیا کا وہ واحد شہر ہے جہاں کا قصد سفر سب سے زیادہ کیا جاتا ہے۔ دنیا کا اور کوئی شہر ایسا نہیں جہاں اتنی بڑی تعداد میں پوری دنیا سے لوگ پہنچتے ہوں۔ پاکستان کے شاعر مظفر وارثی نے اپنی ایک حمد میں ایک مصرعہ کہا ہے کہ ''وہی ہے مشرق وہی ہے مغرب، سفر کریں سب اسی کی جانب''۔ مکہ مکرمہ میں یہ شعر بار بار ہماری یادداشت کے دروازے پر دستک دیتا رہا۔ ہم بار بار یہی سوچتے رہے کہ واقعی اللہ کے گھر کی جانب لوگ جس قدر سفر کرتے ہیں وہ ایک مثال ہے۔

مولانا محمد داؤد راز نے ۱۹۶۷ء میں حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کیا تھا۔ انھوں نے ''حج بیت اللہ شریف'' کے عنوان سے ایک سفرنامہ بھی لکھا ہے جو بظاہر سفرنامہ کم معلومات کا خزانہ زیادہ ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ابن جریر ابن ابی حاتم اور طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن عمر بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تو ارشاد فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ ایک گھر بھی اتاروں گا جس کا طواف اسی طرح کیا جاتا ہے جیسا کہ میرے عرش کا طواف ہوتا ہے اور اس کے پاس نماز اسی طرح ادا کی جائے گی جس طرح میرے عرش کے پاس ادا کی جاتی ہے۔ پھر جب طوفان نوح کا زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اٹھا لیا۔ اس کے بعد سے انبیا علیہم السلام بیت اللہ شریف کا حج تو کیا کرتے تھے مگر اس کا مقام کسی کو معلوم نہ تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا پتہ حضرت ابراہیمؑ کو بتایا اور اس کی جگہ دکھا دی تو آپ نے اس کو پانچ پہاڑوں (کے پتھروں) سے بنایا۔

ابن اسحٰق اور بیہقی نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے

فرمایا کہ جس قدر انبیا علیہم السلام مبعوث ہوئے سب ہی نے بیت اللہ شریف کا حج فرمایا۔ مگر حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کو اس کا موقع نہ ملا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی حج ادا فرمایا...... جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو آپ حکم الٰہی کے مطابق فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی میں مصروف رہے اور آپ کی مشغولیت اس درجہ رہی کہ آپ کو آخر دم تک حج کرنے کا موقع نہیں ملا۔

مولانا داؤد راز نے بعض روایتوں کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ مقام ابراہیم اور حجر اسود اور رکن یمانی اور زم زم شریف کے درمیان ۹۹ رنبیوں کی قبریں ہیں اور کعبہ شریف کے ارد گرد تین سو نبیوں کی قبریں ہیں۔ حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان ۷۰ نبیوں کی قبریں ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کی قبریں حطیم میں میزاب رحمت کے نیچے ہیں۔

تاریخ کا مہتم بالشان واقعہ

اگر دیکھا جائے تو مکہ کی تاریخ کا سب سے بڑا اور مہتم بالشان واقعہ خود فتح مکہ ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین، اپنے رسولؐ، اپنے لشکر اور حرم امین کو عزت عطا فرمائی۔ شہر مکہ کو اور اپنے گھر کو جسے سارے جہانوں کے لیے ہدایت بنایا تھا، کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے بچایا۔ کتابوں میں درج ہے کہ اس فتح کی خوشی آسمان والوں نے بھی منائی اور اس کی دھوم ستاروں تک پہنچی۔ پھر کیا تھا لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے اور اسلام کے نام لیواؤں کی حکومت دنیا کے بہت بڑے خطے پر قائم ہوگئی۔

فتح مکہ کے روز اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرام کے جلو میں مسجد حرام کے اندر تشریف لائے۔ آگے بڑھ کر حجر اسود کو چوما اور اس کے بعد آپؐ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک کمان تھی اور بیت اللہ کے گرد اور اس کی چھت پر تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ اسی کمان سے ان بتوں کو ٹھوکر مارتے جاتے تھے اور کہتے

جاتے تھے ''حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ باطل جانے والی چیز ہے''۔ (ترجمہ)

آپ نے اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر طواف فرمایا اور حالت احرام میں نہ ہونے کی وجہ سے صرف طواف پر ہی اکتفا کیا۔

دوسرے روز خطبہ دینے کے لیے اللہ کے نبیؐ پھر لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے۔ آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی۔ پھر فرمایا: لوگو! اللہ نے جس دن آسمان وزمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام (حرمت والا شہر) ٹھہرایا۔ اس لیے وہ اللہ کی حرمت کے سبب قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ کوئی آدمی جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ اس میں خون بہائے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔

یہاں پر خوں ریزی اور مکہ کے باشندوں کو تکلیف پہنچانے سے روک دیا گیا ہے۔ دور جاہلیت میں عربوں کے یہاں معروف تھا کہ آپس میں ایک دوسرے پر چڑھائی کرتے تھے اور ایک دوسرے کو قتل بھی کرتے تھے۔ جبکہ مکہ کے باشندے حرم کے احترام کے باعث پر امن زندگی گزارتے تھے۔ مکہ آج بھی پر امن ہے۔ جبکہ بہت سی جگہوں پر جان ومال میں سے کسی کی خیر نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی کا قتل کر کے حرم میں داخل ہو جاتا تھا تو اس کا انتظار اس وقت تک کیا جاتا تھا جب تک کہ وہ وہاں سے باہر نہ نکل جائے۔ حرم میں سب کو پناہ حاصل ہوتی ہے۔

''المسجد الحرام'' سے پورا حرم بھی مراد ہے اور کعبہ شریف کا احاطہ کرنے والی مسجد بھی۔ دور جاہلیت میں اور ابتدائے اسلام میں مسجد کی چار دیواری نہ تھی بلکہ مطاف کا حصہ چھوڑ کر لوگوں کے رہائشی مکانات شروع ہو جاتے تھے۔ ان مکانات اور کعبہ کے بیچ کے حصہ کو دور جاہلیت میں مسجد الحرام کے نام سے موسوم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ یہ نام اسلام اور قرآن سے آیا ہے۔ مسجد میں سائے کے لیے معمولی چھپر کے علاوہ کوئی چھت بھی نہ تھی۔ اللہ کے نبی نے جب حج کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ ان میں سے کم سے کم ستر پچھتر ہزار لوگ آپ کے ساتھ طواف ونماز ادا کرتے تھے۔ اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ رہائشی مکانات اور کعبہ کے درمیان اتنی گنجائش تھی کہ مذکورہ تعداد وہاں سما سکے

اور سواری پر طواف کرنے والے کے لیے بھی جگہ ہو۔

تب اور اب

مولانا محمد داؤد راز نے اس وقت یعنی ۱۹۶۷ء کی مسجد الحرام کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ وہ عالیشان مربع عمارت ہے جس کے وسط میں خانۂ کعبہ واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف آگے پیچھے تین اور کسی جگہ چار بڑے بڑے دالان ہیں۔ درمیان میں ستونوں کی صف ہے اور ہر چار ستونوں پر قبہ نما ڈاٹ لگا دی گئی ہے۔ گویا چھت قبوں کی ہے۔ بیچ میں کھلا ہوا صحن ہے جس میں چاروں طرف مطاف تک جانے کے لیے پتھر کی آٹھ سڑکیں قائم کی گئی ہیں اور سڑکوں کے درمیان بقیہ زمین میں پتھریلی بجری بچھی ہوئی ہے جو غروب آفتاب کے بعد ٹھنڈی پڑ جاتی ہے"۔

آج جو لوگ حج وعمرہ کی ادائیگی کے لیے جاتے ہیں اگر وہ اس تفصیل کو پڑھیں تو سمجھیں گے کہ یہ کسی اور عمارت کا ذکر ہے مسجد حرام کا نہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ان سے قبل ۱۹۲۶ء میں فریضۂ حج کی ادائیگی کی تھی۔ یعنی آٹھ سال کم ایک صدی پہلے۔ وہ ۲۶/اپریل کو امرتسر سے روانہ ہوئے تھے اور ۲۰/اگست ۱۹۲۶ء کو لاہور واپس آئے تھے۔ چار ماہ کے عرصہ میں جن واقعات ومشاہدات کا سامنا ہوا تھا ان کو وہ قلمبند کر کے ہر ہفتہ بذریعہ ڈاک ہندوستان روانہ کرتے۔ وہ بالترتیب ہفت روزہ اہلحدیث میں ۱۳ قسطوں میں "مسافر حجاز کا مکتوب" کے عنوان سے شائع ہوئے تھے۔ انھوں نے روانہ ہونے سے قبل اپنے سفر حج کا اعلان کیا تھا اور یہ بھی اعلان کیا تھا کہ ان کے ساتھ جو لوگ حج پر جانا چاہیں وہ ساتھ چل سکتے ہیں۔ جب وہ سفر حج پر روانہ ہوئے تو ان کے ہمراہ پانچ سو مسلمان بھی روانہ ہوئے تھے۔ مولانا وہاں سے ہندوستان خطوط ارسال کیا کرتے تھے۔ انھی خطوط کو مولانا محمد احمد چنوٹی نے جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب طارق اکیڈمی ڈی گراونڈ سموسہ چوک فیصل آباد سے مارچ ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا نام "سفرنامۂ حجاز" ہے۔

اسے کتاب وسنت ڈاٹ کام پر اپلوڈ کیا گیا ہے۔ یہ حج تاریخی اعتبار سے اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ دسمبر ۱۹۲۵ء کے آخر میں سلطان ابن سعود نے مدینہ فتح کر کے سرزمین حجاز پر اپنا اقتدار مکمل کیا تھا۔ ۱۹۲۶ء میں پہلی مرتبہ آل سعود کے زیر انتظام حج کا انعقاد ہوا تھا۔

مولانا ۱۲ر مئی کو باب السلام سے حرم شریف میں داخل ہوئے۔ انھیں یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا تھا کہ حرم میں الگ الگ مکاتب فکر کی الگ الگ نمازیں ہوتی ہیں۔ خیال رہے کہ اس وقت وہاں چار مصلے ہوا کرتے تھے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ ایک مسلک کی جماعت ہوتی تو دوسرے ملک کے لوگ بیٹھے رہتے۔ گویا ہر نماز حرم میں چار مرتبہ ہوتی تھی۔ ملک ابن سعود نے اس روایت کو ختم کر کے ایک نماز کا اہتمام کرایا۔

مولانا نے مکتوب نمبر آٹھ میں مکہ کی اقتصادی و معاشی بدحالی کا جائزہ لیا ہے اور اس کی وجوہات کو جاننے کی کوشش کی ہے۔ اس وقت وہاں آبادی بہت کم تھی اور پانی کی بڑی قلت تھی۔ نویں مکتوب میں درج ہے کہ ۸ر ذی الحجہ کی شب میں جبکہ تمام حجاج منیٰ سے عرفات جانے کی تیاری میں تھے کہ اچانک نجدیوں اور مصریوں میں تنازعہ کے سبب گولیاں چلی تھیں جس میں ۲۵ر سعودی شہری شہید ہوئے تھے اور کچھ اونٹ مر گئے تھے۔ مولانا کے مطابق سلطان ابن سعود بھی اس وقت وہاں ایک خیمہ میں تھے۔ انھوں نے اپنے حسن تدبر سے اس معاملے کو ٹھنڈا کیا تھا۔

اب تو حرم میں بھیک مانگنے والوں کی تعداد بہت کم نظر آتی ہے لیکن اس وقت ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مولانا کے مطابق ''سائلوں کا یہ حال ہے کہ ہر عمر کے بچے، جوان، بوڑھے، میلے پوش، سفید پوش، لڑکے، لڑکیاں، عورتیں، مرد اس کثرت سے حرم میں مانگتے ہیں کہ بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اگر رحم کر کے کسی کو دے دو تو الامان! جان چھڑانی مشکل بلکہ قریب محال چمٹ جاتے ہیں''۔

اس وقت خانۂ کعبہ کے اندر سب کو جانے کی اجازت تھی۔ اس کے لیے دروازے پر سیڑھی لگائی جاتی تھی۔ اس تعلق سے خواتین کو بڑی دشواریوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ لوگ سیڑھیوں سے نیچے گرتے تھے اور ان کو چھڑیوں سے پیٹا جاتا تھا۔

مولانا نے وہاں کی سڑکوں کے بارے میں بڑے دلچسپ انداز میں لکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جدہ سے مکہ تک اور مکہ سے مدینہ تک کی سڑکوں کا حال جو ہے سو ہے کہ اونٹوں کے ہی چلنے کے لائق ہیں۔ موٹر بھی اچھی طرح نہیں چل سکتی۔ خاص مکہ کی سڑکیں اس قسم کی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ ہو کر دیکھیں تو اسی حالت پر پائیں کہ جس حالت پر وہ مکہ کو چھوڑ کر گئے تھے۔ سرِ مو فرق نہ پائیں گے۔ یہاں آ کر حیرت ہوتی ہے کہ ترکوں جیسی زبردست اور یورپ کی تہذیب میں رنگی ہوئی مہذب حکومت صدیوں تک یہاں رہی مگر حالت یہ ہے کہ ناگفتہ بہ۔

مولانا کے مطابق مکہ چونکہ ایک مرکز اسلام ہے اس لیے اس کی آبادی جتنی چاہیے تھی اتنی نہیں۔ بظاہر تو بہت پھیلا ہوا ہے، عمارات بہت بلند اور عالیشان ہیں لیکن اکثر ان میں حج کے ایام میں بغرض حصول کرایہ بنائی گئی ہیں۔ ہم دس محرم کو مدینہ شریف پہنچے۔ یہاں کئی وجوہ سے دل کو سخت رنج ہوا۔ ایک وجہ یہ ہے کہ مدینہ شریف کی آبادی بہت کم ہے۔ امیر مدینہ کا بیان ہے کہ پہلے اس کی آبادی ۷۵۔۷۶ ہزار تھی مگر اب ۱۶ ہزار ہے۔ بڑے بڑے شاندار عالیشان مکانات خالی پڑے ہیں۔ مولانا نے لکھا ہے کہ یہ دیکھ کر بڑی کوفت ہوتی تھی کہ بہت سے لوگ قبر مبارک کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں اور سجدے کر رہے ہیں۔

مکہ سے مدینہ پندرہ دنوں میں

مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں کہ ”یہ سفر (سفرِ حج) دنیا میں مسلمانوں کے لیے ایک معنی سے مقام مسرت ہے اور ایک وجہ سے مقام ندامت بھی۔ مقام مسرت تو یوں ہے کہ زمانۂ رسالت اور عہد خلافت کی یاد دلاتا ہے۔ ندامت اس وجہ سے کہ تمام دنیا میں ترقی ہوئی، سفری آسانیاں کمال کو پہنچیں مگر سفرِ حج میں وہی کیفیت رہی جو آج سے چودہ سو سال پہلے تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ زمین حجاز تمام کی تمام قریباً سب کی سب یا تو پتھریلی ہے یا ریگستانی۔ آبادی کا نام و نشان نہیں۔ زراعت کا پتہ نہیں۔ لق و دق بیابانوں میں

قافلے گزر رہے ہیں جن میں نہ کوئی سڑک ہے نہ کوئی خاص نشان۔ اس پر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اندھیری راتوں میں قافلے چلتے ہیں جن کے چلانے والے قائدین (بدو) بھی سامانی اونٹوں پر سورہتے ہیں۔ بس اب تو قافلہ فقط خدا کی حفاظت میں چلتا ہے۔ جہاں تک اگلے اونٹ کی عقل وفہم کام دیتی ہے، چلتا ہے۔ جہاں اس پر راستہ کا اشتباہ ہوتا ہے یا تکان ہوتی ہے وہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ جس سے تمام پچھلے اونٹ بھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب تک کوئی حاجی یا بدو بیدار ہو کر اس کو نہ چلائے قافلہ کھڑا ہے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ اگلا اونٹ بدوؤں کی نیند کی حالت میں کبھی غلطی سے اصل راہ چھوڑ کر گمراہ بھی ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دو تین میل بلکہ زیادہ مسافت دائیں سے بائیں کو یا بائیں سے دائیں کو چلے جانے کے بعد بدو بیدار ہوتے ہیں۔ اب ایک عجیب حالت ہوتی ہے۔ قافلہ کے تمام بدو ہاتھوں میں مشعلیں لے کر دائیں بائیں دور تک راستہ دیکھنے نکل جاتے ہیں۔ ایک آواز ادھر دور سے آتی ہے، دوسری ادھر دور سے آتی ہے۔ پیچھے سارا قافلہ چلتا ہے۔ کبھی جلدی کبھی بعد مدت دراز راستہ ملتا ہے تو اس پر چلتے ہیں''۔

مولانا لکھتے ہیں کہ اس طرح ہم لوگ پندرہ دنوں میں مکہ سے مدینہ پہنچے۔

مکہ سے مدینہ دو گھنٹے میں

لیکن اب مکہ سے مدینہ تک کا سفر اتنا طویل نہیں۔ اب تو ذرائع نقل وحمل میں اس قدر ترقی ہوئی ہے کہ بذریعہ بس بھی سات آٹھ گھنٹے میں پہنچ جاتے ہیں۔ بذریعہ کار تو اس سے بھی کم وقت لگتا ہے۔ لیکن اب ایک اور تیز رفتار سواری عالم وجود میں آگئی ہے اور وہ ہے الحرمین ٹرین۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ آیئے پہلے حجاز میں ریلوے کی تاریخ اور اس کا پس منظر جان لیتے ہیں)۔

''عثمانی خلیفہ سلطان عبد الحمید ثانی نے حجاج کرام اور زائرین عمرہ کی سہولت کی خاطر ۱۹۰۰ء میں دمشق سے مکہ مکرمہ تک ریلوے لائن بچھانے کا اعلان کیا اور آٹھ برسوں کی جان توڑ جدوجہد کے بعد دمشق سے مدینہ منورہ تک ۱۳۲۰ رکلومیٹر طویل ریلوے لائن

بچھادی گئی جسے بعدازاں مکہ مکرمہ تک توسیع دینے کا ارادہ تھا۔ مگر کچھ عرصے بعد ہی پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی جس کے سبب منصوبہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اس منصوبے پر اندازاً ڈھائی ملین پاؤنڈ خرچ ہوئے۔ جبکہ جرمنی نے تکنیکی معاونت فراہم کی۔ دراصل یہ منصوبہ ''برلن بغداد ریلوے'' کا حصہ تھا جس کے تحت پورے خطے کو آپس میں جوڑنا تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ عثمانی خلیفہ نے اس منصوبے کے لیے دنیا بھر کے مسلمانوں سے چندے کی اپیل کی تھی اور سب سے زیادہ چندہ مسلمانان ہند کی جانب سے دیا گیا تھا۔ چونکہ بعض عناصر اس منصوبے کو ترک عرب تنازعے کا رنگ دے رہے تھے اس لیے جنگ عظیم کے دوران حجاز میں ترک حکمرانوں کے خلاف بغاوت ہوئی تو لارنس آف عربیہ کی قیادت میں قبائلیوں نے اس ریلوے لائن کو جگہ جگہ سے اکھاڑ دیا اور گاڑیوں اور انجنوں کو تباہ کر دیا۔ اس طرح ۱۹۲۰ء میں بھاپ کے انجن سے چلنے والی یہ ٹرین سعودی علاقے میں تو بند ہوگئی تاہم دیگر کئی علاقوں میں چلتی رہی۔ ۱۹۶۰ء میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنے سوا تین ماہ پر محیط'' سفر ارض قرآن'' کے سلسلے میں کئی علاقوں میں اسی ٹرین کے ذریعے پہنچے تھے۔ بی بی سی کی ۲۰۰۶ء کی ایک رپورٹ کے مطابق ان دنوں بھی شام اور اردن کے کچھ علاقوں میں یہ ٹرین چلتی تھی۔ تاہم جنگ سے تباہ حال ملک میں اب یہ تاریخی ریل سروس کس حال میں ہے کچھ علم نہیں۔ آج بھی حجاز ریلوے کی نشانیاں پورے عرب میں بکھری پڑی ہیں۔ خصوصاً مدینہ منورہ میں واقع حجاز ریلوے کا آخری اسٹیشن اس عظیم منصوبے کی داستان سنانے کے لیے کافی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ ریلوے اسٹیشن اس مقام پر بنایا گیا تھا جہاں نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر اپنا خیمہ لگایا تھا اور اہل مدینہ کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی تھی۔ سعودی محکمۂ سیاحت و آثار قدیمہ نے اس کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر اس اسٹیشن کی عمارت کو عجائب گھر میں تبدیل کر دیا ہے''۔

(بحوالہ روزنامہ جنگ کراچی، ۴ نومبر ۲۰۱۸ء مضمون نگار منور راجپوت)

مذکورہ اسٹیشن اور اس کے میوزیم میں تبدیل کر دیے جانے سے متعلق ایک تفصیلی مضمون آگے آرہا ہے۔

اب ہم حرمین ٹرین کے منصوبے اور ٹرین کے آغاز اور اس سے حجاج کو ہونے والی سہولتوں پر نظر ڈالتے ہیں۔

ہر سال دنیا بھر سے لاکھوں مسلمان حج اور عمرے کے لیے سعودی عرب جاتے ہیں۔ حکومت کے تخمینہ کے مطابق ۲۰۲۰ء تک حجاج کرام کی تعداد بڑھ کر پچیس لاکھ اور عمرہ زائرین کی تعداد ڈیڑھ کروڑ ہو جائے گی۔ یہ لوگ روضۂ رسولؐ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ بھی جاتے ہیں۔ ان دونوں شہروں کے درمیان کئی ایسے مقامات بھی ہیں جن کی زیارت کی جاتی ہے۔ پھر یہ کہ حجاج اور عمرہ زائرین کے پاس محدود وقت ہوتا ہے جس میں وہ زیادہ سے زیادہ فیوض و برکات سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے ایک عرصے سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان تیز رفتار ریل سروس شروع کی جائے تا کہ ساڑھے چار سو کلومیٹر کا فاصلہ تیزی اور سہولت سے طے ہو سکے۔ اسی مقصد کے تحت سعودی حکومت نے ۲۰۱۲ء میں مشرق وسطیٰ کے سب سے بڑے پبلک ٹرانسپورٹ منصوبے پر کام کا آغاز کیا۔ چھ سال کی محنت کے بعد یہ منصوبہ مکمل ہو گیا اور سعودی فرماں روا شاہ سلمان بن عبدالعزیز نے ۲۵ ستمبر کو مدینہ منورہ میں منعقدہ ایک پر وقار تقریب میں اس منصوبے کا باقاعدہ افتتاح کیا۔ حکام کے مطابق اس منصوبے پر تقریباً آٹھ ارب امریکی ڈالر خرچ ہوئے ہیں۔ قبل ازیں ''حرمین ایکسپریس'' پہلی بار گزشتہ سال اکتوبر میں تجرباتی طور پر جدہ سے مکہ تک چلائی گئی تھی جس کے بعد رواں سال یکم جون کو یہ ٹرین مکہ سے مدینہ منورہ تک گئی جس میں اعلیٰ سرکاری حکام کے علاوہ شہریوں کی بھی بڑی تعداد سوار تھی۔ ریڈیو اور ٹی وی سے اس سفر کی براہ راست کمنٹری بھی نشر کی گئی۔ اس کے بعد دو ماہ تک شہریوں کو تجرباتی طور پر مفت سفر کروایا گیا تا کہ سامنے آنے والے نقائص دور کیے جا سکیں۔

اس ٹرین کو ''حرمین ایکسپریس'' کا نام دیا گیا ہے، جو تین سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلے گی اور مکہ اور مدینہ کی مسافت دو گھنٹے میں طے کرے گی۔ یہ ٹرین، جدہ سے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ جائے گی۔ اس روٹ پر پانچ اسٹیشن بنائے گئے ہیں۔ مکہ، جدہ،

جدہ ائیر پورٹ، کنگ عبداللہ اکنامک سٹی اور مدینہ منورہ۔ حکام کے مطابق اس روٹ پر یومیہ آٹھ ٹرینیں چلیں گی جو ۳۵/ بوگیوں پر مشتمل ہوں گی۔ان میں مسافروں کے لیے ۴۱۷/ نشستوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ سال کے آخر تک ٹرینوں کی تعداد بڑھا کر بارہ کر دی جائے گی جن میں سالانہ چھ کروڑ افراد سفر کر سکیں گے۔اس برقی ٹرین کو بجلی کی فراہمی کے لیے چھ پاور ہاوس قائم کیے گئے ہیں۔ پبلک ٹرانسپورٹ کے سربراہ رومیح الرومیح کا کہنا ہے کہ'' یہ منصوبہ تین مراحل میں مکمل کیا گیا۔ پہلے مرحلے کی تکمیل میں سعودی اور بین الاقوامی کمپنیوں کے اشتراک سے ۳۵۰/ پل اور پانی کی فراہمی کے لیے ۸۵۰/ چینل بنائے گئے۔ٹرین کا روٹ بنانے کے لیے ۱۵۰/ ملین کیوبک میٹر ریت اور چٹانوں کو ہٹایا گیا۔ پھر دوسرے مرحلے میں اسٹیشن بنائے گئے اور آخری مرحلے میں ٹرین کے لیے پٹریاں بچھائی گئیں، سگنل سسٹم نصب کیا اور ٹکٹ سسٹم کو حتمی شکل دی گئی۔''

سعودی حکومت کے مطابق جدید ترین ٹرین کو چلانے اور دیکھ بھال کا ٹھیکہ بارہ سال کے لیے اسپین کی ایک کمپنی کو دیا گیا ہے۔ مکہ مکرمہ کا ریلوے اسٹیشن حرم شریف سے چار کلومیٹر کی مسافت پر الرصیفہ محلے میں باب الداخلہ پر بنایا گیا ہے۔ پانچ لاکھ تین ہزار مربع میٹر پر پھیلے اس اسٹیشن پر ایک گھنٹے میں بیس ہزار مسافروں کو سفری سہولتیں مہیا کی جاسکتی ہیں۔ جبکہ مدینہ منورہ کا ریلوے اسٹیشن مسجد نبوی سے ۹/ کلومیٹر دور بنایا گیا ہے۔

سعودی عرب کے وزیر مواصلات ڈاکٹر نبیل کا کہنا ہے کہ'' اس منصوبے سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے جذبے کی عکاسی ہوتی ہے۔اس پروجیکٹ کو'' وژن ۲۰۳۰ء'' کے تحت بنایا گیا ہے جس کا مقصد زائرین کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کرنا ہے۔''

اس منصوبے میں سعودی عرب، فرانس، چین اور اسپین کی کمپنیوں نے حصہ لیا۔ بلاشبہ یہ ایک بہت مشکل اور چیلنجوں سے بھرپور منصوبہ تھا کیونکہ پہاڑی راستوں، ساحلی مقامات اور دلدلی علاقوں میں ریلوے پٹری بچھانا آسان نہیں تھا۔ ''حرمین ٹرین'' سے حجاج کرام اور عمرہ زائرین کے علاوہ عام مسافروں کے لیے بھی مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر انتہائی آرام دہ ہو گیا ہے۔

حرمین ایکسپریس کے کرایوں کی گیسٹ کلاس اور بزنس کلاس کی صورت میں درجہ بندی کی گئی ہے۔ مکہ سے مدینہ تک کا کرایہ گیسٹ کلاس کے لیے ۱۵۰ ریال اور بزنس کلاس کے لیے ۲۵۰ ریال مقرر کیا گیا ہے۔ مسافروں کی سہولت کے پیش نظر آن لائن ٹکٹ سسٹم بھی متعارف کروایا گیا ہے۔ اسٹیشنوں پر جدید ریستوران بنائے گئے ہیں۔ پروجیکٹ مینجر محمد فلاتح کا کہنا ہے کہ ''یہ ٹرین مسافروں کو قابل اعتبار اور تیز سروس فراہم کرے گی۔ لوگ کتب بینی کرتے اور بزنس کلاس میں ٹی وی دیکھتے ہوئے سفر کر سکیں گے''۔

سعودی حکام کا خیال ہے کہ اس ٹرین سروس سے ''کنگ عبداللہ اکنامک سٹی'' میں سیاحوں کی آمد ورفت بڑھ جائے گی جس سے قومی آمدنی میں اضافہ ہوگا۔ اسی طرح حرمین ایکسپریس کو جدہ انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے ایک نئے ٹرمنل سے بھی منسلک کرنے کا منصوبہ ہے جو ڈومیسٹک فلائٹس کے لیے تو کھول دیا گیا ہے۔ تاہم اس ٹرمنل کو بین الاقوامی پروازوں کے لیے اگلے برس سے استعمال کیا جائے گا۔ وزیر مواصلات کا یہ بھی کہنا ہے کہ ''اگلے مرحلے میں اس ٹرین کے ذریعے ریاض کو جدہ سے ملا دیا جائے گا''۔

پہلی نظر اور چشم تصور

جب کوئی شخص پہلی بار سعودی عرب جاتا ہے تو اس کی چشم تصور میں نبی ﷺ کے دور کی وہی سرزمین حجاز ہوتی ہے جس کا نقشہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے کھینچا ہے۔ مکہ مدینہ کی پہاڑیاں ہوتی ہیں اور بدوؤں کے غول ہوتے ہیں۔ ریگستان میں چرتی ہوئی بکریوں اور اونٹوں کے ریوڑوں کا خیال آتا ہے اور اہل حجاز کی مفلسی نظر آتی ہے۔ خیالوں میں اسی دور کا کعبہ ہوتا ہے اور وہاں جا بجا بیٹھے ہوئے مکہ کے باشندے ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ موجودہ سرزمین پر قدم رکھتا ہے تو وہ حیران ہو جاتا ہے اور وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہتا ہے کہ وہ اسی سرزمین حجاز پر ہے جس کے بارے میں بچپن سے بہت کچھ سنتا رہا اور دل و دماغ میں جس کی ایک شبیہ بنی رہی یا یہ کوئی اور سرزمین ہے۔ دراصل وہاں کی ترقی دیکھ کر اس کے چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔ نہ تو کچے مکانات نظر آتے

ہیں، نہ کچے راستے۔ نہ کہیں مفلسی کا ڈیرہ نہ کہیں بدوؤں کا بسیرا۔ نہ کہیں کوئی کنواں نظر آتا ہے اور نہ ہی کوئی پرانا باغ۔ نہ پانی کی قلت نہ پیاسوں کا ہجوم۔ صاف شفاف اور انتہائی ہموار سیاہ سڑکیں۔ کثیر منزلہ عمارتیں اور ہوٹل۔ بے شمار ذرائع نقل وحمل۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان تھوڑی تھوڑی مسافت پر مردوں اور عورتوں کے لیے علیحدہ علیحدہ مسجدیں اور حمام۔ جگہ جگہ پانی کے نل۔ جگہ جگہ دکان اور ریسٹورنٹ۔ جہاں خوب ٹھنڈا مشروب موجود۔ دنیا جہان کی نعمتوں سے لبریز خوبصورت مارکیٹ۔ یوں لگتا ہے کہ ہم کسی ترقی یافتہ یوروپی ملک میں آگئے ہیں۔

مسجد حرام میں داخل ہوتے ہی ابتدائے اسلام کے وقت کا خانۂ کعبہ کہیں گم ہو جاتا ہے اور ایک نیا کعبہ اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ نظروں سے اٹکھیلیاں کرنے لگتا ہے جس کا غلاف سونے کے تاروں سے مزین ہے۔ نگاہیں چاہ زم زم کو ڈھونڈتی ہیں جس کی منڈیر پر اصحاب تشریف فرما ہوتے تھے۔ مگر اب وہ کہاں؟۔ زائرین کی آسانی کے لیے اسے ڈھک دیا گیا ہے۔ مطاف میں لوگ طواف میں مصروف ہیں۔ کچھ نمازوں کی ادائیگی کر رہے ہیں۔ کچھ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ کچھ دعائیں مانگ رہے ہیں۔ کچھ دور رکھے ہوئے آب زم زم کے کین سے زم زم پی کر سیراب ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مسجد حرام سے باہر نکلتے ہیں تو بازار دیکھ کر ٹھٹک جاتے ہیں۔ خیال آتا ہے کہ کیا یہ وہی بازار ہے جہاں امرائے عرب تجارتی سرگرمیوں میں مصروف ہوتے اور غربائے عرب اپنی ضرورت کی اشیا خریدتے تھے۔ نہیں بالکل نہیں۔ یہ وہ بازار نہیں۔ یہ تو جدید طرز کے مارکیٹ اور مال ہیں۔ نو واردین حجاز کی نگاہیں ماضی کی یادگاریں تلاش کرتی ہیں اور ناکام ہو کر واپس آجاتی ہیں۔

اسی طرح شہر مدینہ منورہ کی ترقی اور رونق دیکھ کر نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ مسجد نبوی کو دیکھ کر طبیعت عش عش کر اٹھتی ہے۔ یہ خیال بھی آتا ہے کہ یہ وہی مسجد ہے جسے اللہ کے رسولؐ نے اپنے اصحاب کے ساتھ مل کر تعمیر کیا تھا اور جس کے ستون کھجور کے تنوں

سے اور جس کی چھت اس کے پتوں سے بنائی گئی تھی۔ مگر اب اس کی وسعت، خوبصورتی اور اسلامی فن تعمیر کے بہترین نمونے حکومت و انتظامیہ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

یہاں سے باہر نکلتے ہیں تو اطراف میں جدید طرز کے خوبصورت ہوٹلوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ مال اور مارکیٹ ہمارا استقبال کرتے ہیں۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی سواریوں کی جگہ نفیس سڑکوں پر مہنگی اور چمچماتی کاریں دوڑتی نظر آتی ہیں۔ حرمین اور ان کے اطراف کی ترقی نگاہوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ گویا وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ بدل گیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ احساس فرط مسرت میں غرق کر دیتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل حجاز کو دنیاوی دولت سے نوازا تو انھوں نے مسجد حرام اور مسجد نبوی پر اپنی دولت لٹا دی۔ حج و عمرہ کی ادائیگی کرنے کی نیت سے دنیا جہان سے وارد ہونے والی مسلمانوں کی زبردست تعداد نے حکومتوں کو مجبور کیا کہ وہ حرمین کی توسیع کریں اور ان کے شایان شان کریں۔

نبی ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کے کچھ دنوں کے بعد جب یہ محسوس کیا کہ مسجد مصلیوں کے لیے تنگ پڑ رہی ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہے کوئی جو مسجد کے قریب کی جگہ خرید کر مسجد کو ہبہ کر دے؟ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس آواز پر لبیک کہا اور اس قطعۂ زمین کو خرید کر مسجد نبوی کو ہبہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد بھی رفتہ رفتہ مسجد نبوی ہو یا مسجد حرام دونوں مسجدیں بندگان خدا کے لیے تنگ پڑنے لگیں اور پھر جو بھی وہاں کا فرماں روا رہا اس نے حرمین میں بقدر ضرورت و ظرف توسیع کی۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور وژن ۲۰۳۰ء کی تکمیل تک اور شاید اس کے بعد بھی جاری رہے گا۔

لہٰذا کہنے کو تو تغیر نے سب پر اپنا قبضہ جما لیا ہے۔ ہر پرانی شے فنا ہو گئی اور اس کی جگہ نئی نئی چیزوں نے لے لی ہے۔ لیکن ایک تاریخی روایت ہے جس پر آج بھی زوال نہیں آیا ہے۔ جو آج بھی بدستور قائم ہے اور تبدیلی کا پنجہ جس کو اپنی گرفت میں لینے سے قاصر ہے۔ اور وہ روایت ہے اہل حجاز کا جذبۂ اخوت و خدمت گزاری، جذبۂ مہمان

نوازی اور خالق کائنات کی عبادت کا ذوق وشوق۔ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں جا بجا ایسے مخیّر حضرات مل جاتے ہیں جو کھانے پینے کی کسی نہ کسی چیز سے مہمانوں کی ضیافت کرتے رہتے ہیں۔ رمضان المبارک میں تو اہالیان مکہ و مدینہ کا جذبۂ مہمان نوازی عروج پر ہوتا ہے۔ بچہ ہو یا جوان یا بوڑھا ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ روزہ داروں کو افطار کرا سکے۔ راستوں پر لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ افطار تقسیم کرتے ہیں بلکہ اپنے گھروں میں بھی بلا کے لے جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ تو حرمین میں اپنی صفیں مخصوص کرا لیتے ہیں اور پورا مہینہ افطار و سحری کراتے ہیں۔ غیر رمضان میں بھی یہ جذبہ ماند نہیں پڑتا۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں مغرب سے کچھ پہلے صفیں بچھ جاتی ہیں اور صائم و غیر صائم سب کی ضیافت کی جاتی ہے۔ مکہ مکرمہ میں تو آب زم زم پلانے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

حرمین کے باہر بھی یہ سلسلہ نظر آتا ہے۔ تاریخی مقامات کی زیارت کو نکلیں تو کہیں کوئی شخص پھل تقسیم کر رہا ہے تو کوئی کھجور بانٹ رہا ہے۔ کوئی پانی کی بوتل تھما رہا ہے تو کوئی کولڈ ڈرنکس سے مہمان نوازی کر رہا ہے۔ مدینہ کے تاریخی مقامات کی زیارت کے دوران ہم جبل احد پہنچے اور ہم لوگ مسجد کے زیرِ سایہ چادر بچھا کر بیٹھ گئے اور چائے پینے لگے تو ایک شخص انگور کا ایک بڑا سا پیکٹ لے کر آیا اور ہمارے ساتھ جو بچے تھے ان کو تھما کر آگے بڑھ گیا۔ وہ پیکٹ دو تین کلو کا رہا ہوگا۔ جب فارغ ہو کر ہم وہاں سے نکلے تو دیکھا کہ وہیں قریب میں ایک شخص انگور فروخت کر رہا ہے۔ مذکورہ میزبان نے وہیں سے انگور خرید کر ہم لوگوں کو دیے تھے۔ ایسے واقعات اکثر و بیشتر ہوتے رہتے ہیں۔ سرزمین حجاز کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی سعودی عرب کے مخیّر حضرات کی غربا و مساکین کی امداد اور مساجد و مدارس کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور بہت خاص بات دیکھی۔ عربوں کو نماز کا بہت زیادہ پابند پایا۔ نہ صرف بڑوں کو بلکہ بچوں کو بھی۔ وہ جب بھی کہیں جاتے ہیں تو اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اگر راستے میں نماز کا وقت ہو جائے تو کس مسجد میں ادا کریں۔ اگر راستے

میں کوئی مسجد پڑنے والی نہیں ہے تو ان کے ساتھ ہمیشہ جائے نماز ہوتی ہے۔ جہاں بھی وقت ہوا انھوں نے نماز ادا کرلی۔ وہ عموماً باوضو ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑی خوبی ہے۔

زمین کی میخیں

دنیا کی کئی یونیورسٹیوں میں Earth (زمین) نامی ایک کتاب بنیادی حوالے کی کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے دو مصنفین میں سے ایک پروفیسر ایمریٹس فرینک پریس ہیں۔ وہ سابق امریکی صدر جمی کارٹر کے سائنسی مشیر تھے اور ۱۲ر سال نیشنل اکیڈمی آف سائنسز واشنگٹن ڈی سی کے صدر رہے۔ ان کی کتاب کہتی ہے کہ پہاڑوں کے نیچے ان کی جڑیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ یہ جڑیں زمین کی گہرائی میں اتری ہوئی ہیں اور پہاڑوں کے لیے ان کی حیثیت یوں ہے جیسے میخیں یا کھونٹے گڑے ہوں جو انھیں مضبوطی اور استحکام عطا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں پہاڑوں کے متعلق یہ بات صدیوں پہلے بتا دی گئی کہ وہ میخوں کی طرح زمین میں گڑے ہیں۔ چنانچہ پہاڑوں کی مضبوطی اور ثابت قدمی کے سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: (ترجمہ) ''کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو کھونٹے نہیں بنائے؟''۔

سورہ النٰزعٰت میں ہے: (ترجمہ) ''کیا تمھارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا۔ اس کی بلندی اونچی کی پھر اسے ٹھیک ٹھاک کیا۔ اس کی رات کو تاریک کردیا اور اس کے دن کو نکالا۔ اور اس کے بعد زمین کو (ہموار) بچھا دیا۔ اس میں سے پانی اور چارا نکالا۔ اور پہاڑوں کو مضبوط گاڑ دیا''۔

حافظ صلاح الدین یوسف اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''......زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی۔ لیکن اس کو ہموار آسمان کی پیدائش کے بعد کیا گیا اور یہاں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ اور ہموار کرنے اور پھیلانے کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے اللہ نے ان کا اہتمام فرمایا۔ مثلاً زمین سے پانی

نکالا، اس میں چارا اور خوراک پیدا کی، پہاڑوں کو میخوں کی طرح مضبوط گاڑ دیا تا کہ زمین نہ ہلے"۔

سورہ التکویر میں آیا ہے: (ترجمہ) "جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔ اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے"۔

سورہ القارعہ میں ہے: (ترجمہ) "کھڑ کھڑا دینے والی۔ کیا ہے وہ کھڑ کھڑا دینے والی۔ کیا معلوم کہ وہ کھڑ کھڑا دینے والی کیا ہے۔ جس دن انسان بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے۔ اور پہاڑ دھنے ہوئے رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے"۔

موجودہ ارضی سائنس نے ثابت کیا ہے کہ پہاڑ سطح زمین کے نیچے گہری جڑیں رکھتے ہیں اور یہ جڑیں سطح زمین پر ان کی بلندی سے کئی گنا زیادہ گہرائی میں اتری ہوئی ہیں۔ لہٰذا پہاڑوں کی اس کیفیت کو بیان کرنے کے لیے مناسب ترین لفظ "کھونٹے" ہے۔ کیونکہ کھونٹے کا بیشتر حصہ بھی زمین کی سطح کے نیچے ہوتا ہے۔ یہ پہاڑ زمین کو ہلنے سے روکتے ہیں۔

مفسرین کرام کے مطابق جب زمین پیدا کی گئی تو ابتدا میں لرزتی تھی، ڈولتی تھی، جھولتی تھی اور ادھر ادھر ہچکولے کھاتی تھی۔ ایسی صورت میں انسان کا اس پر زندہ رہنا ممکن نہ تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی پشت پر جابجا پہاڑوں کے طویل سلسلے میخوں کی طرح بنا دیے اور انہیں اس تناسب سے جابجا مقامات پر پیدا کیا جس سے زمین کی لرزش بند ہوگئی اور وہ اس قابل بنا دی گئی کہ انسان اس پر اطمینان سے چل پھر سکے۔ اس پر مکانات وغیرہ تعمیر کر سکے اور سکون سے پوری زندگی بسر کر سکے۔

پہاڑوں کی کٹائی یا قربِ قیامت؟

سعودی عرب بھی ریگستانوں اور پہاڑوں کی سرزمین ہے۔ وہاں بہت سے واقعات پہاڑوں پر ہی پیش آئے۔ مثال کے طور پر اللہ کے رسولؐ جب جبل نور پر واقع غار حرا میں تنہائی میں عبادت کرتے تھے تو سب سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام وہیں

تشریف لائے تھے۔ آپ نے صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر اہل مکہ سے پوچھا تھا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس طرف سے دشمن کی فوج آ رہی ہے تو کیا تم یقین کر لو گے۔ جبل ابو قبیس پر چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ پیش آیا تھا۔ جبل رحمت پر حضرت آدم و حوا نے دعائیں مانگی تھیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن اب وہاں کے پہاڑ بتدریج اپنا وجود کھوتے جا رہے ہیں۔ عزیزیہ سے حرم شریف جاتے ہوئے ہم نے متعدد پہاڑوں پر مشینوں کے ذریعے کٹائی ہوتے دیکھا۔ وہاں کے بہت سے پہاڑ اب ناپید ہو چکے ہیں۔ ان پر فلک بوس ہوٹلوں کی تعمیر ہو چکی ہے۔ اکثر مقامات پر ایسی فلک بوس عمارتیں نظر آتی ہیں جن کے برابر میں بلکہ جن سے جڑے ہوئے پہاڑ دکھائی دیتے ہیں۔ یعنی جو فی الحال کٹائی سے بچ گئے ہیں۔ جس طرح یہاں زمینوں کی پلاٹنگ ہوتی ہے اسی طرح وہاں پہاڑوں کی پلاٹنگ دیکھی ہے۔ یعنی پہاڑوں کا کچھ حصہ کاٹ کر مسطح کر دیا گیا ہے۔ اس کی باؤنڈری کر دی گئی ہے۔ پہاڑوں پر بھی باؤنڈری دیکھی گئی۔ پہاڑ کاٹ کر اسے زمین کے برابر کر دیا جاتا ہے اور اس کے بعد دوسرے مقامات سے مٹی لا کر وہاں بچھا دی جاتی ہے۔ اس طرح لاتعداد پہاڑ نیست و نابود ہو چکے ہیں اور جو آبادیوں میں بچے ہیں ان پر بھی خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ جب ہم ایسے پہاڑ دیکھتے تھے تو ہمارے ذہن میں فوری طور پر یہی خیال آتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر جو میخیں گاڑی ہیں آج کا انسان ان کو ختم کرتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز پہاڑوں کو ایسا کر دیں گے کہ وہ چلنے لگیں گے۔ وہ روئی کے گالے کی مانند اڑیں گے۔ لیکن ان پہاڑوں کی کٹائی دیکھ دیکھ کر ہمیں یہ خیال پریشان کرتا رہا کہ اللہ جب ان کو چلائیں گے جب چلائیں گے، انسان تو ابھی سے انھیں چلا رہے ہیں۔ وہ ابھی سے ان کو روئی کے گالے کی طرح اڑا رہے ہیں۔ اللہ نے جو میخیں ٹھونکی ہیں آج کا انسان ان کو اکھاڑ رہا ہے۔ انھیں نیست و نابود کر رہا ہے۔ کیا یہ سب قربِ قیامت تو نہیں؟

جہاں جہاں دنیاوی ترقی ہوئی ہے یا آبادیوں میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے وہاں فطرت سے کھلواڑ بھی بہت زیادہ ہونے لگا ہے۔ جس کے نتیجے میں ماحولیاتی تبدیلی

آرہی ہے جو انسانوں کے لیے تباہ کن ہے۔ یہ خیال بار بار ہمارے دل و دماغ کے دروازے پر دستک دیتا رہا کہ کیا ان پہاڑوں کا انقطاع فطرت کے ساتھ زیادتی نہیں ہے۔ کیا اس سے زمین کا توازن بگڑنے کا خطرہ نہیں ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ پہاڑوں کا یہ انقطاع قیامت کو دعوت دے رہا ہے۔ یہ ایک قابل غور مسئلہ ہے۔

بہر حال سعودی عرب میں زبردست دنیاوی ترقی ہوئی ہے۔ لیکن اس دنیاوی ترقی نے کچھ لوگوں کے اندر دنیاوی طمع بھی ڈال دی ہے۔ یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ جب دولت آتی ہے تو اپنے ساتھ بہت سی برائیاں بھی لاتی ہے۔ لہٰذا عرب معاشرے میں بھی برائیاں داخل ہو گئی ہیں۔

فتح مدائن کے بعد جب کسریٰ کا خزانہ اونٹوں پر لد کر مدینہ پہنچا تو اسے دیکھ کر خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا امیر المومنین! یہ شکر کا موقع ہے آپ رو رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

”اس لیے رو رہا ہوں کہ اس راہ سے (زر و جواہر کے ڈھیر کی طرف اشارہ کر کے) تم میں دنیا آرہی ہے“۔

ماہر القادری کے سفرنامہ ”کاروان حجاز“ سے مستعار لے کر ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ”مال و دولت رحمت ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہونے دے اور جائز حدود میں خرچ ہوتی رہے اور مال و دولت وبال ہے اگر وہ آدمی کو خدا سے غافل کر دے اور صاحب دولت نفس کا بندہ اور عیش و عشرت کا پجاری بن کر رہ جائے“۔

مکہ۔ جدہ۔ دہلی

جب عازمین حج سعودی عرب کے لیے روانہ ہوتے ہیں تو واپسی کا ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ پہلے ہی دے دیا جاتا ہے جسے انھیں سنبھال کر رکھنا ہوتا ہے۔ وہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے ان سے پاسپورٹ لے لیا جاتا ہے۔ بورڈنگ کارڈ پر واپسی کی تاریخ اور وقت اور طیارے کا نمبر درج ہوتا ہے۔ واپسی کے لیے ایئرپورٹ پر پہنچنے کے بعد پاسپورٹ دیا جاتا ہے۔ واپسی کی ہماری فلائٹ کا نمبر تھا SV-5963۔ یعنی واپسی بھی سعودی ایئر لائنس سے تھی۔ ۳۰/اگست کی شب میں سوا آٹھ بجے کی فلائٹ تھی۔

وزن کی قید اور حاجیوں کا رویہ

۲۷/اگست کو بلڈنگ کی لابی میں لفٹ کے پاس دیوار پر، جو کہ نوٹس بورڈ کے طور پر استعمال ہو رہی تھی، یہ نوٹس آویزاں کیا گیا کہ فلائٹ نمبر SV-5963 کے مسافروں سے گزارش ہے کہ ان کا سامان دو روز قبل یعنی ۲۸/اگست کی صبح کو بلڈنگ سے چلا جائے گا۔ لہٰذا سبھی حاجی حضرات صبح ہی اپنا سامان لا کر لابی میں رکھ دیں۔ حالانکہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اتنے پہلے لگیج جانے کا کیا تک ہے۔ بہر حال حاجی تو حکم کے غلام ہوتے ہیں۔ ۲۸/ کی صبح کو تقریباً ۹/ بجے ایئر لائنس کا کچھ اسٹاف آ گیا۔ دس بجے کے بعد اور لوگ بھی آئے اور اس طرح سامان لوڈ کیا جانے لگا۔

اس سے ایک شام قبل ہمارے خادم الحجاج ذاکر محمد حسین جو کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ملازم ہیں، ایک ترازو لے کر آئے اور حاجیوں سے گزارش کی کہ وہ اپنا اپنا بیگ تول لیں۔ ایک حاجی کو ۴۵/کلو لگیج لے جانے کی اجازت ہے۔ یہ وزن وہ دو اٹیچیوں یا بیگوں

میں رکھیں۔ اس سے قبل اس قسم کی غیر مصدقہ خبریں آتی رہیں کہ دوسری عمارتوں سے جن حاجیوں کا سامان جا رہا ہے وہ تولا جا رہا ہے اور جس کا وزن ۴۵ رکلو سے زیادہ ہے اس کو ایئر لائنس والے کھلوا کر کم کروا رہے ہیں۔ اس لیے بہت سے حاجیوں نے اپنا سامان مقررہ وزن کے اندر رکھا۔ ہم تین لوگ تھے اور ہم ۶ ربیگ لا سکتے تھے اور دو دو بیگ کا وزن ۴۵۔۴۵ رکلو ہونا چاہیے۔ لیکن چونکہ ہم نے کوئی خاص خریداری نہیں کی تھی اس لیے ہمارے پاس صرف پانچ بیگ تھے۔ وہ بھی بیس کلو سے زیادہ کوئی نہیں تھا۔ بلکہ ایک بیگ تو ۱۵ رکلو کا ہی تھا۔ یہ بات بھی بڑی تیزی سے گردش کرتی رہی کہ کوئی بھی حاجی لگیج میں آب زم زم نہ رکھیں ورنہ وہ نکال دیا جائے گا۔ حاجیوں کے دو وہاٹس ایپ گروپ ہیں۔ ان دونوں پر بھی اس قسم کی باتیں آتی رہیں۔ لہٰذا ہم نے لگیج میں پانی کی بوتل رکھنے کے بجائے ہینڈ بیگ میں رکھی۔ مذکورہ وزن اور بیگ کے علاوہ ہر حاجی دس دس کلو کا ایک ایک ہینڈ بیگ بھی اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے۔ لیکن بہت سے حاجی بیس پچیس کلو تک کا بیگ ہینڈ بیگ کے طور پر لاتے ہیں۔ ایئر لائنس کے ایک شخص نے اپنے موبائل میں کئی تصویریں دکھائیں اور کہا کہ یہ وہ سامان ہے جو لگیج سے نکال دیا گیا ہے اور ایئر پورٹ پر لاوارث پڑا ہوا ہے۔

لیکن جب سامان تلنے لگا تو ہم نے دیکھا کہ ۲۵ راور ۳۰ کلو تک کے بیگ بھی پاس کیے جا رہے ہیں۔ کئی لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ انھوں نے لگیج میں زم زم کے کئی کین رکھ دیے ہیں۔ دراصل پہلے لگیج میں زم زم لانے کی اجازت تھی لیکن بہت سے حاجی اس کا ناجائز فائدہ اٹھانے لگے۔ کئی لوگ یہ تک کرنے لگے کہ وہ حج کرنے جاتے اور زم زم کی بوتل یا کین میں سونا رکھ کر لاتے جو کہ ایکس رے مشین میں پکڑا جاتا۔ اس کے علاوہ جہاز کے اندر پانی بہنے بھی لگتا جس سے دشواریاں پیدا ہو جاتیں۔ اس لیے ایئر لائنس والوں کی جانب سے پانی لانے کی حوصلہ شکنی کی جاتی رہی ہے۔ اس کے باوجود بہت سے لوگ خاصی مقدار میں پانی لاتے ہیں۔

ہم نے ۲۸ راگست کو اپنا سامان ایئر لائنس والوں کو دے دیا۔ سامان تولنے اور ایئر

لائنس کا ٹیگ لگانے والے نے جب دیکھا کہ ہم تین لوگ ہیں اور ہمارے پاس ۶ رنہیں ۵ رہی بیگ ہیں اور وہ بھی کم کم وزن کے تو اسے بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے کئی بار ہم سے پوچھا کہ آپ کے پاس صرف پانچ بیگ ہیں۔ بڑی مشکل سے وہ مطمئن ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے حاجی زیادہ سامان لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کم سامان کے بارے میں تو سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ ایک حاجی صاحب نے بتایا کہ انھوں نے آٹھ آٹھ کلو کے پانچ کمبل خریدے ہیں جو کہ انھوں نے کسی کے ہاتھ بھیج دیے ہیں۔ ایک بار بس میں مینا بازار میں کپڑوں کی ہول سیل تجارت کرنے والے ایک حاجی صاحب ملے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ چالیس کلو کھجور کارگو سے دہلی بھیج چکے ہیں ابھی اتنی اور بھی بھیجیں گے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ان کی اہلیہ نے ۳۰ ر برقعے خریدے ہیں اور ابھی اور خریدنے کا ارادہ ہے۔

اب اس میں کیا برائی ہے؟

ہم نے دوسری عمارتوں سے سامان جاتے ہوئے دیکھا کہ نائلون کی ڈوری سے جال بن کر اٹیچیوں کو ان میں رکھ کر کس دیا گیا ہے۔ بعض بلڈنگوں میں دیکھا کہ لوگوں نے پلاسٹک کی پنی سے خوب ریپ کر دیا ہے۔ ہماری بلڈنگ کے لوگوں نے پہلے ڈوری سے اٹیچی باندھی اور پھر اسے پلاسٹک کی پنی سے خوب اچھی طرح ریپ کر دیا۔ ہم ان باتوں سے لاعلم۔ لہٰذا ہم نے پہلے ایک طرف سے پنی سے ریپ کیا اور پھر اس کو ڈوری سے باندھ دیا۔ لیکن جب نیچے لے گئے تو وہاں ایئر لائنس کی وردی میں ملبوس ایک باریش اہلکار نے کہا کہ رسی کھول دو یا پھر اشارہ کیا کہ اس کے اوپر پنی لپیٹو۔ جو مزدور سامان لوڈ کر رہے تھے ان میں سے ایک نے ہمیں آنکھ مارتے ہوئے اشارہ کیا کہ رہنے دو میں پاس کرا دوں گا۔ حالانکہ ہم اس سے کہتے رہے کہ لاؤ ہم اس کو پنی سے لپیٹ دیتے ہیں، ہمارے پاس پنی ہے۔ مگر اس نے یہ کہہ کر کہ میں پاس کرا دوں گا ہمیں ایسا کرنے سے روک دیا اور مزدوروں کے لیے ''کچھ'' مطالبہ کیا جو پورا کیا گیا۔

اس نے ہمارے پانچوں بیگ آگے بیگوں کے ڈھیر کی طرف بڑھا دیے۔ وہ پھر ٹرک پر لوڈ بھی ہو گئے۔ لیکن چونکہ ہمارے ہی بیگ پنّی کے ریپر سے محروم تھے اس لیے بار بار مذکورہ اہلکار کی نظر اس پر پڑتی اور وہ تیز آواز میں رسیاں کھولنے کی ہدایت دیتا جو کہ لوڈر نظر انداز کر دیتے۔ ان کو کچھ مل جو گیا تھا۔ ہم نے ٹرک کے پاس جا کر ایک لڑکے سے کہا کہ لاؤ نیچے ہم اسے ریپ کر دیتے ہیں۔ لیکن ایک دوسرے ملازم نے وہاں پہنچ کر کہا کہ آپ جائیے ان لوگوں کو اپنا کام کرنے دیجیے۔ بہر حال ہم آس پاس ہی رہے۔ ایک لڑکے نے خاموشی سے کہا کہ میں پنی لپیٹ دوں گا مگر ایک بیگ کے پانچ ریال لگیں گے۔ میں نے کہا کہ تم لپیٹ دو میں کچھ دے دوں گا۔ اس نے لشتم پشتم ریپ کیا اور ٹرک پر لاد کر ان پر جلدی سے دوسرے بیگ رکھ دیے۔ یہ سب کچھ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ حاجی صاحبان ان معاملات سے واقف رہیں۔

۲۹/ اگست کی دوپہر کو نوٹس آویزاں ہو گیا کہ فلائیٹ نمبر SV-5963 کے مسافروں کو صبح سوا آٹھ بجے، یعنی بارہ گھنٹے قبل ہی، لے جایا جائے گا۔ سب تیار رہیں۔ لیکن چونکہ اس سے پہلے کی فلائٹ کے مسافروں کو کافی تاخیر سے لے جایا گیا تھا اس لیے ہمارا خیال تھا کہ گیارہ بارہ بجے سے قبل نہیں لے جائیں گے۔ بہر حال دس بجے بس آگئی اور کمروں سے حاجیوں کو بلایا جانے لگا۔ لیکن بہت سے حاجی اسی رویے کا مظاہرہ کرتے رہے جس کا انھوں نے مدینہ میں کیا تھا۔ خدا خدا کر کے ساڑھے گیارہ بجے ہماری بس روانہ ہوئی۔

طواف وداع کب کیا جائے؟

یہاں اس بات کا ذکر مناسب ہوگا کہ مکہ مکرمہ سے وطن واپسی سے قبل طواف وداع کب کیا جائے۔ ہمارے روم پارٹنر جناب قمر الدین قریشی واپسی کی تاریخ سے تین چار روز قبل کچھ بیمار ہو گئے۔ انھوں نے ہم سے کہا کہ آج ہم طواف وداع کرنے جا رہے ہیں۔ ہم نے کہا کہ طواف وداع تو یہاں کا آخری کام ہوتا ہے۔ ابھی کیوں کرنے جا

رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم آخری دن طواف نہ کر سکیں۔ ہم نے کہا کہ ایسی بات ہے تو جائیے۔ ویسے ہم ابھی کسی سے مسئلہ معلوم کرتے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد ہم نے حاجیوں کے گروپ میں شامل مفتی شمیم صاحب سے صورت حال بتا کر استفسار کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر زیادہ بیمار ہیں تو ابھی کر لیں۔ بعد میں اگر ٹھیک ہو جائیں تو پھر کر لیں گے اور وہ ان کا نفلی طواف ہو جائے گا۔

ہم نے یہ سوچ کر کہ صبح آٹھ بجے ایئر پورٹ کے لیے نکلنا ہے ایک روز قبل طواف کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر ہماری اہلیہ اور بیٹی کا خیال تھا کہ دن کے بجائے رات میں کیا جائے۔ بلکہ بیٹی تو یہ چاہتی تھی کہ نماز فجر کے بعد کیا جائے اور پھر واپس آکر ناشتہ وغیرہ کر کے بس میں بیٹھ جایا جائے۔ ہم نے کہا کہ بات تو ٹھیک ہے لیکن اگر خدانخواستہ بوجوہ حرم سے آنے میں تاخیر ہوگئی اور بس چھوٹ گئی تو کیا ہوگا۔ (حالانکہ بس سب کو لیے بغیر نہیں جاتی ہے۔ لیکن ہماری احتیاط پسندی ہمیں مجبور کر رہی تھی کہ پہلے ہی طواف وداع کیا جائے)۔ مولانا محمد شعیب سے مسئلہ معلوم کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ طواف وداع تو بالکل آخری کام ہونا چاہیے۔ بعض علماء کا یہاں تک کہنا ہے کہ اگر روانگی کے لیے بس کھڑی ہے تو طواف کر کے بس میں بیٹھ جایا جائے۔ لیکن پھر انھوں نے عالم اسلام کے معروف عالم دین مولانا عبد الباری فتح اللہ صاحب سے احتیاطاً دریافت کیا تو انھوں نے بھی تقریباً وہی بات بتائی۔ انھوں نے کہا کہ ’’اگر صبح آٹھ بجے نکلنا ہے تو فجر سے پہلے کر لیں اور فجر پڑھ کر نکل لیں۔ اور اگر وقت کم ہے تو مجبوری ہے، اللہ معاف کرے گا‘‘۔ بہر حال ہم لوگ رات میں دو بجے نکلے۔ خیال تھا کہ فجر کی اذان سے قبل طواف کر کے نکل لیں اور روم پر نماز فجر ادا کریں۔ یہی کیا گیا۔ طواف کر کے ہوٹل آئے اور یہاں نماز فجر ادا کی۔ اگر یہ اندازہ ہوتا کہ بس اتنی دیر میں نکلے گی تو نماز فجر کے بعد کرتے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبے سے بہت محبت تھی۔ جب اہل مکہ نے آپ کے لیے حالات انتہائی تنگ کر دیے تو اللہ کی جانب سے ہجرت کا حکم آگیا۔ آپ اپنے

پیارے وطن کو خیر باد کہہ کر مدینہ طیبہ کی جانب عازم سفر ہوئے تو مڑ مڑ کے دیکھتے رہے۔ انھوں نے مکہ کی جانب رخ کر کے فرمایا کہ اے ارض مکہ تو مجھے دنیا کی ہر زمین سے زیادہ عزیز ہے۔ میں ہر گز تجھے نہ چھوڑتا مگر تیری قوم نے مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اس وقت آپ کعبہ کی جدائی کا غم لیے مدینہ منورہ چلے گئے۔ آپ پر جو گزری تھی وہ کسی اور پر نہیں گزر سکتی۔ لیکن تھوڑا بہت احساس ہر حساس حاجی کو ہوتا ہے جب وہ طواف وداع کرتا ہے۔ اس کو چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ مگر حاجیوں کی مجبوری ہوتی ہے انھیں جانا ہی ہے۔ لیکن وہ مڑ مڑ کر اسے دیکھتے رہتے ہیں۔ اس احساس نے ہم لوگوں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور ہم بھی اپنے دل پر غموں کا پہاڑ لیے افسردگی کے ساتھ وہاں سے نکلنے پر مجبور تھے۔ طواف کرنے کے بعد زم زم پیا اور بوجھل قدموں سے باہر نکل آئے۔ ہم تینوں خاموش تھے۔ تینوں کی زبانیں گنگ تھیں۔ ایسا لگا جیسے ہم لوگ بولنا بھول گئے ہوں۔ کافی دیر تک اسی کیفیت میں مبتلا رہے۔

بہر کیف واپس آئے اور نماز فجر کے بعد تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ بس تاخیر سے روانہ ہوئی۔ راستے میں ایک جگہ روک کر ناشتہ دیا گیا اور یہ اعلان کیا گیا کہ ایئرپورٹ پر پاسپورٹ اور کھانا دیا جائے گا۔ اس طرح بس تقریباً پونے دو بجے ایئرپورٹ پہنچی۔ اب سوچیے فلائٹ ہے سوا آٹھ بجے رات میں اور ایئرپورٹ پر لاکر پونے دو بجے پٹخ دیا گیا۔ جبکہ تمام فلائٹس تین چار اور پانچ گھنٹے تاخیر سے پرواز کر رہی ہیں۔ بس میں پہلے پاسپورٹ دیا گیا اور پھر کھانا۔ لیکن کھانا کیا تھا؟ وہی وہاں کی بدنام زمانہ بریانی جس پر مرغی کی ایک ٹانگ رکھی رہتی ہے اور جو ہم سے بمشکل کھائی جاتی ہے۔ مگر وہ بھی ناکافی تھی۔ یعنی دو دو حاجیوں کے لیے ایک پیکٹ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ دوسری بسوں میں کچھ بھی نہیں دیا گیا۔ ہم نے اپنے ساتھیوں سے از راہ مذاق سوال کیا کہ کیا معلم نے ہم لوگوں سے منیٰ کا انتقام لیا ہے۔ منیٰ میں کھانے کی تفصیلات اور حاجیوں کے احتجاج کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

ہائے رے جدہ حج ٹرمنل!

اب ذرا ایئر پورٹ کا حال سن لیجیے۔ ایک شخص ہم لوگوں کو قطار بنوا کر ویٹنگ ایریا نمبر دو کے پاس لے گیا اور کہا کہ یہاں بیٹھیں۔ یہاں پلاسٹک کی چند سوفا نما بینچیں پڑی ہوئی ہیں جن پر دوسرے ملکوں کے حاجی براجمان ہیں۔ کسی کو کہیں جگہ ملی کسی کو نہیں ملی۔ سائبان کے نام پر اونچے اونچے خیمے۔ جہاں سے چھن چھن کر دھوپ بھی آرہی ہے۔ ۴۰ رڈگری سے زائد درجہ حرارت میں بیٹھنا۔ نہ اے سی، نہ ہوا کا کوئی انتظام۔ ایک بڑا سا کولر بغیر پانی کے چل رہا ہے جو اپنی نا اہلی کا ثبوت دیتا جارہا ہے اور یہ فریاد بھی کرتا جارہا ہے کہ میں جو کہ خود گرم ہو رہا ہوں اتنے لوگوں کو کیسے ٹھنڈا کر سکتا ہوں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ کوئی نہ کوئی حاجی یا جن اس کے سامنے جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور دوسرے حاجیوں کے حصے کی ہوا خود لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ گرمی سے برا حال ہے۔ لوگ پسینے میں غرق ہو رہے ہیں۔ گویا حشر کا عالم ہے۔

یہ جدہ ایئر پورٹ کا حج ٹرمنل ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں زیادہ نہیں معلوم۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ اسے صرف حج کے سیزن میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بند کر دیا جاتا ہے۔ یہاں سہولتوں کا فقدان ہے اور بعد میں اندازہ ہوا کہ اسٹاف کی قلت بھی ہے۔ بہر حال یہاں نماز کے لیے الگ الگ مقرر کی گئی جگہوں پر مردوں اور عورتوں نے ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کیں۔ اب وقت کاٹنا مشکل۔ پروازوں کی اطلاع دینے کے لیے جو اسکرین نصب ہے اس پر ہماری فلائٹ کا کوئی ڈسپلے نہیں آرہا۔ دوسری فلائٹس کے بارے میں تین تین چار چار گھنٹے کی تاخیر کی اطلاع ہے۔ بعض پروازوں کے منسوخ ہو جانے کی بھی اطلاع ہے۔ یہاں لکھنؤ جانے والے کچھ حاجی صاحبان بیٹھے ہوئے ہیں جو بہرائچ کے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ان کی فلائٹ ایک روز قبل دوپہر کی تھی مگر نہیں آئی۔ ایئر لائنس والوں نے ان کو رات میں ایک ہوٹل میں رکھا اور آج لے کر آئے ہیں۔ لیکن اب لکھنؤ جانے والے جہاز میں بھی چار پانچ گھنٹے تاخیر کا اندراج آرہا ہے۔

حاجیوں کی لائن اور ایئر لائن کا برتاؤ

اللہ اللہ کر کے سوا چھ بجے اعلان ہوا کہ دہلی جانے والے حاجی صاحبان لائن بنا لیں۔ کیا کہنے؟ اب تو افراتفری کا عالم ہو گیا۔ کوئی کہیں لائن بنا رہا ہے کوئی کہیں۔ اس سے قبل ہم دیکھ چکے تھے کہ ملیشیا کے حاجی صاحبان نے بہت ہی خاموشی سے لائن بنائی اور رفتہ رفتہ آرام کے ساتھ وہ اندر گئے۔ لیکن ہندوستانی حاجی کیوں ایسا کرنے لگیں۔ ان کی روایت نہیں ٹوٹ جائے گی۔ یہ بدانتظامی اور ہنگامہ آرائی اور پلٹنا جھپٹنا، جھپٹ کر پلٹنا ہی تو ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ کسی کو اسے چھیننے کی اجازت کیوں دی جائے۔ اس سے قبل ہم عزیزیہ میں کھانا لوٹ لوٹ کر اپنی اس خوبی کا مظاہرہ کر ہی چکے ہیں۔ لہٰذا یہاں کیوں شائستگی کا مظاہرہ کریں۔

بہر حال ہم لوگوں کو لائن میں کھڑا کر کے ایئر لائن والے بھول گئے۔ پھر تو کچھ لوگوں نے یہیں لائن میں اور کچھ نے مسجد کی مقررہ جگہ پر جا کر مغرب کی نماز ادا کی۔ ایک سوا گھنٹے کے بعد ایئر لائنس والوں کو شاید ہوش آ گیا اور انھوں نے ہم لوگوں کو آگے بڑھنے کو کہا۔ اس موقع پر بھی دھکا مکی ہوتی رہی۔ لائن تھوڑی آگے بڑھتی پھر روک دی جاتی۔ پھر بڑھتی پھر روک دی جاتی۔ ایسا لگتا جیسے ہم سب قیدی ہیں اور گن گن کر ایک ایک بیرک میں لوگوں کو بھیجا جا رہا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ خدا خدا کر کے اندر داخل ہونے کے گیٹ کے پاس پہنچے تو جان میں جان آئی۔ کیونکہ یہاں اے سی کی ٹھنڈی ہوا لگ رہی ہے۔ اندر آئے تو دیکھا کہ انڈونیشیا اور ملیشیا کے بھی حاجی موجود ہیں۔ ان کو ہمارے دائیں جانا ہے اور ہمیں ان کے بائیں۔ لہٰذا ایک دوسرے کو کراس کرتے ہوئے ہم لوگ آگے بڑھے۔

نو بگ بیگ، نو بگ بیگ

امیگریشن تک پہنچنے سے قبل دیکھا گیا کہ حاجیوں کے بڑے ہینڈ بیگ رکھوائے جا

رہے ہیں۔ ایک کارکن اعلان کر رہا ہے کہ ''بگ بیگ نو، بگ بیگ نو''۔ اس نے ہمارے بھی تین ہینڈ بیگ رکھوا لیے۔ ان میں دو ہینڈ بیگ میں صرف زم زم ہے اور تیسرے میں لیپ ٹاپ اور دوسرا سامان۔ لیکن ہم جب آگے بڑھے تو دیکھا کہ بہت سے لوگ بیگ بھی لا رہے ہیں اور گٹھریاں بھی اور تھیلے بھی۔ ہم نے وہاں تعینات کارکنوں سے جا کر کہا کہ ہمارے بیگ میں دوائیں ہیں ہم وہ اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ کسی بھی قیمت پر تیار نہیں ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہماری بیٹی نے کہا کہ لیپ ٹاپ والا بیگ تو واپس لانا ہی پڑے گا ورنہ وہ سامان پھینکنے میں خراب نہ ہو جائے یا ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہو جائے۔ اس نے جا کر سیکورٹی والوں سے کہا کہ ایک بیگ میں ہمارا لیپ ٹاپ ہے وہ ہم اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں ورنہ ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ خراب ہو جائے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم بیگ کھول کر لیپ ٹاپ دکھا بھی سکتے ہیں۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور ایک سیکورٹی جوان نے اس کا پاسپورٹ لیا اور اس کو اپنے ساتھ سامان کے پاس لے گیا۔ اس طرح وہ بیگ ہمارے پاس واپس آ گیا۔ اب یہ اطمینان ہے کہ باقی بیگ اگر نہیں بھی ملے تو کوئی بات نہیں۔

یہاں ہم لوگوں نے امیگریشن کروایا۔ ہم نے دیکھا کہ تمام کاؤنٹروں پر خواتین کام کر رہی ہیں جو کہ سرتاپا برقعے میں ہیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر چیک اِن Check In کے لیے آگے بڑھے تو مردوں اور خواتین کی الگ الگ لائن لگوائی گئی۔ یہاں ایک گوشے میں ایک جگہ مسجد کے لیے مخصوص ہے۔ بہترین قالین بچھا ہوا ہے۔ کئی لوگوں نے یہاں عشا کی نماز ادا کی۔ لیکن کافی دیر کے بعد بھی ہم لوگوں کو احساس ہوا کہ ہم جہاں کھڑے تھے اب بھی وہیں کھڑے ہیں۔ زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد والا معاملہ ہے۔ لائن بڑھ ہی نہیں رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ صرف ایک شخص مردوں کی چیک ان کر رہا ہے اور ایک خاتون عورتوں کی۔ وہ بھی انتہائی سست رفتاری کے ساتھ۔ اسی درمیان یہ معلوم ہوا کہ ہماری فلائٹ کا وقت آگے بڑھ گیا ہے اور وہ اب سوا آٹھ کے بجائے سوا گیارہ بجے جائے گی۔ یعنی تین گھنٹے تاخیر سے۔ اس درمیان اسٹاف کے کچھ لوگ آ آ کر حاجیوں کو یہ

ہدایت دیتے رہے کہ میٹل کی کوئی بھی چیز باہر نہ رکھیں۔ ان کو بیگ میں ڈال لیں ورنہ چیک ان میں اور تاخیر ہو جائے گی۔ صرف پاسپورٹ، بورڈنگ پاس اور کرنسی اپنے پاس رکھیں۔ بیلٹ، گھڑی، کڑا، موبائل ایسی تمام ایسی چیزیں بیگ کے اندر رکھ دیں۔

میں تم کو دیکھ لوں گا

خدا خدا کر کے ہم بھی چیک ان کے لیے پہنچ گئے۔ ابھی اندر جا کر اپنے بچوں کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ بورڈنگ کا اعلان ہو گیا۔ گیٹ پر بس آ کر رکی اور پھر حاجیوں نے اپنی سابقہ فطرت کا مظاہرہ کیا۔ یعنی طوفان اٹھا دیا۔ لائن کہیں اور لگی ہے اور وہ کہیں اور کھڑے ہو رہے ہیں۔ ان کے پیچھے بھی پھر ایک لائن لگ رہی ہے۔ ہماری لائن میں بالکل اسی طرح دو شاخیں ہو گئیں جیسی کہ باہر لائن لگاتے وقت ہوئی تھیں۔ بالآخر ہماری لائن کے ایک حاجی صاحب اور شاخ بنانے والی لائن کے ایک دوسرے حاجی صاحب کے صبر کا بند ٹوٹ گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ لینے کی دھمکی دینے لگے۔ اگر ان کو پکڑا نہ گیا ہوتا تو واقعی دونوں ایک دوسرے کو دیکھ لیتے۔

بہر حال کچھ دیر کے بعد ہم گیٹ پر پہنچے اور جہاز تک جانے کے لیے وہاں موجود بس میں بیٹھے۔ بیٹھے کہاں کھڑے رہے۔ کیونکہ بس تو بڑی تھی مگر نشستوں سے خالی۔ صرف دو نشستیں تھیں جن پر کئی حاجی صاحبان براجمان تھے۔ اب بس میں بھی چین نہیں۔ ایک حاجی اور ایک جن میں لڑائی ہونے لگی جو تقریباً اس وقت تک جاری رہی جب تک کہ فلائٹ میں سوار ہونے کے لیے بس سے اتر نہیں گئے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر دونوں ایک ہی جنس کے ہوتے تو شاید یہاں طاقت آزمائی ہو جاتی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہر حاجی خود کو دوسروں سے برتر سمجھتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہی پیسے دے کر حج کرنے آیا ہے باقی سب مفت میں حاجی بن گئے ہیں۔ یا حج کرنے کے بعد اس کا قد بہت اونچا ہو گیا ہے اور باقی اس کے مقابلے میں بالشتیے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں حاجیوں میں صبر کا مادہ نہیں رہتا۔ حالانکہ وہ ایک دوسرے کو کہیں گے حاجی صبر حاجی صبر۔ لیکن خود صبر نہیں کریں گے۔

میں نے ایسا ایک بھی حاجی نہیں دیکھا جو دوسرے کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو۔

اس طرح تقریباً پونے گیارہ بجے ہم طیارے میں سوار ہوئے۔ بہت سے لوگ آگے کی نشستوں پر بیٹھے ہوئے ہیں مگر ایئر ہوسٹس ہمیں پیچھے کی طرف جانے کے لیے کہہ رہی ہے۔ دو ایک جگہ ہمارے بچوں نے بیٹھنے کی کوشش کی مگر اس نے کہا کہ یہاں نہیں پیچھے جائیں۔ اگر ہم چاہتے تو ہم بھی دوسروں کی مانند اس کی ہدایت کو نظر انداز کر کے جبراً آگے بیٹھ جاتے۔ مگر ہم نے اس کی ہدایت پر عمل کرنا بہتر سمجھا اور پیچھے کی ایک نشست پر جا کر بیٹھے۔ یہاں یہ بتا دیں کہ بورڈنگ کارڈ پر سیٹ نمبر تو لکھا ہوتا ہے لیکن حاجیوں کے لیے ایئر لائنس والے اپنا قانون نرم کر دیتے ہیں۔ یعنی جس حاجی کو جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے۔ جاتے وقت بھی ایسا ہوا تھا اور آتے وقت بھی۔ کیبن کارکنوں نے بتایا کہ ایسا حاجیوں کی سہولت کے لیے کیا جاتا ہے۔

تقریباً سوا گیارہ بجے طیارے نے ٹیک آف کیا۔ طیارے کے اندر زبردست گرمی ہے۔ حبس کا عالم ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اے سی یا تو چلایا نہیں گیا ہے یا پھر کام نہیں کر رہا ہے۔ ہر شخص پریشان۔ کچھ دیر کے بعد ہم نے ایک ایئر ہوسٹس سے اس کی شکایت کی تو اس نے اشارے سے بتایا کہ ابھی ہو جائے گا۔ بہر حال ایک بجے کے آس پاس کہیں جا کر گرمی کا خاتمہ ہوا اور طیارے میں کولنگ ہونے لگی۔ پھر تو اتنی ہوئی کہ لوگوں کو ٹھنڈ لگنے لگی۔

حج بھی کیا اور پوری رات فلم بھی دیکھی

ہر سیٹ کے سامنے والی سیٹ پر یعنی اس کی پشت پر ایک ٹی وی اسکرین لگی ہوتی ہے۔ مسافر جو چاہے دیکھے اور سنے۔ سننے کے لیے ایئر ہوسٹس کی جانب سے ایئر فون بھی دیا جاتا ہے۔ ہماری نشست کے سامنے والی پر دائیں بائیں دو جنیں اور درمیان میں ایک حاجی صاحب تشریف فرما تھے۔ ہم لوگوں نے اسکرین کو ذرا سا چھیڑنے کی کوشش کی تا کہ کچھ مذہبی چیزیں دیکھ اور سن سکیں لیکن یہ بندریا ہمارے ہاتھوں نہ ناچنے پر بضد تھی۔ ہم نے سرینڈر کر دیا۔ لیکن سامنے والے حاجی صاحب جن کی کم از کم ایک مشت ریش

مبارک رہی ہوگی اور جو مولانا صورت تھے، اس کو نچانے کا فن خوب جانتے تھے۔ پھر تو انھوں نے اس کو ایک چینل پر فکس کر دیا اور پورے راستے ایک ہندوستانی فلم دیکھتے رہے۔ گانے سنتے رہے۔ رقص وسرود سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ بار بار ہمارے جی میں یہ خیال آتا رہا کہ ان سے پوچھیں کہ کیا آپ نے حج سے اتنی نیکی کمالی ہے کہ وہ نامۂ اعمال سے چھلک چھلک جارہی ہے اور اس کو برابر کرنے کے لیے آپ کو کسی فلم کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ لیکن یہ سوچ کر مہر بہ لب رہے کہ پتہ نہیں کس مزاج کے ہیں اور یہاں تو ہر حاجی لڑنے کے موڈ میں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ لہٰذا ہم راستے بھر کڑھتے رہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ بار بار اپنی نشست پیچھے کی طرف دھکیل دیتے تاکہ نیم خمیدہ ہو کر بالکل سنیما ہال کی مانند لطف اندوز ہوں۔ ان کی اس حرکت سے ہم لوگوں کو شدید پریشانی تھی۔ ایک دو بار ان کو ٹوکا بھی۔ مگر وہ باز نہیں آئے۔ لہٰذا خاموشی ہی میں عافیت سمجھی گئی۔

کچھ اہم سوالات

یہاں یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ ایئر پورٹ پر دو روز قبل سامان اور دس گیارہ گھنٹے قبل حاجیوں کو لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ سامان زیادہ سے زیادہ ایک روز قبل یا حاجیوں کے جانے سے کچھ گھنٹے قبل لے جایا جا سکتا ہے۔ حاجیوں کو بھی زیادہ سے زیادہ چار گھنٹے قبل لے جایا جانا چاہیے۔ جب سامان پہلے ہی جا چکا ہے اس کی اسکریننگ کی ذمہ داری حاجیوں کے اوپر نہیں ہے اور پھر ہینڈ بیگ بھی رکھوا لیے گئے ہیں تو پھر اتنے پہلے کیوں؟۔ دوسری بات یہ کہ حج ٹرمنل پر سہولتوں کا انتہائی فقدان ہے۔ بیٹھنے کی جگہ نہایت نامعقول اور تکلیف دہ ہے۔ چار ساڑھے چار گھنٹے تو صرف لائن میں لگنا پڑا۔ ٹرمنل کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ اسٹاف کا معقول انتظام کریں۔ ٹھیک ہے حاجیوں کو صبر سے کام لینا چاہیے لیکن صبر کا امتحان لینے کی اجازت کس نے دی۔ اور پھر جب تمام سہولتوں کے لیے حاجیوں سے چارج کیا جاتا ہے، وہ مفت میں سہولتوں کا مطالبہ نہیں

کرتے تو پھر انھیں وہ سہولتیں کیوں نہیں دی جاتیں۔ اس معاملے پر جدہ ایئرپورٹ کے حج ٹرمنل کے ذمہ داروں اور ہندوستان میں وزارت اقلیتی امور، حج کمیٹی آف انڈیا اور دوسری ریاستوں کی حج کمیٹیوں کو بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

دہلی ایئرپورٹ کے ٹرمنل ۲ پر ہمارے طیارے نے سات بج کر سات منٹ پر لینڈ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم باہر آئے اور تقریباً دو گھنٹے کے بعد تمام حاجیوں کا سامان پہنچا۔ یہاں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ البتہ یہ دیکھا گیا کہ بعض افراد کے بیگ پھٹے ہوئے یا کٹے ہوئے ہیں اور اس میں سے سامان نکلا ہوا ہے۔ اعلان ہو رہا ہے کہ جن کو اپنے بیگ کی کمپلینٹ کرانی ہو، شکایت درج کرانی ہو وہ کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی پتہ چلا کہ ایئرپورٹ کے ذمہ داران شکایت درج ہی نہیں کر رہے ہیں۔

نہ روز نہ گارڈن

یہاں کی ایک اور پریشانی ''روز گارڈن'' میں بنایا جانے والا ٹرانزٹ کیمپ ہے۔ ہم نے دیکھا کہ حاجی صاحبان نے پہلے حج ٹرمنل پر اپنا سامان تلاش کر کر کے اکٹھا کیا۔ پھر اسے حج کمیٹی کے ٹرک پر لادا گیا اور وہ ٹرانزٹ کیمپ لے جایا گیا۔ حاجیوں کو بس میں بٹھا کر وہاں لے جایا گیا۔ پھر پاسپورٹ دیکھ کر زم زم دیا گیا۔ پہلے یہی زم زم حج ٹرمنل پر ہی دے دیا جاتا تھا۔ لیکن اب اسے کیمپ میں دیا جا رہا ہے۔ واپسی میں یہاں اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے۔ اب یہاں حاجی صاحبان پھر اپنا سامان اٹھائیں اور جیسے جانا چاہیں جائیں۔ البتہ جن لوگوں نے اپنی گاڑی یا ٹیکسی منگوائی ہے ان کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اس میں اپنا سامان رکھیں اور اسی سے روز گارڈن جائیں۔ ان کو بھی وہیں جانا ہے۔ وہ بھی یہاں آ کر پاسپورٹ دکھائیں اور زم زم لے لیں۔

روز گارڈن کا یہ انتظام پہلی بار کیا گیا ہے۔ حج کے لیے جاتے وقت بھی حاجیوں کو پہلے یہیں آنا پڑا تھا۔ اس کے بعد اسی طرح انھیں بس میں بٹھا کر اور ان کا سامان ٹرک میں لوڈ کر کے ایئرپورٹ لے جایا گیا تھا۔ گویا حاجیوں پر دوہری مار ہے۔ ہم حج کمیٹی کے

ذمہ داروں اور بعض دوسرے ساتھیوں کے مشورہ پر روز گارڈن جانے کے بجائے حج ٹرمنل چلے گئے تھے تو سیکورٹی والے ہمیں اندر جانے ہی نہیں دے رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ پہلے روز گارڈن جائیں اور اس کی بس میں بیٹھ کر آئیں۔ بھائی یہ کیا تماشہ ہے؟ اگر کوئی حاجی صاحب گھر کے ایک دو لوگوں کے ساتھ یعنی بھیڑ بھاڑ اکٹھا کیے بغیر حج ٹرمنل براہ راست چلے گئے تو انھوں نے کون سا گناہ کر دیا۔

حج کمیٹی کے ذمہ داروں کا کہنا ہے کہ حکومت نے حج ٹرمنل کو بھیڑ بھاڑ سے بچانے اور سیکورٹی کے نقطۂ نظر سے ٹرانزٹ کیمپ بنایا ہے۔ لوگوں کا وطیرہ یہ رہا ہے کہ ایک ایک حاجی کو چھوڑنے پوری کی پوری بس آرہی ہے۔ ایئرپورٹ پر لوگوں کا زبردست ہجوم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے بہت سی دشواریاں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اس لیے یہ انتظام کیا گیا ہے۔ اب جتنے لوگ چاہیں ٹرانزٹ کیمپ آئیں۔ جتنی ہنگامہ آرائی چاہیں کریں اور جتنا چاہیں نعرہ لگائیں۔ یہاں سے صرف حاجی صاحب ہی ایئرپورٹ جائیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس معاملے میں لوگوں کا رویہ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ بات درست ہے کہ بعض جگہوں سے پوری کی پوری بس آتی ہے۔ بلکہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ صرف ایک حاجی کو پہنچانے دو دو بسوں میں بھر کر لوگ آتے ہیں۔ حاجی صاحبان کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر پر جتنا چاہیں پروگرام کریں۔ جتنی دیگیں چاہیں پکوائیں اور جتنے لوگوں کو چاہیں کھانا کھلائیں۔ لیکن یہ کیا طریقہ ہے کہ ایک حاجی کو ایئرپورٹ چھوڑنے کے لیے بسوں کی بسیں آئیں۔ یقیناً اس سے مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن حکومت اور حج کمیٹی کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ اس کا کوئی اور حل نکالیں۔ چار پانچ کلومیٹر پہلے ہی ٹرانزٹ کیمپ میں حاجیوں کو روکنا اور اسی طرح واپسی پر ان کو یہاں آنے کے لیے مجبور کرنا کوئی اچھا انتظام نہیں۔ حاجی تو ویسے ہی ڈیڑھ مہینے سے گھر سے باہر ہیں اور چوبیس گھنٹے کا سفر کر کے آرہے ہیں۔ انھیں پھر ایک آزمائش میں ڈالا جائے، یہ کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے۔

عازمین حج کی ٹریننگ

کچھ ضروری امور

حج ایک پانچ روزہ جسمانی و روحانی عبادت ہے۔ اس کے مسائل زیادہ ہیں اور پیچیدہ بھی ہیں۔ فرائض اور واجبات کی عدم ادائیگی پر دم لازم آجاتا ہے۔ کسی پر چھوٹا کسی پر بڑا۔ اس لیے ہر عازم حج کے لیے ضروری ہے کہ وہ فضائل حج سے تو واقف ہی ہو مسائل حج سے بھی واقف ہو۔ جب کسی شخص کا بغرض ملازمت کسی ادارے میں تقرر ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسے اپنے کام، اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریوں سے واقف کرایا جاتا ہے۔ اس کے لیے اسے ٹریننگ دی جاتی ہے۔ کوئی شخص کوئی تجارت کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اس کے نشیب و فراز سے خود کو واقف کراتا ہے اور اگر مذکورہ کام تھوڑا سا بھی پیچیدہ ہے تو وہ اس میدان کے تجربہ کار افراد سے تربیت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جب دنیاوی امور میں Perfection یعنی کمال حاصل کرنے کی خواہش کی جاتی ہے اور یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے کام میں ذرا بھی نقص نہ ہو تو پھر حج جیسی روحانی و جسمانی عبادت کے بارے میں معلومات کیوں نہ حاصل کی جائیں اور اس کی تربیت کیوں نہ لی جائے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ بغیر ٹریننگ کے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے جاتے ہیں ان میں سے بعض افراد سے لاعلمی میں ایسی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں جو دم کی متقاضی ہوتی ہیں۔ لیکن وہ نہ تو اپنی غلطیوں سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ہی یہ جانتے ہیں کہ کب، کہاں اور کیسے دم لازم آتا ہے اور دم کیسے دیا جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ غلطی وہاں ہوئی ہے اور وہ اپنے وطن میں اپنے اہل خانہ کو فون کر کے دم

دلواتے ہیں۔

بیشتر ممالک میں عازمین حج کی ٹریننگ کا انتظام ہے۔ انڈونیشیا، ملیشیا، ایران، پاکستان اور بعض دیگر مسلم ملکوں میں بھی سرکاری سطح پر ٹریننگ دی جاتی ہے۔ ہندوستان میں یہ فرض رضا کارانہ طور پر انجام دیا جاتا ہے۔ گوکہ ریاستی حج کمیٹیوں کے زیر اہتمام بھی حج کی تربیت دی جاتی ہے لیکن جس مفصل انداز میں تربیت دینے کی ضرورت ہے وہ وہاں ناپید ہے۔ بالخصوص دیہی علاقوں کے عازمین کے لیے ٹریننگ کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ جبکہ سب سے زیادہ ضرورت انہی کو ٹرینڈ کرنے کی ہوتی ہے۔ جو شہروں میں ہیں ان کی کچھ ٹریننگ ہو جاتی ہے۔ پھر بھی بہت سے لوگ ان ٹریننگ کیمپوں میں جانا شاید کسر شان سمجھتے ہیں اور یہ سمجھ کر گھر بیٹھے رہتے ہیں کہ ہمیں تو سب معلوم ہے۔

ہم چونکہ دہلی سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے گئے تھے اس لیے ہم دہلی کے تناظر میں بات کریں گے۔ دہلی حج کمیٹی کے زیر اہتمام حج ٹریننگ کا انتظام ہوتا ہے اور بعض نجی تنظیمیں بھی، جو خود کو خادم الحجاج کہتی ہیں، حاجیوں کو ٹریننگ دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ بعض علماء اور مساجد کے ائمہ حضرات بھی رضا کارانہ طور پر حج کی تربیت دیتے ہیں جن میں جعفر آباد دہلی کے مولانا محمد انیس بلگرامی صاحب اور اصلاح مسجد ذاکر نگر نئی دہلی کے امام مولانا قاری عارف جمال صاحب قابل ذکر ہیں۔

ٹریننگ کے دوران فضائل پر بھی گفتگو ہوتی ہے اور مسائل پر بھی۔ اس کے علاوہ سفر حج کی تیاری، دوران حج ضروری اشیا کی فہرست سازی، سامان کیسے اور کتنا لے جایا جائے، کیا کیا احتیاط برتی جائے، مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں اپنے شب و روز کیسے گزارے جائیں اور فریضۂ حج کی ادائیگی کیسے کی جائے وغیرہ امور سمجھائے جاتے ہیں۔ حج کمیٹی اور خادم الحجاج تنظیمیں چونکہ ایک یا دو روز کی ٹریننگ دیتی ہیں اس لیے بہت سی ناگزیر باتوں پر گفتگو رہ جاتی ہے۔ یا ان کو سرسری بتایا جاتا ہے۔ یا پھر اتنی برق رفتاری سے بتایا جاتا ہے کہ وہ باتیں ذہن میں بیٹھتی ہی نہیں، ادھر سے آتی ہیں ادھر سے نکل جاتی ہیں۔ البتہ مولانا انیس بلگرامی صاحب پندرہ اور قاری عارف جمال صاحب دس روزہ ٹریننگ

دیتے ہیں۔ اس لیے وہ ہر ضروری مسئلے سے عازمین حج کو واقف کراتے ہیں اور مناسک حج کی ادائیگی کی عملی تربیت بھی دیتے ہیں۔ یعنی خانہ کعبہ کا ماڈل رکھ کر اور صفا و مروہ کے مقام متعین کر کے اور سبز و سرخ لائٹس لگا کر طواف اور سعی کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ وہ اس بارے میں کتابیں اور دیگر ضروری اشیا بھی تقسیم کرتے ہی۔ اس کے علاوہ مسجد نبوی میں پہنچنے کے بعد روضۂ رسولؐ پر کیسے حاضری دی جائے اور کیسے سلام پیش کیا جائے، اس کے کیا آداب ہیں، سب بتائے جاتے ہیں۔ یہ حضرات جزیات پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ ہم ذاتی تجربے کی بنیاد پر یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ کم از کم قاری عارف جمال صاحب، جن کی ٹریننگ میں ہم حاضر رہے، تمام مسائل اور فضائل بھی، اس طرح باریک بینی اور اطمینان وسکون کے ساتھ سمجھاتے ہیں کہ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔

اگر ٹریننگ کے عمل کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ ایک حصہ بلندی کردار یا تزکیۂ نفس سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا ارکان حج کی ادائیگی سے۔ لیکن یہ دونوں حصے غیر منظم انداز میں ہوتے ہیں اس لیے دونوں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔ ہم نے متعدد اہل قلم کے سفرنامے پڑھے ہیں اور خود ہمارا ذاتی تجربہ بھی ہے کہ حج کا فارم بھرنے اور منظوری ملنے کے بعد سے ہی انسان کے کردار، اس کی شخصیت، اس کی چال ڈھال، اس کے معمولات اور اس کے غور وفکر کے زاویے میں تبدیلی آنی شروع ہو جاتی ہے۔ تقدس کا ایک ہالہ شخصیت کے اردگرد قائم ہو جاتا ہے اور عازم کی طبیعت بدی کے بجائے نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ نفس پر روح کا غلبہ بڑھ جاتا ہے۔

اگر چہ تربیت دہندہ حضرات اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عازمین کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر نرمی و خوش خلقی، محبت و مروت، اخوت و مودت اور ایک دوسرے کے ساتھ ہم رشتگی اور تحمل و برداشت کا جذبہ پیدا کریں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عازمین پر ان نصیحتوں کا اثر بھی ہو رہا ہے، لیکن ہم نے نہ تو مکہ میں حجاج پر ان نصیحتوں کا کوئی اثر دیکھا اور نہ ہی مدینہ میں۔ قاری عارف جمال صاحب بڑے بزلہ سنج ہیں۔ وہ بہت سی باتیں ہنسی مذاق میں ایسے سمجھا دیتے ہیں کہ وہ سنجیدہ گفتگو میں بھی سمجھ میں نہیں آتیں۔ شرکائے ٹریننگ

لطف اندوز بھی ہوتے ہیں۔ لیکن شاید اس مدرسے سے نکلتے ہی وہ سارے اسباق فراموش کر جاتے ہیں۔

یہ ہمارا ذاتی تجربہ ہے اور دوسرے ساتھیوں سے بھی بار بار سننے کو ملا کہ ارے بھائی حاجیوں سے ذرا سنبھل سنبھل کر بات کریں۔ کوئی پتہ نہیں کہ کون سا حاجی کس بات پر کب ہتھے سے اکھڑ جائے۔ سارے حاجی بڑے زعم میں ہیں۔ وہ کسی کو بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ کوئی بھی بات طبیعت کے ذرا بھی خلاف ہوئی یا مزاج پر ذرا بھی گراں گزری تو پارہ فوراً چڑھ جاتا ہے۔ اس لیے حاجیوں سے سنبھل کر گفتگو کی جانی چاہیے۔

حجاج کے ساتھ خادم الحجاج بھی جاتے ہیں۔ ہم نے اپنے ایک دوست جناب منیر انجم صاحب کو دیکھا کہ وہ خادم الحجاج کی حیثیت سے نہ صرف اپنے ذمہ کے حاجیوں کو ناگزیر باتیں سمجھا رہے ہیں بلکہ جو بھی ان سے کوئی بات پوچھتا ہے تو وہ محبت آمیز انداز میں بتاتے ہیں۔ لیکن بعض دوسرے خدام الحجاج کا رویہ بالکل مختلف دیکھنے کو ملا۔ ہم نے اپنی ہی عمارت میں ایک خادم الحجاج کو دیکھا کہ وہ کسی حاجی کی کوئی بھی بات برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ نہ ہی انھوں نے کبھی کوئی بات سنجیدگی سے بتائی۔ اگر بتائی بھی تو ایسے کہ جیسے وہ بار احسان لاد رہے ہوں۔ انھوں نے اس کا بارہا اور بڑی خفگی کے ساتھ اظہار بھی کیا کہ ”مجھ سے آرام سے بات کرنا۔ بتائے دے رہا ہوں۔ میں کسی کی برداشت نہیں کرتا“۔ ارے بھائی جب کسی کی برداشت نہیں کرتے تو خادم الحجاج کا چولہ کیوں پہن رکھا ہے۔ اسے اتار پھینکو۔ اسی طرح بعض حجاج بھی خدام الحجاج کو اپنا ملازم سمجھتے ہیں اور ان سے اسی طرح پیش آنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہم نے دیکھا تھا کہ قاری عارف جمال صاحب نے بارہا یہ بات بتائی تھی کہ اگر کوئی شخص کوئی مسئلہ بتائے اور وہ اس مسئلے سے مختلف ہو جو تم سیکھ کر جا رہے ہو یا تمھارے عالم دین نے تم سے بتایا ہو تو تم اختلاف نہ کرنا۔ اس سے لڑائی مت کرنے لگنا کہ یہ ایسے نہیں ایسے ہے۔ بلکہ اس کی بات خاموشی سے سن لینا اور جو تمھیں بتایا گیا ہے اس کے

مطابق عمل کرنا۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ عام طور پر حجاج کرام کے اندر مسلکی اختلافات کو برداشت کرنے کا مادہ ہی نہیں۔ یا ان کے اندر ان اختلافات سے گریز کرنے یا ان کو انگیز کرنے کی خو ہی نہیں ہوتی۔

ایک بار حج شروع ہونے سے چند روز قبل ہمارے مکتب نمبر ۴۹ر کے معلم کی جانب سے مکتب کے تمام حاجیوں کے لیے بعد نماز مغرب ایک اطلاعاتی کیمپ کا انعقاد کیا گیا۔ ہماری عمارت کے سامنے ایک بہت بڑا پارک ہے اسی میں لوگوں کو یکجا کیا گیا۔ مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی۔ معلم کی جانب سے ایک عالم دین نے یہ بتانا شروع کیا کہ کس طرح ہم آپ لوگوں کو یہاں سے منیٰ و عرفات لے جائیں گے اور کیا کیا سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ وہ عربی میں بول رہے تھے جس کا اردو ترجمہ جامعہ اسلامیہ کا ایک طالب علم کر رہا تھا۔ لوگ بہت خوش تھے اور معلم کی مہمان نوازی کو بنظر تحسین دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران انھوں نے یہ بتانا شروع کیا کہ جب آپ عرفات جائیں گے تو نمازیں قصر کر کے پڑھیں گے۔ بس اسی بات پر ہنگامہ ہو گیا۔ سامعین میں سے ایک حاجی صاحب کھڑے ہو گئے اور ان سے مسلکی بحث کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ پیچھے بیٹھے بہت سے حاجی شور شرابہ کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کر جانے لگے کہ ارے یہ تو مسئلہ ہی غلط بتا رہے ہیں۔ مذکورہ عالم دین کو سمجھ میں آ گیا کہ انھوں نے بھڑ کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔ لہٰذا انھوں نے یہ کہتے ہوئے فوراً مجلس برخاست کر دی کہ آپ لوگوں کے لیے کھانا آیا ہوا ہے وہ لے لیجیے۔ باقی گفتگو بعد میں ہو گی۔

ان حاجی حضرات کا رویہ جو اب تک معلم کی ''دریا دلی اور حسن انتظام'' کے معترف تھے اچانک بدل گیا۔ مجلس بد انتظامی کی شکار ہو گئی، صفیں الٹ پلٹ گئیں۔ حالانکہ منتظمین کی جانب سے کافی دیر تک پروگرام کرنے کا پلان تھا۔ اب ان حاجی صاحب کو اس بحث میں الجھنے کی کیا ضرورت تھی کہ عرفات میں نماز قصر کی جائے گی یا پوری پڑھی جائے گی۔ وہ ان کی بات سن لیتے اور جو وہ سیکھ کر آئے تھے یا جو ان کے مسلک کے اعتبار سے درست تھا اس پر عمل کرتے۔ لیکن ان کی مسلکی شدت یا مسلکی۔ بے

صبری نے سارا معاملہ بگاڑ دیا۔

اس دوران منتظمین کی جانب سے کولڈ ڈرنکس اور بسکٹ وغیرہ بھی تقسیم کیے جا رہے تھے اور حاجیوں کی ایک بڑی تعداد ان اشیا کو ''لوٹنے'' میں مصروف تھی۔ ان کے نزدیک نہ فضیلت حج کی کوئی اہمیت تھی اور نہ ہی ادائیگی ارکان حج کی۔ ان لوگوں کے نزدیک تو اشیائے خورد و نوش ہی سب سے اہم تھیں۔

اسی طرح ہماری عمارت میں گراؤنڈ فلور پر بنے ہال میں جو نماز کے لیے استعمال ہو رہا ہے معلم کی جانب سے بعض اوقات تربیت کا انتظام کیا جاتا اور بعض اوقات کچھ خواتین رضا کارانہ طور پر آ کر عورتوں کو مسئلہ مسائل بتانے اور سمجھانے کی کوشش کرتیں۔ خواتین کی جانب سے بھی اختلافی مسائل اٹھائے جاتے اور ہنگامہ آرائی کی جاتی۔ یہاں بھی جائے نماز یا دوسری اشیا کی تقسیم کے وقت قیامت برپا ہو جاتی اور جن حضرات اپنی ''اعلیٰ ظرفی'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظر آتیں۔

ہم نے منیٰ کے خیموں میں بھی جب حاجیوں کی بے صبری اور جنگجویانہ خو دیکھی تو انتہائی افسوس ہوا۔ ہم نے اپنے خیمہ میں ایک روز دیکھا کہ کم از کم ۷۵ رسال کے ایک حاجی صاحب اپنے بستر پر نیم دراز ہیں۔ ان سے ایک بستر چھوڑ کر ان سے دو چار سال کم عمر کے ایک دوسرے حاجی بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ ماشاءاللہ دونوں باریش ہیں۔ دوسرے حاجی صاحب نے پہلے حاجی صاحب سے تڑخ کر کہا کہ ''تم نے مجھے لات کیوں ماری''۔ انھوں نے کہا کہ نہیں میں نے تو نہیں ماری۔ ممکن ہے کہ ابھی آتے وقت بے خیالی میں لگ گئی ہو۔ لیکن حاجی صاحب اس پر مصر تھے کہ تم نے جان بوجھ کر لات ماری ہے۔ وہ معذرت کرتے رہے۔ انھوں نے معافی بھی مانگی۔ لیکن دوسرے حاجی صاحب پتہ نہیں کیا چیز کھائے ہوئے تھے کہ خاموش ہونے کو تیار ہی نہیں تھے۔ ان کی اشتعال انگیزی کا پارہ نیچے ہی نہیں آ رہا تھا۔ بالآخر پہلے والے حاجی صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ انھوں نے بھی تڑخ کر کہا کہ ''ہاں میں نے لات ماری ہے۔ بول کیا کر لے گا''۔ یوں لگ رہا تھا کہ دونوں گتھم گتھا ہو جائیں گے۔ لیکن وہاں موجود دوسرے حاجیوں نے

کسی طرح دونوں کو الگ کیا۔

حجاج کرام اس بات پر بہت خوش ہوتے ہیں اور خود کو خوش نصیب تصور کرنے لگتے ہیں کہ حج کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے کہ وہ اپنی ماں کے شکم سے ابھی پیدا ہوا ہے۔ لیکن وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ یہ خوش خبری کن حاجیوں کو سنائی گئی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو حج کے دوران فحاشی اور لڑائی جھگڑے سے دور رہے گا اس کا حج ''حج مبرور'' ہوگا۔ اب ان حجاج صاحبان کو کون سمجھائے کہ تم نے تو حج کے دوران لڑائی جھگڑا کر کے اپنے اعمال پر پانی پھیرنے اور اپنی نیکیوں کو غارت کرنے کی عمداً کوشش کی ہے۔ تمھارا حج ''حج مبرور'' کیسے ہوگا۔

جنگجویانہ مزاج کا مظاہرہ عموماً ہر جگہ ہوتا ہے اور چند ملکوں کو چھوڑ کر بیشتر ممالک کے حاجی صاحبان کرتے ہیں۔ مسجدوں میں بھی وہ تحمل سے کام نہیں لیتے۔ وہاں بیٹھنے کی جگہوں کے لیے ایک دوسرے سے تکرار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ طواف کے دوران بھی وہ اپنی خصلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسا ہم نے بہت کم دیکھا کہ اگر طواف کے دوران کسی سے کسی کو دھکا لگ گیا ہو تو اس نے خندہ پیشانی سے اسے برداشت کر لیا ہو۔ عام طور پر لوگ جوابِ آں غزل کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔ واپسی میں کس طرح حجاج باہم دست و گریباں تھے اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

کیا یہی بلندی کردار ہے۔ کیا یہی تزکیۂ نفس ہے۔ کیا یہی خوش خلقی اور احترام آدمیت ہے۔ کیا یہی شان حجاج ہے۔ کیا اسی عمل کے بل بوتے پر خود کو ماں کے شکم سے پیدا ہونے والا بچہ سمجھ رہے ہیں۔ کیا یہی اعمال آپ کے حج کو ''حج مبرور'' کی منزل پر لے جائیں گے۔ اے حجاج کرام! ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچو، تم نے حج تو کر لیا لیکن کیا تمھارا حج اس کی تمام شرائط پر پورا اتر رہا ہے۔

ہم جس طیارے سے مدینہ جا رہے تھے اس میں دہلی سے بمشکل پچاس ساٹھ حاجی رہے ہوں گے ورنہ اکثریت مغربی یوپی کے حاجیوں پر مشتمل تھی۔ ان کے رویوں کو دیکھ کر ایسا لگا کہ انھوں نے حج پر آنے سے قبل کوئی ٹریننگ نہیں لی ہے۔ جب ہم لوگ

جہاز میں سوار ہونے لگے تو کیبن کارکنوں نے ہم سے کہا کہ سیٹ نمبر مت دیکھیے۔ آپ تین لوگ ہیں تین نشستوں والی سیٹ پر بیٹھ جائیں۔ ہم نے وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ حاجیوں کو یہ سہولت دی گئی ہے۔ اگر سیٹ نمبر کے حساب سے بٹھائیں گے تو کافی وقت لگ جائے گا اور حاجیوں کو پریشانی بھی ہوگی۔ لیکن بعض ایسے لوگ بھی تھے جو اپنی ہی نشست پر بیٹھنے کے لیے بضد تھے۔

طیارہ کے پرواز بھرنے کے کچھ دیر کے بعد ناشتہ اور پھر کھانا دیا گیا۔ ہمارے برابر والی نشست پر دو ایسے بزرگ حاجی بیٹھے تھے جو شاید پہلی بار بذریعہ جہاز سفر کر رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کسی پسماندہ گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ حاجیوں کی اکثریت ایسے ہی لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ جب سیٹ بیلٹ باندھنے کا اعلان ہوا تو ہم نے کئی حاجیوں کی اس میں مدد کی۔ خیر کھانا آیا تو کھانے کے بعد انہی میں سے ایک حاجی صاحب نے کھانے کے بعد چائے پی اور پھر پلاسٹک کے اس کپ کو پانی ڈال کر دھویا اور پانی وہیں سیٹ کے نیچے گرا دیا۔ پھر انھوں نے اسے اور جس ٹرے میں کھانا آیا تھا اسے بھی اپنے بیگ میں رکھ لیا۔ جبکہ ہمارے سامنے کی نشست کے حاجی صاحب نے کھانے کے بعد برتن میں ہاتھ دھویا اور اسے اپنے برابر نیچے رکھ دیا۔ وہ بار بار اٹھ بھی رہے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کا پیر بار بار اس پر پڑ رہا تھا اور پانی چھلک کر گر بھی رہا تھا۔ ایک بار تو ایسا لگا کہ پوری ٹرے پلٹ جائے گی۔ ہم نے جب ان کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تب وہ سنبھلے۔ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ فرش پر بچھے قالین کے نیچے تار دوڑائے ہوئے ہوتے ہیں۔ پانی سے ان میں شارٹ سرکٹ کا خطرہ رہتا ہے۔ طیارے کے ٹوائلٹ کے استعمال کے لیے بھی بہت سے حاجی صاحبان بے چین رہتے ہیں۔ وہ اپنی ضرورت کو تھوڑی دیر کے لیے روک نہیں سکتے۔ قاری عارف جمال صاحب بار بار اس پر لوگوں کو متوجہ کرتے رہے کہ جہاز میں سوار ہونے سے قبل اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو جائیں۔ جہاز میں اس کے لیے پریشانی ہوتی ہے۔ لہٰذا طیارے کے سفر کے آداب کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بتانے کی ضرورت ہے۔

عام طور پر حج کمیٹی کی جانب سے جو لٹریچر دیا جاتا ہے اس میں بہت سی ہدایتیں درج ہوتی ہیں۔ اگر ان پر عمل کیا جائے تو بہت سی دشواریوں سے بچا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ان ہدایات کو پڑھا ہی نہیں جاتا۔ یا اگر پڑھا جاتا ہے تو اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ان ہدایات میں ایک ہدایت یہ بھی ہوتی ہے کہ عازمین مغربی طرز کے کموڈ کو استعمال کرنے کا طریقہ سیکھ لیں۔ کیونکہ سعودی عرب میں عام طور پر اسی اسٹائل کے کموڈ استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن اس میں حجاج کی کوئی خطا نہیں۔ اب بتائیے جو حاجی صاحبان دیہی علاقوں سے تعلق رکھتے ہوں وہ کیسے اور کہاں جا کر سیکھیں۔ خود دہلی کے وہ حاجی صاحبان جن کے گھروں میں دیسی کموڈ ہو وہ کس کس سے پوچھتے پھریں کہ تمھارے ٹوائلٹ میں انگریزی طرز کا کموڈ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ذرا مجھے موقع دو کہ میں اس کو استعمال کرنے کا طریقہ سیکھ لوں۔ یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ کوئی حاجی صاحب مغربی کموڈ پر اکڑوں بیٹھے اور وہ پھٹ گیا۔ ان کو چوٹیں بھی آئیں اور نقصان بھی ہوا۔ حج کی تربیت دینے والوں کو چاہیے کہ وہ اس بارے میں حج کمیٹی کے ذمہ داروں سے بات کریں اور کوئی درمیان کی راہ نکالیں۔

منیٰ اور عرفات اور خود حرمین کے حماموں میں عام طور پر ٹونٹی سے ایک پائپ منسلک ہوتا ہے۔ اس کی خرابی یہ ہے کہ اگر کسی نے دھوکے میں تیز کھول دیا تو پانی کی ساری چھینٹیں اوپر آتی ہیں۔ حاجیوں کو ان کے استعمال کا طریقہ بتانے اور انھیں سیکھنے کی ضرورت ہے۔ یعنی ان کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہیے کہ وہ جب اس کا استعمال کرنا چاہیں تو ٹونٹی کو بہت آہستہ سے گھمائیں اور رفتہ رفتہ حسب ضرورت اس کو مزید کھولیں۔ اگر کم کھولنے سے کام چل جائے تو زیادہ نہ کھولیں۔ عام طور پر یہ شکایت سنی جاتی ہے کہ منیٰ میں غسل کے دوران دوسرے باتھ روم کی چھینٹیں پڑتی ہیں۔ اس لیے اگر اس بارے میں تھوڑی احتیاط برتی جائے تو کام آسانی سے چل سکتا ہے۔

مکہ اور مدینہ میں مخیّر حضرات کی جانب سے روزانہ بڑی مقدار میں کھانا تقسیم کیا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ کھانا بناتے ہی نہیں بلکہ وہی کھانا لا کر کھاتے ہیں۔ یہ

کوئی غلط بات تو نہیں لیکن اس معاملے میں ہندوستانی حجاج کا رویہ بہت افسوسناک ہے۔ جہاں کوئی گاڑی کھانا لے کر آئی حاجی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ گاڑی والے لائن لگانے کی درخواست کرتے رہ جاتے ہیں۔ بہت سے حاجی گاڑی کے اندر سے ہی کھانا نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا کہ بانٹنے والے پریشان ہو کر گاڑی ہی واپس لے کر چلے گئے۔ کھانا تو کھانا ایک ایک بوتل پانی کے لیے بھی حاجی لوگ مارا ماری کرتے ہیں۔ پھل، جوس، روٹی اور دہی وغیرہ بھی تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ بہت سے لوگ گاڑیوں کی چھتوں پر چھوٹی بچیوں کو بٹھا دیتے ہیں جو وہیں اوپر سے حاجیوں کو سامان خورد و نوش دیتی رہتی ہیں۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ لوگ لاکھوں روپے خرچ کر کے حج کرنے جاتے ہیں اور تین چار ریال کے کھانے کے لیے اتنی مارا ماری کیوں کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ سکون واطمینان سے لے لیں تو سب کو مل جائے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بہت سے حاجی ضرورت سے زیادہ کھانا لے لیتے ہیں اور بعد میں انھیں پھینکنا پڑتا ہے۔

ان باتوں پر تربیت کے دوران گفتگو تو ہوتی ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح ہونی چاہیے۔ عازمین کو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ وہ اس فریضے کی ادائیگی کے لیے جا رہے ہیں جو صاحب استطاعت پر زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے۔ اس لیے آپ لوگ مسائل تو سیکھیں ہی آداب سفر، آداب قیام وسکون، آداب خورد و نوش، آداب گفتگو، آداب معاملات اور آداب بود و باش بھی سیکھ لیں تو زیادہ بہتر ہے۔ حج ایک ایسی عبادت ہے جو ایثار ہی ایثار چاہتی ہے جو قربانی چاہتی ہے۔ شب و روز کی قربانی۔ مال و دولت کی قربانی۔ صحت کی قربانی۔ غرور و تمکنت کی قربانی۔ اور غرور و تمکنت تو یوں بھی انسان کے اندر نہیں ہونا چاہیے۔ اگر آپ حج کرنے جا رہے ہیں تو آپ کے اندر تو خاکساری و انکساری کا بھرپور جذبہ پیدا ہونا چاہیے۔ ایک دوسرے کی مدد اور خیر خواہی کی ذہنیت پنپنی چاہیے نہ کہ ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑے کی۔ حجاج کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر تبدیلی لائیں۔ جانے سے پہلے بھی اور آنے کے بعد بھی۔ اگر کردار میں مثبت اور انقلابی تبدیلی

نہیں آئی تو اس کا مطلب ہوا کہ آپ نے حج سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔

جہاں تک ٹریننگ کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں ہماری تجویز یہ ہے کہ مرکزی حج کمیٹی، ریاستی حج کمیٹیاں اور نجی خدام الحجاج تنظیمیں ایک دوسرے کے رابطے میں آئیں اور باہم مشاورت سے تربیت کے نظام کو حتمی شکل دیں۔ نجی تنظیموں اور حج کمیٹیوں کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ ذاتی مفادات سے اوپر اٹھ کر مفاداتِ حجاج کو سامنے رکھ کر پروگرام ترتیب دیں۔ شہروں کے لیے الگ انتظامات کیے جائیں اور دیہی علاقوں کے لیے الگ۔ انھیں چاہیے کہ وہ مختلف اضلاع کے قرب و جوار کے علاقوں کو آپس میں تقسیم کرلیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ دیہی علاقوں کے بہت سے حاجی حضرات کے ضروری ارکان چھوٹ جاتے ہیں اور وہ لاعلمی میں دم بھی نہیں دیتے۔ اس لیے دیہی علاقوں پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ لوگ لاکھوں روپے خرچ کرکے اور بہت سے حجاج تو زندگی بھر کی جمع پونجی لگا کر جو کہ وہ ایک ایک پیسہ جوڑ کر اکٹھا کرتے ہیں، حج کی ادائیگی پر خرچ کرتے ہیں۔ اگر ان کا حج مکمل نہ ہو یا اس میں کچھ کمی رہ جائے تو یہ اچھی بات نہیں۔

کچھ نجی تنظیمیں حج لٹریچر تیار کرتی ہیں اور انھیں تقسیم کرتی ہیں۔ لیکن اس بارے میں مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مجیب باغ میں واقع بارات گھر میں ایک تنظیم کی جانب سے جو ٹریننگ دی گئی وہ بڑی مفید اور معلومات افزا تھی۔ اس موقع پر جس طرح حاجیوں کی خدمت کی گئی وہ لائق ستائش ہے۔

حجاج کرام کو ایسے لوگوں کا ممنون کرم ہونا چاہیے جو بغیر کوئی فیس لیے اور رضا کارانہ طور پر ان کو ٹریننگ دینے کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑی خدمت ہے۔ عازمین کا یہ سوچ کر کہ وہ تو سب کچھ جانتے ہیں، ایسی ٹریننگوں کا حصہ نہ بننا خسارے کی بات ہے۔ گو کہ کسی کو سارے مسائل و فضائل معلوم ہوں پھر بھی اگر وہ ان تربیتی کلاسوں میں شرکت کرلے تو اس کا کیا بگڑے گا۔ بلکہ اس کو کچھ نہ کچھ ایسا مل ہی جائے گا جس سے وہ اب تک محروم تھا۔

رودادِ عمرہ

(۱۷/تا ۲۸/فروری ۲۰۱۷ء)

آرزوئیں اور تمنائیں!

حج اور عمرہ کی تمنا کس مسلمان کے دل میں نہیں۔ بہت سے صاحبِ استطاعت کم از کم ایک بار حج ضرور کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ تو کئی کئی بار کرتے ہیں اور کئی ایسے بھی ملیں گے جو سال بہ سال حج کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح عمرہ ادا کرنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو استطاعت بخشی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جذبہ بھی دیا ہے وہ عمرہ کی ادائیگی بھی کرتے ہیں۔ اس مقدس سرزمین میں اتنی کشش ہے کہ جو ایک بار اس کی زیارت کر لیتا ہے اس کا دل وہاں بار بار جانے کو چاہتا ہے۔

لیکن حج ہو یا عمرہ محض آرزوؤں اور تمناؤں کی بنیاد پر ان کی ادائیگی نہیں کی جا سکتی۔ ہر مسلمان کے دل میں یہ آرزو کروٹیں لیتی رہتی ہے لیکن کیا سارے مسلمان حج اور عمرہ کی ادائیگی کرنے میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔ یہ دراصل فضلِ خداوندی سے مشروط ہے۔ اگر اس کا فضل ہو تو ہم جیسے گناہگار بھی ہزاروں کلومیٹر دور رہنے کے باوجود اس مقدس سرزمین کی زیارت کر لیتے ہیں اور اگر اس کا فضل و کرم شاملِ حال نہ ہو تو سرزمین حجاز پر برسوں قیام پذیر ہونے کے باوجود بہت سے لوگ نہ حج کر پاتے ہیں اور نہ ہی عمرہ۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ حج و عمرہ کی آرزو ہی نہ کی جائے، سرزمین رسولؐ کے دیدار کی خواہش ہی نہ کی جائے اور کسی معجزے کا انتظار کیا جائے۔ آرزوؤں اور تمناؤں کے پھول اگر گلستانِ قلب میں کھلتے رہیں تو جشنِ بہاراں کا موسم آ ہی جاتا ہے۔ مایوسیوں اور ناامیدیوں کے ریگزار میں امید و بیم کے نخلستان جلوہ گر ہو ہی جاتے ہیں اور ان کی شادابی پورے وجود کو فرحت و انبساط سے ہمکنار کر دیتی ہے۔

ہم عمرہ کرنے کا منصوبہ بنا ہی رہے تھے کہ معلوم ہوا کہ ہمارے کرم فرما اور شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق صدر پروفیسر خالد محمود صاحب بھی کچھ ایسی ہی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ ان سے صلاح ومشورہ ہوا اور انھوں نے بتایا کہ ہم میاں بیوی کا ارادہ نومبر یا دسمبر میں جانے کا ہے۔ ہم نے ان سے ساتھ چلنے کا وعدہ کیا۔ اسی درمیان نوٹ بندی کا اعلان ہوگیا۔ پروفیسر خالد محمود صاحب نے پوچھا کہ کیا ارادہ ہے؟ ہم نے نوٹ بندی کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ پیسوں کا انتظام مشکل نہیں، وہ ہو جائے گا۔ ہم نے کہا کہ آپ کا ہو جائے گا ہمارا نہیں ہوگا۔ بہر حال وہ دسمبر میں عمرہ کی ادائیگی کے لیے روانہ ہو گئے اور ہم رہ گئے۔ ابھی ہمارے جانے کی وہ تاریخ نہیں آئی تھی جو قدرت نے لکھی تھی۔

ہم لوگ (بالخصوص ہماری اہلیہ) کئی برسوں سے عمرہ کا پلان بنا رہے تھے۔ لیکن ہر سال کوئی نہ کوئی ایسی ناگزیر وجہ سامنے آجاتی تھی کہ پروگرام ملتوی کرنا پڑتا تھا۔ بہ الفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کا منشا نہیں تھا کہ ہم عمرہ کرنے جائیں۔ لیکن اس کے فضل وکرم سے ہم نے امسال یہ قطعی ارادہ کرلیا کہ عمرہ کرنا ہی ہے۔ ہمارے ایک عزیز جمال الدین نے جو کہ سعودی سفارتخانے میں برسرکار ہیں، مین پاور کا کام کرنے والے اپنے ایک دوست وسیم اکرم سے بات کی۔ خیال تھا کہ فروری کی پندرہ تاریخ کے بعد جب سردی ذرا کم ہو جائے گی، عمرہ کرنے جائیں گے۔ پاسپورٹ دے دیا گیا اور ہمیں یہ بتایا گیا کہ ۱۳؍ فروری کو ہماری فلائٹ ہے۔ اس درمیان ہم نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم اپنے ایک عزیز مولانا محمد شعیب کو بھی اس کی اطلاع دے دی۔ وہ بھی کافی دنوں سے ہم لوگوں کے سفر کے منتظر تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ مدینہ میں انہی کے گھر قیام کیا جائے۔ ان کے بچے بھی وہیں رہتے ہیں۔ ہم لوگوں نے ان سے کہہ دیا کہ جیسا آپ بہتر سمجھیں ویسا کریں گے۔ ہم آپ کی مرضی پر رہیں گے۔

گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ایک ہفتہ قبل ٹریول ایجنسی سے بتایا گیا کہ سعودی ایئر لائنس سے ٹکٹ لے لیا گیا

ہے۔۱۴؍فروری کو شام ساڑھے چھ بجے فلائٹ ہے۔لیکن شاید خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ شاید ابھی اس کی مرضی شامل حال نہیں تھی۔ ایک وقت ایسا آیا جب لگا کہ ہم عمرہ کرنے نہیں جا پائیں گے۔ ہوا یوں کہ اسی درمیان ہمیں شدید قسم کا وائرل فیور ہو گیا۔ روزانہ سردی لگ کے بخار آنے لگا۔ اِدھر جانے کا وقت قریب آرہا ہے اور اُدھر بخار کی آمد و رفت بڑھتی جا رہی ہے۔ دل زبردست الجھنوں میں گرفتار ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اللہ پَر دے دے اور ہم اڑ کر چلے جائیں۔ ادھر مشیت ایزدی کچھ اور اشارے دے رہی ہے۔ وائرل کے ساتھ ساتھ گلے میں انفیکشن بھی ہو گیا۔ ہم نے اپنے فیملی ڈاکٹر جناب حلیم کوثر چاند پوری صاحب سے رابطہ قائم کیا اور ان سے درخواست کی کہ ایسا علاج کیجیے کہ ہم جلد از جلد ٹھیک ہو جائیں کیونکہ ہمیں عمرہ کرنے جانا ہے۔ ہم نے اپنے دفتر وائس آف امریکہ واشنگٹن سے بھی ۱۳؍ سے ۲۸؍فروری تک کی چھٹی لے لی۔ لیکن بخار بڑا مستقل مزاج نکلا۔ اس نے وقفے وقفے سے حاضری لگانے کا سلسلہ بند نہیں کیا۔ شاید وہ ہمارے ایمان کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر چاند پوری نے کہا کہ میں بہت ہی پرفیکٹ دوا دے رہا ہوں۔ کیونکہ عمرہ کے وقت آپ کو بالکل چاق و چوبند رہنا ہے۔ لیکن بخار نے بھی کہا کہ اچھا میں بھی دیکھتا ہوں۔ میں ڈاکٹر سے بھی نمٹ لوں گا اور تم سے بھی۔ تم لوگوں نے مجھے کیا ایسا ویسا یا موسمی بخار سمجھ رکھا ہے۔

لیجیے ۱۳؍ تاریخ آگئی اور سردی لگ کے بخار آنے کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ ۱۳؍ کی شام کو پھر ڈاکٹر کے پاس گئے۔ انھوں نے شبہ ظاہر کیا کہ کہیں یہ ٹائیفائڈ نہ ہو۔ اس لیے انھوں نے مشورہ دیا کہ بہتر ہے کہ آپ اپنا پروگرام ملتوی کر دیں اور کسی اچھے اسپتال میں ٹیسٹ کروالیں۔ ہم نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نزدیک واقع ہولی فیملی اسپتال جا کر خون کا نمونہ دیا تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ کہیں یہ ٹائیفائڈ تو نہیں ہے۔ دل و دماغ پر عجیب کیفیت طاری ہے۔ بخار کی وجہ سے کمزوری بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ لیکن طبیعت یہی چاہ رہی ہے کہ جلد از جلد تیاری کر لی جائے اور نکل چلا جائے۔ بے چینی نے گھیر رکھا ہے۔ لیکن یہ اندیشہ بھی کھائے جا رہا ہے کہ اگر گئے اور وہاں زیادہ بیمار پڑ گئے تو کیا ہوگا۔

دو بجے تک جو ایئر پورٹ کے لیے گھر سے ہمارے نکلنے کا وقت تھا دل و دماغ کی عجیب کیفیت رہی۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملہ رہا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کہاں چلے جائیں کہ سکون مل جائے۔ گھڑی کی سوئی نے بہت جلد دو بجا دیے۔ اس کے بعد یعنی ایئر پورٹ جانے کا وقت جب نکل گیا تو طبیعت پر اضمحلال طاری ہو گیا۔ آرزوؤں اور تمناؤں نے سر پٹک پٹک کر دم توڑ دیا۔ شام کے وقت رپورٹ آئی جس میں وائرل بتایا گیا تھا۔ شام کو پھر ڈاکٹر کے پاس گئے۔ انھوں نے دیکھا اور کہا کہ اچھا ہوا آپ نے پروگرام ملتوی کر دیا۔ کیونکہ وائرل میں یہ قیاس آرائی نہیں کی جا سکتی کہ بخار کب آئے گا اور کب نہیں آئے گا۔

کیا دعا رد ہو گئی؟

''سہیل انجم نے اپنے سفرنامے کا عنوان بہت اچھا رکھا ہے۔ یعنی ''پھر سوئے حرم لے چل''۔ اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اور یہ عاجزی ہے کہ اے اللہ میں پھر تیرے گھر کی زیارت کرنا چاہتا ہوں، مجھے پھر اپنے دربار میں بلانا۔ اللہ کرے کہ ان کی یہ دعا قبول ہو اور وہ پھر سوئے حرم جائیں اور زیارت حرمین کی سعادت حاصل کریں''۔ یہ وہ جملے ہیں جو غالب اکیڈمی بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی کے آڈیٹوریم میں میرے سفرنامۂ حج ''پھر سوئے حرم لے چل'' کے اجرا کے موقع پر مقررین نے ادا کیے تھے۔

یہ پروگرام ۱۲ر دسمبر ۲۰۰۷ء کی شام کو منعقد ہوا تھا۔ یعنی حج کے تقریباً ایک سال بعد۔ ہم ۲۷ر دسمبر ۲۰۰۶ء کو دہلی سے ممبئی گئے تھے اور ۲۸ر دسمبر کو جو کہ یوم ترویہ تھا ممبئی ایئر پورٹ سے جدہ کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ ہماری واپسی ۹ر جنوری ۲۰۰۷ء کو ہوئی تھی۔ ۱۳ر دسمبر کے تقریباً تمام اردو اخباروں میں میرے سفرنامہ کے اجرا کی خبر شائع ہوئی تھی۔

ہمیں اللہ کی ذات سے امید تھی کہ یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ ہم ایک بار پھر دیارِ رسولؐ کی زیارت کریں گے۔ جب عمرہ کی پلاننگ ہو گئی اور ٹکٹ بن گیا تو ہمیں لگا کہ ہاں! دعا قبول ہو گئی ہے۔ لیکن جب بخار نے آدبوچا اور ہم اپنے گروپ کے ساتھ نہیں جا

سکے تو پھر کیا بتائیں کہ کیا ہوا۔ یوں محسوس ہوا کہ خوش امیدی کا پودا نا امیدی کی تیز دھوپ میں مرجھا رہا ہے۔ مرجھائے چلا جا رہا ہے۔ بیم و رجا کی کیفیات پر قنوطیت کے بادل چھانے لگے۔ دل میں یہ وسوسہ سر ابھارنے لگا کہ کیا دعا کی قبولیت کا خیال خیالِ خام تھا۔ ہمارے ذہن و دماغ کو کئی سوالوں نے گھیر لیا اور ہر سوال کی تان اسی پر آ کر ٹوٹتی تھی کہ لگتا ہے کہ دعا کی قبولیت کا لمحہ ابھی نہیں آیا ہے اور عمرہ پر جانے کی ہماری خواہش بس خواہش ہی بن کر رہ جائے گی۔

سچ بات یہ ہے کہ ہمارا جذبہ بالکل پختہ نہیں تھا۔ ہماری تڑپ بھی کمزور سی ہی تھی۔ ذہن میں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ کیسے جائیں، لمبا سفر ہے، اجنبی دیس ہے، اجنبی زبان ہے، اجنبی لوگ ہیں۔ کیا ہوگا اگر طبیعت کا تکدر دور نہیں ہوا۔ لیکن ہماری اہلیہ کا جذبہ بڑا شدید تھا۔ ان کی خواہش بڑی پختہ تھی۔ ان کا اشتیاق ہم سے کہیں زیادہ فراواں تھا۔ شاید اسی لیے ہمارے دل میں امید و بیم کی ایک کیفیت تھی کہ ہو نہ ہو اگر ہماری دعا قبول نہیں ہوئی ہے تو ان کی ہوئی ہوگی۔ ان کی دعا کی قبولیت کے طفیل ہم بھی یہ سعادت حاصل کر لیں گے۔

اور ہم مدینہ پہنچ گئے

۱۳/ فروری کی شب میں ڈاکٹر کے پاس سے گھر آنے کے بعد عزیزم جمال الدین سے مشورہ کیا گیا۔ ان سے کہا گیا کہ وہ پتہ لگائیں کہ کیا ٹکٹ آگے بڑھ سکتا ہے۔ انھوں نے ٹریول ایجنٹ سے بات کر کے بتایا کہ یہ گروپ ٹکٹ ہے۔ یہ نہ تو آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ ہی پیسہ واپس ہو سکتا ہے۔ اگر آپ کو جانا ہے تو اسی پر جانا ہے ورنہ یہ ضائع ہو جائے گا۔ بہت غور و خوض اور صلاح و مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ ۱۷/ فروری کا ٹکٹ لے لیا جائے۔ نقصان تو ہو رہا ہے لیکن چونکہ ابھی جانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں اس لیے سفر کو مؤخر کرنا بہتر ہوگا۔ وائرل بخار کو ایک ہفتے سے کچھ زائد ہو گیا ہے اس لیے خیال ہے کہ شاید اب نہ آئے۔

۱۵/ فروری کو معلوم ہوا کہ ٹکٹ بن گیا ہے اور ۱۷ کی شام کو ساڑھے چھ بجے کی فلائٹ ہے۔ کمزوری کی وجہ سے جانے کی ہمت نہیں۔ لیکن اللہ کا نام لے کر کمر ہمت کسی اور ۱۷/ فروری بروز جمعہ جانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ چونکہ ہم قافلے سے بچھڑ گئے ہیں اس لیے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اس کے لیے بھی ذہنی طور پر تیار ہو گئے۔ ۱۶/ فروری کی شام کو ہمارے بیٹے سلمان فیصل نے ٹریول ایجنٹ کے پاس جا کر ٹکٹ لیا۔ دو ٹکٹ ۳۳/ ہزار روپے کے پڑے۔ ظاہر ہے یہ اضافی خرچ ہے۔ لیکن اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ پروگرام یہ بنایا گیا کہ ہم یہیں سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ جائیں گے اور پھر اپنے گروپ میں شامل ہو جائیں گے۔ پھر اس کے ساتھ مدینہ منورہ جائیں گے۔

لیکن جب ٹکٹ آیا تو وہ مکہ مکرمہ کے بجائے مدینہ منورہ کا نکلا۔ ٹکٹ کے ساتھ ساتھ مکہ مکرمہ کے ہوٹل کا واؤچر اور مدینہ میں ایک دوسرے ہوٹل ''محبوب الطیبہ'' میں

ایک روزہ قیام کا بھی انتظام تھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ اگر ہم مکہ جاتے ہیں تو ۱۸ر کی صبح کو پہنچیں گے اور جو ہمارا گروپ ہے وہ اسی روز مدینہ شریف کے لیے نکل جائے گا۔ ہم اس سے مل نہیں پائیں گے، یعنی پھر بچھڑ جائیں گے۔ اس لیے ایجنٹ نے مکہ کے بجائے مدینہ کا ٹکٹ بنوایا اور چونکہ ہم مدینہ ۱۷ر فروری کی نصف شب میں پہنچ جائیں گے اس لیے انھوں نے ایک دوسرے ہوٹل میں قیام کا انتظام بھی کر دیا۔ ۱۵ر فروری کو پھر بخار نے دبوچ لیا۔ لیکن اب ہم نے یہ طے کر لیا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے اب جانا ہی جانا ہے۔ دل نے جب پختہ ارادہ کر لیا تو طبیعت بھی بہتری کی طرف مائل ہو گئی۔ لیکن بہر حال ایسی نہیں ہوئی کہ جسے اچھی کہا جائے۔ یعنی بیمار کا حال ابھی بھی اچھا نہیں ہے۔

وہ لمحہ آ گیا

لیجیے ۱۷ر فروری کی تاریخ بھی آ گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ لمحہ بھی آ گیا جب ہم عمرہ کی ادائیگی کی غرض سے سوئے حرم روانہ ہوئے۔ نماز جمعہ اور کھانے سے فراغت کے بعد دو بجے ایئرپورٹ کے لیے گھر سے نکلے۔ بچوں نے ایئرپورٹ پر الوداع کہا اور ہم اپنا سامان لے کر سعودی ایئر لائنس کے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں سے فراغت کے بعد ہم امیگریشن کی قطار میں کھڑے ہو گئے۔ ہم جس کاؤنٹر پر پہنچے وہاں ایک ادھیڑ عمر کا شخص پاسپورٹ پر اسٹیمپنگ کر رہا تھا۔ وہاں بیٹھنے والے لوگ کس قدر تجربہ کار اور مردم شناس ہوتے ہیں اس کا اندازہ ہوا۔ اس نے نرمی سے پوچھا ''عمرہ کرنے جا رہے ہیں''۔ ہم نے اثبات میں جواب دیا۔ حالانکہ ہم نہ تو احرام میں ہیں اور نہ ہی کوئی دوسری شناخت ہے۔ دوسرے مسافروں کی طرح ہم بھی ہیں۔ لیکن اس کی تجربہ کار نظروں نے پہچان لیا۔ ایسا لگا کہ شاید وہ مسلمان ہے۔ ممکن ہے اسی لیے نرمی سے پیش آ رہا ہے۔ پھر سیکورٹی چیک ہوا۔ اس طرح ہم تمام قسم کے مرحلوں سے گزر کر بالآخر آزاد ہو گئے اور اب ہمیں گیٹ نمبر پندرہ پر جانا ہے جہاں سے ہم سعودی ایئر لائنس میں سوار ہوں گے۔

ہم لوگ ساڑھے چار بجے کے آس پاس گیٹ نمبر پندرہ پر پہنچ گئے۔ چونکہ ابھی

بورڈنگ میں کافی وقت ہے اس لیے چند افراد ہی بیٹھے ہیں۔ رفتہ رفتہ لوگوں کی آمد شروع ہوئی اور مسافروں کی تعداد بڑھنے لگی۔ برقع پوش خواتین بھی بڑی تعداد میں آگئیں۔ ہم نے یہی سمجھا کہ یہ سب لوگ بھی مدینہ جارہے ہیں۔ طبیعت ابھی بھی بہتر نہیں ہے۔ رہ رہ کے سردی لگ رہی ہے۔ لیکن یہ سردی ان شاء اللہ اب ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کیونکہ مقدس سرزمین پر حاضری دینے کے خیال نے دل و دماغ کو انتہائی فرحت بخش دی ہے اور حواس پر ایک سرور سا طاری ہوگیا ہے۔ ہم خیالوں میں مگن ہیں۔ کہنے کو تو ہم نئی دہلی کے ایئرپورٹ پر بیٹھے ہیں لیکن غائبانہ طور پر یا عالم تصور میں حجاز مقدس میں چہل قدمی کر رہے ہیں۔ بہر حال بورڈنگ کا وقت آگیا اور ہم لوگ جہاز میں سوار ہو گئے۔

ارے یہ کیا؟

ایئرہوسٹس اگر چہ پینٹ شرٹ میں ملبوس ہیں لیکن ان کا پورا جسم ڈھکا ہوا ہے۔ وہ انگریزی کے ساتھ ساتھ ہندوستانی بھی بول رہی ہیں۔ ساڑھے چھ بجے طیارے نے پرواز بھری۔ اس سے قبل اناؤنسر نے سفر کی دعا پڑھائی۔ یہ دعا سامنے کی نشست پر لگے ایک چھوٹے سے اسکرین پر بھی لکھی ہوئی نظر آئی۔ یہ فرق ہے سعودی ایئرلائنس اور دوسری ایئرلائنس میں۔ راستے میں ناشتہ اور کھانا پیش کیا گیا۔

ہم نے ہندوستانی وقت کے حساب سے پرواز کی۔ لیکن جہاز مقامی وقت کے مطابق رات میں ساڑھے نو بجے ریاض کے ایئرپورٹ پر اتر گیا۔ ہمارے ٹکٹ پر اس کا کوئی اندراج نہیں ہے کہ جہاز راستے میں رکے گا۔ اس لیے گھبراہٹ ہوئی۔ ہمیں بتایا گیا تھا اور ٹکٹ پر بھی درج تھا کہ جہاز رات میں ساڑھ گیارہ بجے مدینہ منورہ کے ایئرپورٹ پر اترے گا۔ ہم نے اپنے پڑوسی مسافر سے جو کہ اتر پردیش کے بریلی کا باشندہ ہے، اس بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ اِسے ریاض میں بھی رکنا ہے۔ وہ اور دوسرے بہت سے مسافر بھی جن کو ہم نے مدینہ کے راہی سمجھا تھا یہاں اترنے لگے۔ تمام برقع پوش خواتین بھی اترنے لگیں۔

اسی اثنا میں اس اعلان نے ہماری الجھن دور کر دی کہ ریاض کے مسافر یہاں اتریں گے اور جن مسافروں کو ہمارے ساتھ مدینہ جانا ہے وہ براہ کرم اپنی نشستوں پر تشریف رکھیں۔ جہاز یہاں ایک گھنٹہ رکے گا۔ ہم لوگوں کی سیٹ آگے کی طرف ہے۔ اب جو دیکھا تو پورا حصہ خالی ہو گیا ہے۔ بس اکا دکا لوگ ہی بچے ہیں۔ لیکن اٹھ کر ذرا ٹہلنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ پچھلے حصے میں کافی لوگ بیٹھے ہیں جن میں بہت سے احرام میں ملبوس ہیں اور بہت سی خواتین احرام والے اسکارف اوڑھے ہوئے ہیں۔ یہاں ایئر ہوسٹس کا تبادلہ ہوا۔ یعنی دہلی سے جو آئی تھیں وہ اتر گئیں اور نئے قافلے نے جہاز کے نظام کو سنبھال لیا۔

ایک گھنٹہ رک کر جہاز نے ساڑھے دس بجے پھر پرواز بھری اور مقامی وقت کے مطابق ساڑھے گیارہ بجے مدینہ منورہ کے ایئرپورٹ پر اتر گیا۔ جہاز رکنے کے پانچ سات منٹ بعد ہم نے مدینہ کی سرزمین پر قدم رکھا اور روحانی لذتوں سے ہمکنار ہوئے۔ ان لذتوں نے ہمیں سرشار کر دیا۔ ہم لوگوں کو ایئرپورٹ کے اندر بنے کاؤنٹروں کے سامنے ہانک کر قطار میں کھڑا کر دیا گیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جو سعودی شہری ہم لوگوں کو الگ الگ کاؤنٹروں پر جانے کے لیے ہانک رہا ہے وہ کوئی گڈریا ہے اور ہم لوگ بھیڑوں کے ریوڑ کا حصہ ہیں۔ کہیں کوئی ایک بھی بھیڑ ریوڑ سے الگ نہ ہو جائے، وہ سعودی شہری یا ایئرپورٹ کا ملازم اس بات کا خاص طور پر خیال رکھ رہا تھا۔

سب کاؤنٹروں کے سامنے لائنوں میں لگ گئے۔ ایک ایک مسافر نے اپنا امیگریشن کروایا۔ دہلی کے ایئرپورٹ کے مقابلے میں یہاں بڑی خاموشی ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ ہم کسی ایئرپورٹ پر نہیں بلکہ شہر سے دور کسی دور افتادہ اور ویران سے مقام پر کھڑے ہیں اور یہاں ہمارا امیگریشن ہو رہا ہے۔ امیگریشن والے انگلیوں کے نشانات اور آنکھوں کی تصویر لے رہے ہیں اور پاسپورٹ پر اسٹیمپ لگا رہے ہیں۔ مشین پر نوجوانوں کی انگلیوں کے نشان بہت جلد ثبت ہو جاتے ہیں جبکہ معمر افراد کے نشان جلدی اپنا عکس نہیں چھوڑتے۔ کاؤنٹر پر بیٹھے نوجوان نے عربی آمیز انداز میں بار بار ہمیں ہدایت

دی کہ ''دباؤ، دباؤ''۔ یعنی اپنی انگلیوں کو زور سے دباؤ۔ ہم تو کسی طرح فارغ ہو گئے۔ لیکن ہماری اہلیہ کو جو دوسرے کاؤنٹر پر تھیں زیادہ وقت لگ رہا ہے۔

ہم فارغ ہو کر وہاں پہنچ گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جو نوجوان انگلیوں کے نشان لے رہا ہے اس نے ہماری اہلیہ کی الٹی ہتھیلی کی پشت پر تین چار انچ چوڑا کاغذ جو کئی تہوں میں مڑا ہوا تھا، رکھے انگلیوں پر اپنا دباؤ بنا رہا ہے۔ شاید وہ ایسا اس لیے کر رہا ہے کہ کسی غیر محرم کی انگلیاں اس کی انگلیوں سے مس نہ ہو جائیں۔ یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی اور اچھا بھی لگا۔ وہاں سے دو قدم آگے بڑھے، یہاں سے سیڑھیوں سے نیچے اترنا ہے۔ یہاں ایک اہلکار بیٹھا ہوا یہ چیک کر رہا ہے کہ پاسپورٹ پر اسٹیمپ لگی ہے یا نہیں۔

یہاں سے نکل کر ہم اس جگہ آئے جہاں سامان آ رہا تھا۔ اپنا سامان لے کر اسکریننگ مشین سے گزارتے ہوئے جب ہم آگے آئے تو دیکھا کہ عملے کے ایک شخص نے ایک مسافر کا بیگ کھلوا رکھا ہے جس میں سے اس نے کئی شیشیاں نکال کر میز پر رکھی ہوئی ہیں۔ دراصل سعودی عرب میں منشیات کا لے جانا ممنوع ہے۔ ایسی بہت سی چیزیں بھی آپ نہیں لے جا سکتے جو کسی بھی طرح اس کے زمرے میں آتی ہوں۔ یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ جب ہم دہلی ایئرپورٹ پر اپنا سامان دے رہے تھے تو کاؤنٹر پر بیٹھی خاتون نے ہم سے پوچھا تھا کہ سامان میں پستہ وغیرہ تو نہیں ہے۔

دل فریب مناظر

جب ہم سوا بارہ بجے باہر پہنچے تو مولانا محمد شعیب کو اپنا منتظر پایا۔ ان کے ہمراہ ہمارے ہی گاؤں کے مولانا محمد افضل اور مولانا شعیب کے چھوٹے بھائی محمد اشرف بھی موجود ہیں۔ ان لوگوں سے مل کر جو خوشی ہوئی وہ ناقابل بیان ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ رہی کہ ہمارے ٹریول ایجنٹ نے بتایا تھا کہ مدینہ ایئرپورٹ پر اترنے کے بعد آپ ''شغادیف ٹریول'' کی بس کو تلاش کیجیے گا۔ اس کمپنی سے ہی ہمارا معاہدہ ہے اور اس کی کوئی نہ کوئی بس وہاں ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ اس کو اپنے کاغذات دکھایئے گا وہ آپ کو

آپ کے ہوٹل چھوڑ دے گی۔ ہم اس تردد میں تھے کہ رات کا وقت، اجنبی ملک، اجنبی زبان، کہاں نکل کر بس کو تلاش کریں گے۔ حالانکہ مولانا شعیب نے ہمیں بتا دیا تھا کہ ہم ایئرپورٹ پر موجود رہیں گے۔ اس کے باوجود دلِ مضطرب کو چین نہیں تھا۔ اسی درمیان مولانا محمد افضل اپنی گاڑی لے کر آ گئے اور ہم لوگ مولانا شعیب کے گھر کے لیے روانہ ہو گئے۔

رات کا وقت، مدینہ منورہ کی خوبصورت سڑکیں اور چکا چوندھ کر دینے والی روشنی۔ طبیعت پر ایک روحانی کیفیت طاری ہو گئی۔ تمام تر جسمانی کلفتیں دور ہو گئیں۔ مزاج میں خوشگواری آ گئی۔ کچھ دور چلے تو ہری روشنی والے بڑے ہی خوبصورت منارے نظر آئے۔ اس سے پہلے کہ ہم کچھ پوچھتے مولانا شعیب نے بتایا کہ وہ دیکھیے مسجد نبوی کے دل فریب منارے نظر آ رہے ہیں۔ بڑا خوش رنگ منظر ہے۔ ہم نے درود شریف کا ورد شروع کر دیا۔ طبیعت یہی چاہتی ہے کہ مسجد نبوی کے زیر سایہ رک کر کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہیں۔ لیکن چونکہ راستہ اس سے کچھ فاصلے پر ہے اور اس کے قریب جانے کی گنجائش نہیں ہے اس لیے دل مسوس کر رہ گئے۔ پھر اس خیال نے دل کو تسلی دی کہ کل دن میں مسجد نبوی کی زیارت تو کرنی ہی ہے۔ اشتیاق کا یہ عالم ہے کہ آج اور اسی وقت زیارت کر لی جائے۔ لیکن ہمارے میزبان ایک ڈیڑھ گھنٹے سے ایئرپورٹ پر ہمارا انتظار کر رہے تھے اور ادھر مولانا شعیب کے بچے گھر پر منتظر ہیں۔ اس لیے دل کو تسلی دیتے ہوئے ہم آگے بڑھ گئے۔ مولانا شعیب کا گھر مسجد نبوی سے زیادہ دور نہیں ہے۔ پیدل بمشکل پندرہ منٹ کی مسافت ہے۔ ان کے گھر سے مسجد نبوی کی اذان، اقامت اور نماز سب سنائی دیتی ہے۔ اس طرح وہ وسوسے اور اندیشے دور ہو گئے جو ہماری بیماری سے بار بار پیدا ہو رہے تھے۔ بالآخر قسمت نے یاوری کی اور ہم اس مقدس سرزمین پر پہنچ گئے جس کو دوبارہ دیکھنے کا خواب اپنے دل میں ایک عرصے سے پالے ہوئے تھے۔

ریل، میوزیم
اور ایک ننھا قافلہ

مدینہ منورہ میں ہماری پہلی صبح کا آغاز عالم اسلام کی ایک معروف اور مقتدر علمی شخصیت الشیخ دکتور عبد الباری بن فتح اللہ المدنی سے خوشگوار ملاقات سے ہوا۔ وہ مولانا محمد شعیب کے گھر ناشتے پر آئے تھے۔ وہ تقریباً ۲۳؍ برسوں تک ابو ظہبی امارات میں تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں اور اب جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ میں تقریباً آٹھ سال سے استاد حدیث ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ علامہ البانی سے بہت متاثر ہیں۔ علوم حدیث میں زبردست درک رکھتے ہیں۔ وہ ہندوستانی ہیں۔ ان کا وطن موضع دریاباد ضلع سنت کبیر نگر اتر پردیش ہے۔ ان سے میری زیادہ ملاقاتیں نہیں ہیں۔ لیکن اتنی بھی کم نہیں ہیں کہ میں ان کی علمیت اور ان کے مزاج سے واقفیت نہ رکھوں۔ دوسروں سے بھی ان کے بارے میں گاہے بگاہے کچھ نہ کچھ سننے کو ملتا رہتا ہے۔

جب ہم رات میں ایئر پورٹ سے آرہے تھے تو راستے ہی میں مولانا شعیب نے بتا دیا تھا کہ شیخ عبد الباری صاحب بھی اس وقت ریاض سے مدینہ آئے ہوئے ہیں۔ رات میں ان کی کہیں دعوت تھی۔ انھوں نے مولانا شعیب سے بھی چلنے کو کہا۔ جس پر انھوں نے کہا کہ میں نہیں جا سکتا کیونکہ میرے چچا عمرہ کرنے آرہے ہیں اور میں ان کو لینے ایئر پورٹ جاؤں گا۔ انھوں نے پوچھا کون سے چچا۔ انھوں نے جواب دیا سہیل انجم، جو دہلی میں رہتے ہیں اور صحافت کرتے ہیں۔ شیخ عبد الباری صاحب نے کہا کہ ہاں ہاں میں جانتا ہوں۔ وہ مولانا انجم صاحب کے بیٹے ہیں۔ مولانا شعیب نے ان سے

کہا کہ اگر آپ کل صبح میرے غریب خانے پر ناشتے پر تشریف لائیں تو یہ میرے لیے سعادت کی بات ہوگی۔ شیخ نے فرمایا کہ میں ضرور آؤں گا مگر ایک شرط ہے۔ انھوں نے پوچھا کون سی شرط۔ جواب ملا کہ سہیل انجم سے ملوانا پڑے گا۔ انھوں نے کہا کہ وہ تو ہمارے پاس ہی رہیں گے۔ آپ سے تو ملاقات ہوگی ہی۔

خوبصورت میوزیم کا دیدار

بہر حال ناشتے سے فراغت اور شیخ عبد الباری صاحب کے رخصت ہونے کے بعد عزیزم مولانا شعیب نے کہا کہ یہیں ہمارے گھر کے قریب مسجد ترکی اور ریل میوزیم ہیں۔ کیوں نہ چل کر دیکھ لیا جائے۔ ہم لوگ فوراً روانہ ہوگئے۔ چند قدم کے فاصلے پر مسجد ترکی موجود ہے۔ وہ ترک دور حکومت میں تعمیر ہوئی تھی اسی لیے اس کا نام مسجد ترکی ہے۔ پتھروں سے تعمیر کی گئی یہ چھوٹی سی مسجد بہت خوبصورت ہے اور یہاں موجود دوسری عمارتوں میں ایک امتیازی شان رکھتی ہے۔ اسی کے برابر سے مسجد نبوی کے نیچے واقع کار پارکنگ تک جانے کا راستہ بھی ہے۔ اسی لیے یہاں زبردست ٹریفک رہتا ہے۔

مسجد ترکی دیکھنے کے بعد ہم قریب میں واقع میوزیم دیکھنے گئے۔ یہ میوزیم دراصل ترک دور حکومت میں ریلوے اسٹیشن تھا۔ وہیں اس عمارت کے پس پشت ریل کی پٹری بھی موجود ہے۔ سیاہ رنگ کا ایک ڈبہ بھی کھڑا ہے۔ لیکن اس میوزیم میں ریلوے کی اشیا محفوظ نہیں کی گئی ہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک اور ان کے بعد کے ادوار کی بہت سی اشیا محفوظ کر دی گئی ہیں۔ جس جگہ ریلوے اسٹیشن تھا اسی جگہ ایک خوبصورت عمارت تعمیر کر کے اسے میوزیم کی شکل دی گئی ہے۔

دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی پہلے ایک بے حد خوبصورت ماڈل پر نظر پڑتی ہے جو اسی عمارت کا ہے۔ گراؤنڈ فلور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی پتھروں کی بہت سی اشیا رکھی ہیں۔ انھی میں اس دور کی ایک چکی بھی ہے جو خاصی بڑی اور موٹی ہے۔ اس کا حجم بہت زیادہ ہے۔ پہلی منزل پر پہنچے تو وہاں بہت سے کمروں میں تلواریں،

بندوقیں اور بہت سے آلات حرب وضرب سجے ہوئے ہیں۔ایک کمرے میں پیتل کا بنا ہواایک خوبصورت سا برنر ہے جوایک گول طشت میں فٹ ہے۔اس کے اوپری گول حصے میں بہت سے سوراخ ہیں۔ یہ برنر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں خوشبو بکھیر نے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ایک دوسرے کمرے میں ایک اسٹینڈ پر پیتل کا بنا Astrolab (اصطرلاب) رکھا ہوا ہے۔ یہ ایک مشینی گھڑی ہے۔لغت کے اعتبار سے اصطرلاب ایک ایسا آلہ ہوتا ہے جس کی مدد سے سورج اور ستاروں کا سمندر سے ارتفاع معلوم کیا جاتا ہے۔آسان زبان میں کہیں تو اس مشینی گھڑی سے وقت کا تعین کیا جاتا تھا۔اس کے برابر اور نیچے صراحیاں رکھی ہوئی ہیں جن سے مسجد نبوی میں آنے والے مہمانوں کو پانی پلایا جاتا تھا۔

برابر میں ایک اور اسٹینڈ پر ایک بڑا سا مثلث یا Triangular رکھا ہوا ہے۔ اس کا بھی استعمال وقت معلوم کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ دنوں اور مہینوں کا حساب لگانے کے لیے ایک مینوئل کیلنڈر بھی سجا ہوا ہے۔اس میں سات چرخیاں لگی ہوئی ہیں اور ہر چرخی میں دن اور مہینے لکھے ہوئے کاغذات لپٹے ہوئے ہیں۔ کاغذ ایک چرخی سے نکل کر دوسری چرخی میں لپٹ رہا ہے۔ان پر دن اور مہینے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں۔

پلاسٹک کے ایک چھوٹے سے بکس میں خلفائے راشدین کے زمانے کے درہم رکھے ہوئے ہیں۔ یہ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفانؓ سے منسوب قرآن کریم کا ایک نسخہ ہے جو ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔ یہ فوٹو کاپی ہے۔اس کا اصل نسخہ استنبول کے ایک میوزیم میں رکھا ہوا ہے۔ یہ کچھ اور سکے ہیں، کچھ پیالیاں ہیں، کچھ کٹورے ہیں۔انہی میں خوشبو اکٹھا کرنے کے برتن بھی ہیں۔ یہ حضرت عثمان بن عفان کے دور کی تلوار اور ڈھال ہے۔ یہیں پر آٹھویں ہجری کی اشیا بھی رکھی ہوئی ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے علاوہ بعد کے ادوار کے لباسوں کے نمونے بھی موجود ہیں جن میں خواتین کے بہت سے لباس ایسے ہیں جن پر کشیدہ کاری کی گئی ہے۔موجودہ دور کے بھی کچھ لباس ریکوں میں سجے ہوئے ہیں۔ مجموعی طور پر

اس میوزیم میں قدیم و جدید کی اشیا بڑے ہی سلیقے سے رکھی ہوئی ہیں جو زائرین اور سیاحوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرتی ہیں۔

ہمیں دلی ہی میں گروپ لیڈر مسٹر سعد کا سعودی عرب کا نمبر دے دیا گیا تھا۔ میوزیم سے واپسی کے بعد ہم نے ان سے رابطہ قائم کیا تو انھوں نے بتایا کہ قافلہ دو بجے ہوٹل ''سما الماسی'' پہنچ جائے گا جو کہ مسجد نبوی سے بالکل متصل ہے۔ آپ لوگ اسی وقت آجایئے گا۔ ہم لوگ تین بجے ہوٹل پہنچے۔ قافلہ موجود ہے مگر ابھی کمرے نہیں ملے ہیں۔ وہاں پہلے سے ہی کوئی گروپ قیام پذیر تھا جو اب نکل کر جا رہا ہے۔ اس کے بعد صفائی وغیرہ کے بعد کمروں میں شفٹ کیا جائے گا۔ ہوٹل میں کمرہ ملتے ملاتے شام کا وقت ہو گیا۔ سامان رکھ کر مسجد نبوی گئے جہاں مغرب اور عشا کی نماز ادا کی گئی۔ واپس آئے تو فرسٹ فلور پر دیکھا کہ کھانے کی میز لگی ہے اور اس پر کھانا رکھا ہوا ہے۔ دو تین قسم کے سالن، روٹی، چاول اور میٹھا بھی ہے۔ چائے بھی موجود ہے۔ کھانے سے فراغت کے بعد ہم اپنے کمرے میں گئے۔ یہ رات ہم نے ہوٹل میں گزاری۔

ایک مہذب اور ملنسار جوڑا

ہمارے کمرے میں ایک جوڑا اور ہے جو پرانی دہلی سے تعلق رکھتا ہے۔ دونوں نوجوان ہیں۔ ان کے نام محمد شان اور ان کی اہلیہ اسماء ہیں۔ شان مٹیا محل جامع مسجد کی مشہور مٹھائی کی دکان ''کلن سویٹس'' والوں کے بیٹے ہیں۔ یہ دونوں ماشاء اللہ بہت ہی مہذب، ملنسار، خلیق اور معاون ہیں۔ اس کمرے میں قیام پذیر ہونے کے بعد وہاں کے باتھ روم میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ لہٰذا ان دونوں نے ذمہ داروں سے کہہ کر کمرہ تبدیل کروالیا۔ ہم چونکہ وہاں موجود نہیں تھے، بلکہ ہم مولانا شعیب کے یہاں قیام پذیر تھے، اس لیے انھوں نے ہمارا سامان بھی اٹھا کر اسی دوسرے کمرے میں سیٹ کر دیا۔ حالانکہ وہ کمرہ دوسری طرف تھا اور کسی اور منزل پر تھا۔ جب ہم ہوٹل گئے تو سعد صاحب نے بتایا کہ آپ کا کمرہ تبدیل ہو گیا ہے۔ ان کے بتائے ہوئے کمرے میں گئے تو وہاں

اپنا سامان بھی پایا۔اس پر ہم نے شان صاحب کا شکریہ ادا کیا جس پر انھوں نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ کہا کہ ارے انکل آپ کیسی باتیں کرتے ہیں، یہ تو ہمارا فرض تھا۔ آپ کو اور بھی تعاون کی ضرورت ہوگی تو بتایئے گا، ہم حاضر ہیں۔ انھوں نے اس کا پاس و لحاظ بھی رکھا اور مدینہ سے مکہ جاتے وقت اور مکہ سے دہلی آتے وقت ہمارے سامان کی اور خاص طور پر آب زم زم وغیرہ کی پیکنگ میں انھوں نے بڑی مدد دی۔ انھوں نے لگیج کے وزن اور بعض دوسرے معاملات میں کئی مفید مشورے بھی دیے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو سلامت اور خوش وخرم رکھے۔ آمین۔ دونوں مذہبی جذبات کے حامل ہیں۔ شان صاحب نے تو مدینہ میں کئی روزے رکھے۔ انھوں نے تمام نمازیں مسجد نبوی ہی میں ادا کیں اور باجماعت ادا کیں۔ ان کے دل میں پورا مدینہ شہر اور تمام زیارت گاہیں گھومنے پھرنے کی ایسی شدید خواہش تھی کہ ان کا بس چلتا تو وہ بغیر پورا شہر دیکھے واپس نہیں آتے۔ یہ کمرہ مسجد نبوی کے رخ پر ہے۔ اس کی کھڑکیوں سے مسجد کا دیدار ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ رات میں تو بڑا ہی دلفریب منظر ہوتا ہے۔ اسماء تو اکثر ان مناظر سے لطف اندوز ہوتی رہیں۔

اس نے تو بن مانگے جھولی بھر دی

یہاں یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ ہمارا گروپ جو مکہ ہوتا ہوا مدینہ آیا ہے اس نے ایک عمرہ کرلیا ہے۔ لیکن چونکہ ہم مکہ کے بجائے براہ راست مدینہ آئے ہیں اس لیے ہمارا ایک عمرہ چھوٹ گیا ہے، ہم ایک عمرے سے محروم ہو گئے ہیں۔ ہم گھر سے جب چلے تھے تو یہی سوچ کر چلے تھے کہ چونکہ ہم تین روز تاخیر سے روانہ ہوئے ہیں اس لیے جہاں باقی سب لوگ دو دو عمرے کریں گے وہیں ہمارا ایک ہی عمرہ ہوگا۔ ہم قسمت پر شاکر تھے کہ جو لکھا ہے وہی ہوگا۔ یہی کیا کم ہے کہ ہم ایک عمرہ تو کرلیں گے۔

لیکن تقدیر کا کچھ اور ہی فیصلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر مانگے ہی ہماری جھولی بھر دی۔ وہ ہمیں اس عمرے سے بھی محروم رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ ہمارے ساتھی دو دو عمرے کریں اور ہم ایک ہی پر قناعت کریں۔ لہٰذا اللہ نے عزیزم شعیب کے

دل میں یہ بات ڈال دی کہ تم ان لوگوں کو لے کر مکہ چلے جاؤ اور عمرہ کر آؤ۔ انھوں نے بتایا کہ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ ہمارا ایک ہی عمرہ ہوگا تو اسی وقت انھوں نے مکہ جانے اور عمرہ کرنے کا پلان بنالیا تھا۔ ۱۹/ تاریخ کو مسجد نبوی میں ظہر کی نماز ادا کی گئی اور اس کے بعد مولانا شعیب کے گھر روانہ ہو گئے۔ ان کے یہاں ہمارے ہی گاؤں کی ایک لڑکی بھی ٹھہری ہوئی ہے جو ہمارے پڑوسی مولانا عزیز اللہ کی بیٹی ہے۔ اس کا شوہر شاہ فیصل مدینہ میں سروس کرتا ہے۔ اس نے اسے عمرہ پر بلایا ہے۔

نماز مغرب کے کچھ دیر بعد یعنی تقریباً ساڑھے سات بجے ہم لوگ احرام باندھ کر عمرہ کے لیے نکلے۔ اس ننھے قافلے میں ہم، ہماری اہلیہ، مولانا شعیب، ان کی اہلیہ یعنی ہماری بھتیجی اور ان کے دو چھوٹے بچے تقریباً چار سال کی بیٹی شفق اور تقریباً دو سال کا بیٹا فواز اور شاہ فیصل اور ان کی بیوی۔ یعنی بچوں کو لے کر آٹھ افراد کا یہ ننھا سا قافلہ روانہ ہو گیا۔ شاہ فیصل نے ایک بڑی گاڑی کرائے پر لے لی ہے۔ چونکہ وہ ڈرائیور ہیں اس لیے بغیر ڈرائیور کی گاڑی لی ہے۔ وہ خود ڈرائیو کر رہے ہیں۔

ہم لوگ رات کے تقریباً ساڑھے بارہ بجے مکہ میں داخل ہو گئے۔ مسجد عائشہ سے پہلے سے ہی حرم شریف کا فلک بوس کلاک ٹاور نظر آنے لگا۔ اسے دیکھ کر ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ہم حرم شریف کو دیکھ رہے ہیں۔ وہاں سے لے کر حرم شریف تک پہنچنے میں کئی بار ٹاور نظر آتا ہے۔ کبھی دائیں تو کبھی بائیں اور کبھی سامنے۔ ایک بجے کے آس پاس ہم لوگ حرم شریف کے قریب پہنچ گئے۔ ایک جگہ گاڑی پارک کر کے قریب میں واقع ایک ہوٹل میں جا کر ایک بڑا سا کمرہ لیا گیا جس میں پانچ بیڈ تھے۔ وہاں سامان وغیرہ رکھنے کے بعد کمرے میں آویزاں ٹی وی پر دیکھا کہ حرم شریف میں طواف کا منظر لائیو آرہا ہے اور بہت کم بھیڑ ہے۔ ہم لوگ اسی وقت حرم کے لیے نکل گئے۔

عجیب وغریب کیفیت

ہم صفا کی طرف سے ملک عبد العزیز گیٹ سے حرم شریف میں داخل ہوئے۔

تھوڑی دور چلے ہوں گے کہ خانۂ کعبہ نظر آ گیا۔ ہم لوگوں نے دعائیں پڑھنی شروع کر دیں۔ خانۂ کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی دل کی عجیب حالت ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر پہلی نظر پڑتے ہی جو دعا مانگی جائے وہ مستجاب ہوتی ہے۔ لیکن اس سادہ سے مکان میں جانے کیا کشش ہے کہ پہلی بار اس کو دیکھتے ہی زائرین اپنے ہوش و حواس کھو دیتے ہیں۔ دعائیں بھول جاتے ہیں اور ایک عجیب و غریب کیفیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہم لوگوں کی بھی عجیب کیفیت رہی۔ کعبہ کے اوپر مزین سیاہ غلاف میں ایسا جادو ہے کہ نگاہیں وہیں ٹھہر جاتی ہیں۔ دل و دماغ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد حواس درست ہوتے ہیں اور زائرین سنبھل پاتے ہیں۔

اس وقت رات کے دو بجے ہیں۔ طواف کرنے والے بہت کم ہیں۔ ہم لوگوں نے بھی طواف کا آغاز کیا۔ دو ننھے بچے بھی ہم لوگوں کے ساتھ طواف کر رہے ہیں۔ یہاں پانچ پانچ سات سات سال کے بچے بھی احرام میں دکھائی دیتے ہیں جو اپنے والدین کی انگلیاں تھامے طواف اور سعی میں مشغول نظر آتے ہیں۔ دو سفید چادروں میں ملبوس یہ بچے بڑے ہی دلکش اور پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ بالکل ایسا لگتا ہے کہ جیسے ننھے فرشتے حرم شریف میں اتر آئے ہیں اور انسانوں کے درمیان آ کر وہ بھی طواف کر رہے ہیں۔ ۲۵ رمنٹ میں ساتوں شیوط مکمل ہو گئے۔

ہم نے اپنے سفرنامۂ حج میں اس کیفیت کا ذکر کیا ہے کہ جب کوئی زائر طواف کرنے پہنچتا ہے تو اس پر کیا گزرتی ہے۔ دراصل یہاں ہر انسان خود فراموشی کے جام پیے ہوتا ہے۔ وہ خود آگاہی کی کیفیت سے باہر آ کر خدا آگاہی کے مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ صرف اپنے رب کا بندہ رہ جاتا ہے۔ نہ کوئی مرد ہوتا ہے نہ کوئی عورت۔ کسی کے دل میں کوئی دنیاوی خیال نہیں آتا۔ نفس تو بالکل مردہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ صرف روح بیدار رہتی ہے۔ یا پھر دل دھڑکتا رہتا ہے۔ اس کی دھڑکنوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کی عجیب و غریب حالت ہوتی ہے۔ سب صرف اور صرف عبد ہوتے ہیں۔ اس کے عبد جس کے گھر کا طواف کرنے کے لیے وہ دور دراز کا سفر کر کے پہنچے ہیں۔ اس وقت ہر زائر

کی بس ایک ہی کیفیت ہوتی ہے۔یعنی وہ یہاں تنہا ہو جاتا ہے۔بس وہ ہوتا ہے اور اس کا رب ہوتا ہے۔ وہ یوں تو طواف کر رہا ہوتا ہے لیکن حقیقتاً وہ اپنے رب سے سرگوشیاں کرتا ہے، اس سے باتیں کرتا ہے، اس کے حضور میں خود کو گم کر دیتا ہے۔

ہم نے آج بھی اسی کیفیت میں خود کو مبتلا پایا۔ ہم ہیں اور ہمارا رب ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاتھوں میں ہماری اہلیہ کا ہاتھ ہے لیکن درحقیقت ہر زائر کے ہاتھ میں اس کے رب کا ہاتھ ہوتا ہے۔ وہ اسی کی رہنمائی میں اس کے گھر کا طواف کرتا ہے اور اسی کو دیکھتا اور نہارتا رہتا ہے۔

جب ہمارے ساتوں شیوط مکمل ہو گئے تو ہم اس کیفیت سے باہر آ گئے۔ ہم نے مقام ابراہیم کے سامنے دو رکعت نماز ادا کی۔ آب زم زم سے سیراب ہوئے اور پھر سعی کے لیے چل پڑے۔ گراؤنڈ فلور سے سعی کی گئی۔ یہاں بھی بہت کم لوگ ہیں۔ البتہ کبھی کوئی گروپ آ جاتا ہے تو ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں سعی مکمل ہو گئی۔ دونوں چھوٹے بچے تھک گئے ہیں اس لیے سوچا گیا کہ ہوٹل چلیں اور آرام کریں۔ صبح کے چار بج گئے ہیں اور کچھ دکانیں اب بھی کھلی ہیں جبکہ بیشتر بند ہیں۔ ہم لوگ حجام کی ایک دکان پر پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے بال کٹوانے والے موجود ہیں۔ میں نے حلق کروایا اور میرے دونوں ساتھیوں نے جو کچھ دن پہلے حلق کروا چکے تھے، بال چھوٹے کروائے۔ اس کے بعد ہم آرام کرنے کے لیے ہوٹل چلے گئے۔

عمرۂ اول کی ادائیگی

اور مدینہ واپسی

۲۰/فروری کو تقریباً بارہ بجے دن میں ہم لوگوں نے مکہ کا ہوٹل خالی کر دیا۔ اب مدینہ واپسی کا قصد ہے۔ عمرہ کرنے آئے تھے، وہ مکمل ہوگیا۔ مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے راستے میں ایک ہوٹل سے کھانا لیا گیا۔ یہاں ہم نے دیکھا کہ ہوٹل کے اندر دیوان بچھے ہوئے ہیں اور کئی لوگ ان پر بیٹھ کر کھانا تناول کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں ہوٹلوں میں اس طرح کھانا یہاں کی ثقافت کا ایک حصہ ہے۔ یہاں سے کھانا لے کر ہم لوگ مسجد عائشہ پہنچ گئے اور مسجد کے عقب میں واقع پارک میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔

مسجد عائشہ

یہاں بہت سے لوگ الگ الگ گروپ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ کچھ کھا پی رہے ہیں اور کچھ گفت وشنید میں مصروف ہیں۔ بہت سے لوگ احرام میں بھی نظر آئے۔ دراصل مسجد عائشہ حدود حرم سے عین باہر ہے۔ اس لیے کچھ لوگ یہاں آکر احرام باندھ لیتے ہیں اور پھر عمرہ کرنے چلے جاتے ہیں۔ جبکہ علماء کا خیال ہے کہ یہ معذور اور مجبور کا میقات ہے۔ عام حالات میں یہاں سے احرام باندھنا زیادہ درست نہیں ہے۔ احرام باندھنے کے لیے میقات جانا پڑے گا۔ جدہ کی طرف سے جانے والوں کا میقات یلملم ہے اور مدینہ کی طرف سے جانے والوں کا ذوالحلیفہ ہے۔ مسجد عائشہ نہیں ہے۔ بہر حال کھانے کے دوران دیکھا کہ اچانک دس بارہ بلیاں نمودار ہوگئیں جو وہیں پارک میں ٹہل

رہی تھیں۔ وہ بھی ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئیں۔ اب محسوس ہوتا ہے کہ بلیوں کا تو وہاں کے لوگوں سے عجیب اور قدیم ناطہ ہے۔ جبھی تو ایک جلیل القدر صحابی رسول کی کنیت ہی ابو ہریرہ یعنی بلیوں کے باپ پڑ جاتی ہے۔

مسجد عائشہ کا نام مسجد تنعیم بھی ہے۔ ۹ ہجری میں جب حضور اکرم ﷺ حج کے لیے تشریف لائے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ساتھ تھیں۔ مگر مخصوص ایام کی وجہ سے وہ طواف نہیں کر سکیں۔ جب حضورؐ تشریف لائے تو انھیں مغموم پایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ عائشہ پریشان نہ ہوں یہ عارضہ بنات آدم پر لکھا گیا ہے۔ حضور نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عائشہ کو ساتھ لے جائیں اور مقام تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ کر لیں۔

مکہ شہر کی مختلف شاہراہوں سے گزرنے کے دوران ہمیں جہاں ایک طرف جدید طرز تعمیر کی بلند و بالا عمارتیں اور مال نظر آ رہے ہیں وہیں کچھ قدیم مکانات بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ مکانات پرانی شکل وصورت میں جوں کے توں موجود ہیں۔ غالباً یہ کئی دہائی پرانے مکانات ہیں، یا ممکن ہے کہ صدیوں پرانے ہوں۔ ان کی بناوٹ اور ان کا طرز تعمیر قدیم دیہی مکانوں کی یاد دلا رہا ہے۔ لیکن ایک بات ناقابل فہم ہے کہ جہاں بہت سارے قدیم مکانات منہدم کر کے ان کی جگہوں پر شاندار کثیر منزلہ عمارتیں تعمیر کر دی گئی ہیں، وہیں ان کو کیوں چھوڑ دیا گیا ہے۔ کیا پرانے آثار برقرار رکھنے کے مقصد سے ایسا کیا گیا ہے یا پھر کوئی اور وجہ ہے؟

خیموں کا غیر آباد شہر

ہماری پہلے سے ہی یہ خواہش رہی ہے کہ جب بھی غیر ایام حج میں یہاں آنا ہوگا تو وادی منیٰ، مزدلفہ اور عرفات وغیرہ کی بھی سیر کریں گے۔ یہاں سے نکلے تو جمرات ہوتے ہوئے منیٰ میں داخل ہو گئے۔ دس سال قبل جب ہم نے حج کیا تھا تو جمرات پر منزلیں نہیں بنی تھیں۔ خالی میدان تھا۔ مگر اب کئی منزلیں بن گئی ہیں جس کی وجہ سے بھیڑ کنٹرول

میں رہتی ہے اور رمی کرنے میں آسانی رہتی ہے۔

یہاں سے ہم آگے بڑھے تو دیکھا کہ وادی منیٰ خالی پڑی ہے۔ حج کے موقع پر آٹھ ذی الحجہ کو احرام باندھ کر تمام حجاج منیٰ میں قیام کرتے ہیں۔ منیٰ حدود حرم کا حصہ ہے۔ یہ مکہ مکرمہ کے مشرق میں پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً ۲۰ مربع کلومیٹر ہے۔ یہ وادی حج کے موسم میں لاکھوں انسانوں سے آباد ہو جاتی ہے۔ تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ مگر اس وقت سناٹا ہے۔ لیکن اگر آپ نے حج کیا ہے اور آپ عالم تصور میں پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو آپ کو اس وقت بھی یہاں لاکھوں انسانوں کے سر نظر آئیں گے۔ چونکہ ہم نے اس وادی کو دو سفید چادروں میں ملبوس لاکھوں انسانوں سے آباد دیکھا ہے اور اس میں چار روز تک قیام کیا ہے اس لیے ہمیں انسان ہی انسان نظر آئے۔

مسجد خیف

وہ سامنے مسجد خیف ہے۔ یہ ایک وسیع اور شاندار مسجد ہے۔ اس کی فضیلت یہ ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی ہے۔ یہ مسجد وادی منیٰ کے آخری سرے پر اور خانۂ کعبہ کی جانب جانے والے راستے کے کنارے پر واقع ہے۔ اس کے اونچے مینار اس کی خوبصورتی کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ یہ مشاعر مقدسہ کی انتہائی اہم مساجد میں سے ایک ہے۔ یہ ۲۵ ہزار مربع میٹر کے رقبے میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں تقریباً ۴۵ ہزار افراد آسانی سے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ یہ جدید اسلامی عرب طرزِ تعمیر کا حسین شاہکار ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا تھا: ”انشاء اللہ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچیں گے تو خیف میں اتریں گے۔“ خیف اس جگہ کا نام ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔

ہماری گاڑی یہاں سے نکل کر میدان عرفات کی جانب چل پڑی۔ میدان عرفات سے قبل مزدلفہ پڑتا ہے۔ یہ وہی میدان ہے جہاں حاجی حضرات عرفات سے نکل کر آتے ہیں اور مغرب اور عشا کی نماز ایک ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ شیطان کو مارنے

کے لیے کنکریاں چنتے ہیں۔ کچھ دیر آرام کرتے ہیں اور بعد نماز فجر منیٰ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں دیکھا تو کنکریوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔

مسجد المشعر الحرام

مسجد مشعر الحرام مزدلفہ میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ چھ ہزار مربع میٹر ہے جس میں آٹھ ہزار افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ چمکدار پتھر سے اسے آراستہ کیا گیا ہے۔ مشعر الحرام کے معنیٰ مقدس نشان کے ہوتے ہیں۔ مشعر الحرام مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان واقع بلند مقام جبل قزح کو بھی کہتے ہیں۔ پورے مزدلفہ کو بھی مشعر الحرام کہا جاتا ہے۔

میدان عرفات

ہم یہاں سے نکلے تو عرفات پہنچ گئے۔ اس میدان کو بھی ہم نے لاکھوں انسانوں سے آباد دیکھا ہے اور آج یہ غیر آباد نظر آ رہا ہے۔ پہلے یہ ایک بہت وسیع چٹیل علاقہ تھا۔ کئی سال قبل اس علاقے میں درخت لگائے جانے لگے۔ جب ہم حج کرنے آئے تھے تو درخت لگانے کا ابتدائی زمانہ تھا۔ درخت چھوٹے چھوٹے تھے۔ انسانی قد سے ذرا سے بڑے۔ لیکن اب یہ کافی بلند ہو چکے ہیں۔ اب یہ چٹیل علاقہ نہیں رہ گیا بلکہ جگہ جگہ سایہ دار درختوں نے اس کی شکل بدل دی ہے۔

یہ میدان مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں تقریباً ۱۶ ر کلو میٹر کی مسافت پر جبل رحمت کے دامن میں واقع ہے۔ یہ شمالی جانب ایک پہاڑی سلسلے سے ملا ہوا ہے۔ یہ میدان حدود حرم سے باہر واقع ہے۔ مشرق تا مغرب یہ چوڑائی میں چار میل اور لمبائی میں سات تا آٹھ میل کے قریب ہے۔ یہ سال کے ۳۶۴ ر دن غیر آباد رہتا ہے اور صرف ایک دن یعنی ۹ ر ذی الحجہ کو آباد ہو جاتا ہے اور ایک عظیم الشان شہر بن جاتا ہے۔ جبل رحمت بھی یہیں پر ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بہت سے اولیائے کرام اور پیغمبر علیہم السلام تشریف لائے تھے اور خداوند کریم کے حضور سر جھکایا تھا۔ حاجی یہی کوشش کرتے ہیں کہ اسی کے قریب ڈیرے

ڈالیں۔ اللہ کے رسولؐ نے حجۃ الوداع میں جبل رحمت سے ہی خطبہ پیش فرمایا تھا۔

میدانِ عرفات میں ہی حضرت آدم و حوا نے جنت میں اپنی غلطی پر پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ سے توبہ کی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے انھیں معاف فرمادیا۔ دورانِ حج مسلمان ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو اسی پچھتاوے اور اللہ سے توبہ کی سنت کو ہر سال دوہرانے کے لیے جمع ہوتے ہیں اور اللہ کے حضور توبہ واستغفار اور عبادت کرتے ہیں۔

عرفات کی وجہ تسمیہ

عرفات کے نام کی تین توجیہات کی جاتی ہیں۔ اس کے تین قریب ترین معنیٰ ''پہچان'' کے ہیں اور تین ہی مختلف روایات ملتی ہیں۔ پہلی یہ کہ جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا جنت سے زمین پر اتارے گئے تو وہ ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سری لنکا کی ایک پہاڑی سرندیپ پر اترے تھے جہاں ان کے قدموں کے نشانوں کی روایت بھی ملتی ہے۔ اماں حوا کو جدہ کے مقام پر اتارا گیا تھا جہاں ان کی قبر بھی بتائی جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام روئے زمین پر خود کو تنہا محسوس کر رہے تھے۔ اس لیے وہ حوا کی تلاش میں نکل پڑے اور اسی عرفات کے میدان میں ان دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ یہاں دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔ دوسری توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مناسک حج سکھائے تھے جو انھوں نے جان لیے تھے۔ اسی جاننے کو ''عرفہ'' کہا جاتا ہے۔ اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس مقام پر لوگ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ واستغفار کرتے ہیں۔ روزِ محشر یہیں حشر برپا ہوگا اور دنیا کے تمام لوگ اللہ کو ''پہچان'' لیں گے۔

مسجد نمرہ

اسی میدان میں دیکھیے وہ مسجد نمرہ ہے۔ جس میں یوم عرفہ کو ظہر اور عصر کی نماز ایک

ساتھ ادا کی جاتی ہے۔اسے مسجد عرفہ اور جامع ابراہیم بھی کہتے ہیں۔اس کا تلفظ ''ن'' کے زبر اور ''م'' کے زیر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ نَمِرہ ایک پہاڑی ہے جو مسجد کے مغرب میں واقع ہے۔ یہ میدان عرفات کے مغربی گوشے میں وادی عرنہ سے پہلے ہے۔اس مسجد کی جو دیوار مکہ مکرمہ کی طرف پڑتی ہے وہ حرم اور میدان عرفات کے درمیان حد فاصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجیے کہ جہاں حرم کی حدود ختم ہوتی ہیں وہاں عرفات کی حدود شروع ہوتی ہیں۔ مسجد نمرہ کی تعمیر میں کئی امراء اور سلاطین نے حصہ لیا۔ یہاں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے ادا کی تھیں۔تب سے امیر الحج اسی جگہ وقوف کرتا رہا ہے۔

جانب سوئے مدینہ

بہر حال ان وادیوں سے نکل کر ہم مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔راستے میں رک رک کر چائے وغیرہ بھی پیتے رہے۔راستے کی دونوں طرف دور دور جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے خیمے اور مکانات اکا دکا نظر آرہے ہیں۔ یہ چراگاہیں ہیں۔دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ یہ وہ خیمے یا مکانات ہیں جو بکریاں چرانے والوں کے لیے بنائے گئے ہیں۔سعودی عرب میں بکریاں پالنے کا رواج ہے۔وہ عموماً عجمیوں کو بکریاں چرانے کے لیے ملازم رکھ لیتے ہیں۔ہم نے ایسے بہت سے واقعات سنے ہیں کہ فلاں نوجوان کو کسی اور کام کے لیے بلایا گیا مگر اسے بکریاں چرانے پر لگا دیا گیا۔ایسے نوجوان ہفتوں انسانوں کی شکل تک نہیں دیکھ پاتے۔ وہ بکریاں چراتے ہیں اور انہی مکانوں یا خیموں میں انتہائی خطرناک حالات میں رہتے ہیں۔اطراف میں نہ آدم نہ آدم زاد۔کھانے پینے کے مسائل الگ۔ان کے کفیل دو دو چار چار روز پر آتے ہیں اور کھانا وغیرہ لے آتے ہیں۔وہی کھانا کئی کئی دنوں تک چلتا ہے۔ وہ لوگ مہینے دو مہینے پر اپنے اہل و عیال کے ساتھ یہاں آتے ہیں اور پکنک مناتے ہیں۔اس طرح ہم لوگ رات میں آٹھ بجے مدینہ منورہ پہنچے اور اگلے روز مدینہ کے تاریخی مقامات کا پلان بنایا۔

زیارت مدینہ

اگلے روز یعنی ۲۱/فروری ۲۰۱۷ء کو ہم لوگ بعد نماز ظہر مدینہ کے اہم مقامات کی زیارت کے لیے نکل پڑے۔ مسجد قبا اور مسجد قبلتین گئے۔ مسجد قبلتین وہ مسجد ہے جو تحویل قبلہ سے موسوم ہے۔ قبلتین مسجد نبوی سے تقریباً چار پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں سے ہم مسجد قبا پہنچ گئے۔ یہ وہ مسجد ہے جسے اللہ کے رسولؐ نے ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے پر سب سے پہلے تعمیر کیا تھا۔ اگر کوئی اپنے گھر سے وضو کر کے آئے اور اس مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرے تو اس کا ثواب ایک عمرہ کے برابر ہے۔ مسجد کے دروازے پر اس تعلق سے ایک بورڈ بھی آویزاں ہے جس پر عربی اور انگریزی میں لکھا ہوا ہے۔ حجاج کرام اور زائرین یہاں ہر حال میں آتے ہیں اور دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ اس میں بھی آب زم زم کا انتظام ہے جس سے مصلی سیراب ہوتے ہیں۔ یہاں عورتوں کے لیے نماز ادا کرنے کی الگ جگہ ہے۔ ہم لوگوں نے دو رکعت نماز ادا کی اور باہر نکل آئے۔

اب اس مسجد کے پاس ایک قسم کا چھوٹا سا بازار لگنے لگا ہے۔ چھوٹی چھوٹی عارضی دکانیں لگی ہوئی ہیں۔ دیکھا تو کچھ لوگ خریداری میں مصروف ہیں۔ ہم لوگوں کو کچھ لینا نہیں تھا اس لیے آگے بڑھ گئے۔ یہاں سے نکلے تو کھجوروں کے باغات نظر آئے جنھیں دیکھ کر مجھے اپنے والد کے متعدد اشعار یاد آنے لگے۔

یہاں سے نکل کر جبل احد آ گئے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں جنگ احد ہوئی تھی اور جس میں اللہ کے رسولؐ کے ایک فرمان کی انجانے میں خلاف ورزی کی پاداش میں مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہار گئے تھے اور ۷۰/ سے زائد صحابہ شہید ہو گئے تھے۔ (اس جنگ کی تفصیل سابقہ صفحات میں آ چکی ہے)۔

کھجور، اسکارف اور نبی بوٹی

یہاں بھی ایک چھوٹا سا بازار لگا ہوا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس بازار میں زیادہ تر دکاندار خواتین ہیں۔ مسجد قبا کے پاس بھی خواتین دکاندار زیادہ نظر آئی تھیں۔ ان خواتین میں زیادہ تر پاکستانی اور بنگلہ دیشی ہیں جو اردو زبان میں آواز لگاتی رہتی ہیں۔ کسی خاتون نے ہماری اہلیہ سے نبی بوٹی لانے کی فرمائش کی تھی۔ یہاں نبی بوٹی بک رہی ہے۔ دس ریال میں ایک چھوٹی سی گڈی۔ جیسے پودینے کی گڈی ہو۔ دو گڈیاں لی گئیں۔ خاتون دکاندار بار بار اپنی جانب متوجہ کرتی ہیں۔ یہاں بہت سی اشیا ملتی ہیں جن میں کھجوروں کے علاوہ اسکارف اور کھلونے وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ بہت سے دکاندار عجوہ کھجور کی آواز لگا رہے ہیں۔ یہ کھجور کافی مہنگی ہوتی ہے۔ ہم نے مسجد نبوی کے پاس سوق التمر سے چالیس ریال فی کلو کے حساب سے خریدی تھی۔ بتاتے ہیں کہ اللہ کے رسول کو عجوہ بہت پسند تھی۔ اس میں دو قسم ہوتی ہے۔ ایک گٹھلی والی دوسری بغیر گٹھلی والی۔

حج اور عمرہ کے لیے آنے والے حضرات یہاں کے دیگر تاریخی اور مقدس مقامات کی بھی زیارت کرتے ہیں۔ بلکہ عمرہ پر لانے والے ٹور آپریٹرس پیکج میں زیارت کو بھی شامل کرتے ہیں۔ وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے اہم مقامات پر زائرین کو بذریعہ بس لے جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ انہی کی زبان میں تفصیلات بتانے والا ایک گائڈ بھی ہوتا ہے جو بس کے چلنے کے ساتھ ہی بولنا شروع کرتا ہے اور سفر کے اختتام پر چپ ہوتا ہے۔ وہ تاریخی مقامات کے بارے میں بہت کچھ بتاتا ہے جن میں کچھ حقائق ہوتے ہیں اور کچھ سنی سنائی باتیں ہوتی ہیں۔

یہاں سے نکل کر ہم ایک ایسی وادی کی زیارت کے لیے نکل پڑے جس کے بارے میں بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔ یہ حیرت انگیز مقام ''وادئ جن'' کہلاتا ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے ۳۵ کلومیٹر شمال مغرب میں واقع ہے۔ اس وادی تک جانے کے لیے جبل احد سے گزرنا پڑتا ہے۔ جبل احد مدینہ کا غالباً سب سے بڑا پہاڑ ہے۔ ہم گاڑی

سے کافی دیر تک اس کے کنارے کنارے چلتے رہے۔ اس کے بعد پرانی اشیاء کا ایک بہت بڑا مارکیٹ آتا ہے۔ اسے کباڑی بازار کہہ سکتے ہیں۔ یہاں ہر قسم کا سامان انتہائی سستی قیمت پر دستیاب ہے۔ ہم لوگوں نے ٹہل کر بازار دیکھا تو ہر قسم کا سامان نظر آیا۔

اس بازار سے گزرنے کے بعد کھجوروں کے باغات پڑتے ہیں۔ یہاں پھر مجھے مذکورہ بالا شعر یاد آنے لگا۔ انھیں باغات میں ایک باغ حضرت زبیر بن عوّام کا بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی تھی جس کے بعد صرف انہی کے باغ پر بارش ہوئی تھی۔ اس واقعہ کی یاد کو قائم رکھنے کے لیے باغ کے کنارے لب سڑک ایک مسجد تعمیر کر دی گئی ہے۔ یہاں سے کچھ دور آگے بڑھیے تو ایک چھوٹا سا تالاب پڑتا ہے۔ اس کے آگے ایک اور تالاب ہے جو قدرے بڑا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس سنگلاخ سرزمین پر دو دو تالاب کیسے بن گئے۔ ہم نے بڑے تالاب کے پاس گاڑی رکوائی اور اس کے ساحل پر جا کر بغور اسے دیکھا۔ ایسا لگا کہ وہ گہرا نہیں ہے۔ چھچھلا سا ہے۔ البتہ اس کے کناروں پر اور کچھ اس کے اندر بھی جھاڑ جھنکاڑ سے اُگ آئے ہیں۔

وادی جن یا وادی بیضہ

ان دونوں تالابوں کے بعد وہ پراسرار ''وادیٔ جن'' جس کا اصل نام وادی بیضاء ہے، شروع ہو جاتی ہے۔ اس وادی کے بارے میں متعدد کہانیاں مشہور ہیں۔ یہاں یہ بھی بتاتے چلیں کہ اب ٹور آپریٹرس معتمرین کو اس وادی تک نہیں لاتے۔ کہا جاتا ہے کہ حکومت نے اس پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پہنچ کر بہت سے لوگ بدعات و خرافات میں مصروف ہو جاتے تھے۔ البتہ لوگ پرائیویٹ گاڑیوں سے آتے ہیں۔

ہم مذکورہ دونوں تالابوں سے گزرتے ہوئے اس وادی میں داخل ہو گئے۔ تالابوں کے پاس سے ہی ہلکی سی ڈھلان شروع ہو جاتی ہے جو وادی کے عین وسط میں جا کر ختم ہوتی ہے۔ سڑک آگے تک گئی ہے اور وسطی حصے کے بعد ہلکی سی چڑھائی شروع ہو

جاتی ہے۔بس یہی علاقہ زائرین کی دلچسپی کا مرکز ہے۔ مقامی اور غیر مقامی افراد یہاں آتے ہیں اور شام کے وقت پکنک کا سماں ہوتا ہے۔ کوئی خاندان کہیں چادر بچھائے بیٹھا ہے تو کوئی کہیں چٹائی بچھائے بیٹھا ہے۔ ہم چونکہ دوپہر کے وقت پہنچے ہیں اس لیے بس چند گاڑیاں ہی ہیں۔ البتہ سڑک کی دونوں طرف آئس کریم کی گاڑیاں کھڑی ہیں۔

اس وادی کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں جن آباد ہیں۔ یہاں گاڑی کے انجن کو بند کر کے چھوڑ دیجیے تو گاڑی الٹی جانب جو کہ چڑھائی پر ہے اپنے آپ چلنے لگتی ہے اور اگر آپ گاڑی کا رخ موڑ کر جدھر سے آئے ہیں ادھر کر لیجیے تو گاڑی از خود سو سوا سو کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے لگتی ہے۔ ہم نے بھی یہ تجربہ کیا۔ جب ہم یہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص جو کہ فیملی کے ساتھ آیا ہوا ہے وسطی حصے پر پانی گرا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ پانی نشیب کی طرف جانے کے بجائے چڑھائی کی طرف جا رہا ہے۔ ہمارے ڈرائیور شاہ فیصل نے کہا کہ میں آپ کو دکھاتا ہوں کہ ہماری گاڑی کس طرح پیچھے کی جانب چڑھائی پر اپنے آپ چڑھتی ہے۔ ہم گاڑی میں بیٹھے رہے۔ انھوں نے انجن بند کر دیا۔ پھر کیا دیکھتے ہیں کہ واقعی گاڑی پیچھے کی طرف رینگنے لگی۔

بہر حال کچھ دیر کے بعد ہم لوگوں نے واپسی کا قصد کیا۔ جب ہماری گاڑی یوٹرن لے کر واپس جانے کو تیار ہوئی تو اس کے انجن کو بند کر دیا گیا۔ ڈرائیور نے دونوں پیر اپنی طرف سمیٹ لیے اور صرف اسٹیئرنگ کو سنبھالے رکھا۔ ہم نے دیکھا کہ گاڑی نے رینگنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ اس کی اسپیڈ بڑھنے لگی جو بڑھ کر ایک سو بیس کلو میٹر فی گھنٹہ تک پہنچ گئی۔ یہ سلسلہ کئی کلو میٹر تک جاری رہتا ہے۔ اس بارے میں جیسا کہ بتایا گیا بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ جن حضرات نہیں چاہتے کہ یہاں انسان آئیں اور ٹھہریں۔ اسی لیے وہ گاڑیوں کو دھکا دے کر مدینہ کی طرف پہنچا دیتے ہیں۔ یہ وادی ایک پیالے کی طرح ہے اور جہاں پر اسرار واقعہ انجام پاتا ہے وہ اس کی مرکزی جگہ ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ وادی انڈے کی شکل کی ہے۔ اسی لیے اس کا اصل نام وادی بیضہ ہے۔ لیکن ہندوستانیوں اور پاکستانیوں نے اس کا نام وادی جن رکھ دیا ہے اور اب یہ

وادی اسی نام سے مشہور ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر گاڑیاں از خود کیسے چلنے لگتی ہیں۔ کیا واقعی جن انھیں دھکیلتے ہیں۔ اس سلسلے میں ماہرین ارضیات کا کہنا ہے کہ اس کا جنوں سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہاں کشش ثقل اس انداز کی ہے کہ گاڑی چڑھائی کی طرف اپنے آپ بڑھنے لگتی ہے۔ در اصل یہاں مقناطیسی پہاڑ (Magnetic Hills) ہیں۔ ان پہاڑوں کو گریوِیٹی ہلز Gravity Hills بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سیاہی مائل پہاڑ نظروں کو دھوکے میں ڈالتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے ''التباس بصارت'' پیدا ہوتی ہے۔ اس کو انگریزی میں Optical illusion کہا جاتا ہے۔ فارسی میں اسے ''خطائے دید'' کہتے ہیں۔ یعنی ان پہاڑوں کی مقناطیسیت کے باعث اشیاء اپنی حقیقی صورت میں نظر نہیں آتیں اور وہ علاقہ فریب نظر پیدا کر دیتا ہے۔

نظروں کو فریب دینے والے ایسے پہاڑ صرف وادی جن یا وادی بیضہ ہی میں نہیں ہیں بلکہ دنیا کے بہت سارے مقامات پر موجود ہیں۔ خود ہندوستان کے دو علاقوں میں ایسے پہاڑ ہیں۔ ایک لیہہ سے تقریباً ۵۰ کلومیٹر دور سمندر سے گیارہ ہزار فٹ کی اونچائی پر موجود لیہہ کارگل سری نگر ہائی وے پر ہے اور دوسرا گجرات کے علاقہ تلسی شیام ضلع امریلی میں ہے۔ یہ پہاڑ نظروں کو فریب میں مبتلا کر دیتے ہیں اور سڑک کی ڈھلان کو اونچائی ظاہر کرتے ہیں۔ اس وادی کا بھی یہی معاملہ ہے۔ لیکن کمزور عقائد کے لوگوں نے اسے جنوں سے وابستہ کر کے بہت سی کہانیاں مشہور کر دی ہیں۔

گنبد خضرا کے سائے میں

اس دوران جب بھی موقع ملتا ہم مسجد نبوی اور ہوٹل سما الماسی چلے جاتے۔ ہوٹل مسجد نبوی کے باب السلام کی طرف ہے اور بالکل مسجد سے متصل ہے۔ اس کے سامنے کی ایک بڑی سی جگہ کو بھی مسجد میں شامل کر لیا گیا ہے۔ لیکن ابھی اس میں نماز نہیں ہو رہی ہے۔ ابھی اس کی تزئین کاری کی جا رہی ہے۔ اس حصے اور مسجد کے درمیان گیٹ ہے۔ اسی حصے میں مسجد ابو بکر اور مسجد غمامہ ہیں۔

اس کے جنوب میں سڑک ہے جو مسجد نبوی میں لے جاتی ہے۔ وہیں ایک پتلا سا راستہ بھی ہے جو دوسری طرف سے ہوٹل سما الماسی کی طرف جاتا ہے۔ اس راستے پر چھوٹی چھوٹی دکانیں ہیں جہاں زائرین کے استعمال اور دلچسپی کی عام اشیا مل رہی ہیں۔ یہیں مسجد علی ہے۔ اہل تشیع کی یہاں بھیڑ لگی رہتی ہے۔ ایام حج میں یہاں زیادہ ازدحام ہوتا ہے۔ ہوٹل میں جو کمرہ ہمیں ملا ہے اس کی کھڑکی سے مسجد نبوی سامنے نظر آتی ہے۔ شب میں بڑا ہی خوش رنگ منظر ہوتا ہے۔ مسجد ابو بکر اور مسجد غمامہ کے برابر میں ایک سڑک ہے۔ اس کو عبور کیجیے تو سوق التمر یعنی کھجوروں کے بازار میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس بازار میں جب بھی جایئے خریداروں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ اگر آپ مول بھاؤ نہیں کریں گے تو آپ کو زیادہ قیمت دینی پڑے گی۔

یہیں مسجد غمامہ ہے جو کہ مسجد نبوی کے قریب باب السلام کی جانب واقع ہے۔ روایات کے مطابق یہ وہ متبرک مسجد ہے جہاں آپؐ نے ایک مرتبہ سخت دھوپ میں جب مدینہ قحط سے دوچار تھا اور انسان، جانور اور درخت سب سوکھ گئے تھے، نماز استسقا پڑھائی تھی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بارش کی، دعا کی تھی۔ دوران دعا بادل کا ایک ٹکڑا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سایہ فگن ہوگیا۔ فوری طور سے مدینہ میں بارش شروع ہوگئی اور پورا مدینہ ہرا بھرا ہوگیا۔ اس واقعہ کے وقت آپ کے نوعمر نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اس واقعہ کی مناسبت سے اس مقام پر بنائی جانے والی اس مسجد کا نام ''مسجد غمامہ'' رکھا گیا۔ عربی میں غمامہ ''بادل'' کو کہتے ہیں۔ آپ نے یہاں عید کی نمازیں بھی پڑھی ہیں اور قربانی کے اونٹ اور بھیڑیں بھی نحر یعنی قربان کی ہیں۔

مسجد غمامہ کے مقام پر آپؐ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی جو آپؐ سے بہت محبت کرتا تھا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکا تھا، موت کی خبر بھی اسی دن لوگوں کو دی جس دن اس کا انتقال ہوا تھا۔ آپ نے اسی مقام پر نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھائی تھی۔

پاس ہی میں مسجد ابو بکر ہے جو کہ ان مقامات میں شمار ہوتی ہے جہاں حضور اکرم ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہے۔ یہ مسجدم غمامہ کے شمال مغرب میں چالیس میٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور مسجد نبوی کی توسیعی عمارت سے متصل ہے۔ اسے مسجد ابو بکر صدیق اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے دور خلافت میں یہاں نماز ادا کی تھی۔

یہیں مسجد علی ہے۔ یہاں بھی حضور اکرمؐ نے نماز ادا کی تھی۔ یہ مسجد ابو بکر صدیق کے شمال میں واقع ہے۔ مسجد غمامہ سے ۱۲۲ ر میٹر دور ہے۔ ہوٹل سما الماسی کے بالمقابل جو توسیع ہو رہی ہے یہ اس کے برابر میں واقع ہے۔ البتہ اس کے اور توسیع کے درمیان دیوار حائل ہے اور اس کے قریب ہی چھوٹا سا مارکیٹ ہے۔ اس مقام پر حضرت علی نے عید کی نماز پڑھائی تھی۔ بعد میں اس مقام پر ان کے نام سے مسجد تعمیر کرائی گئی۔ نہ صرف یہ مساجد بلکہ یہ پورا علاقہ بہت متبرک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے جڑے بہت سے تاریخی واقعات نے اس پورے خطے کو متبرک بنا دیا ہے۔ تھوڑی مسافت پر مسجد بلال ہے۔ یہ مدینہ میں کافی مشہور ہے۔ حالانکہ اس کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے جس شخص نے تعمیر کرایا تھا اس کا نام بلال تھا۔

ریاض الجنہ

چونکہ ہمارا قیام مسجد نبوی سے کچھ مسافت پر اپنے عزیز کے یہاں ہے اس لیے ہم عام طور پر دوپہر کے کھانے کے بعد مسجد نبوی میں آتے ہیں۔ عصر، مغرب اور عشا کی نماز ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد واپس جاتے ہیں۔ جب ہوٹل میں رات میں قیام کرتے ہیں تو ظاہر ہے نماز فجر بھی مسجد نبوی میں ادا ہوتی ہے۔ دوسرے روز ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جا کر سلام پیش کیا۔ ریاض الجنہ میں نماز ادا کرنے کی خواہش پوری نہیں ہوئی۔ جب بھی گئے زبردست بھیڑ نے ہمارا استقبال کیا۔ چونکہ طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی اس لیے زیادہ جدوجہد کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

ریاض الجنہ کی افضلیت کے بارے میں لوگوں سے قسم قسم کی باتیں سننے کو ملتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ جس نے اس میں نماز ادا کر لی وہ جنت میں چلا گیا۔ کوئی کہتا ہے کہ مصلی نے جس قالین پر نماز ادا کی قالین کا وہ ٹکڑا اس کو اپنے ساتھ جنت میں لے جائے گا۔ لیکن علماء کا خیال ہے کہ اس میں نماز ادا کرنے کا کوئی اضافی ثواب نہیں ہے۔ البتہ اللہ کے رسولؐ نے اسے جنت کا ٹکڑا کہا ہے۔

''تاریخ مدینہ منورہ'' (غالی محمد الامین الشنقیطی، مترجم ڈاکٹر شمس کمال انجم) کے مطابق جس جگہ اللہ کے رسول ﷺ کا جسد مبارک ہے وہ مطلقاً سب سے افضل و بہتر جگہ ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس سے متصل جو جگہ ہے وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔ لیکن اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس سے یہ مراد ہے کہ قیامت کے دن اس جگہ کو کاٹ کر جنت میں رکھ دیا جائے گا۔ یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے اس میں عبادت کی اسے قیامت کے روز جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری عطا کی جائے گی۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا میں علم و معرفت حاصل کرنے کی جگہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے یہیں علم و معرفت حاصل کی گئی اور قیامت کے روز یہ جنت کی ایک کیاری بنا دی جائے گی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ابن نجار اور علامہ سمہودی کا خیال

ہے کہ اس حدیث کو اس کے ظاہری مفہوم پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی یہ جگہ درحقیقت جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اور اسے قیامت کے روز جنت میں منتقل کر دیا جائے گا۔ یہ دوسری زمینوں کی طرح نہیں جو ختم اور فنا ہو جائیں گی۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ذکر واذکار سے انسان کو قلبی راحت اور سرور حاصل ہوتا ہے۔ ذکر کرنے والا شخص جیسے جنت کے باغیچے میں ہو۔ یا اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں کی عبادت حصول جنت کا باعث ہے۔

صفہ

صفہ ان غریب و نادار مہاجرین کا ماویٰ و ملجا اور مسکن تھا جن کا مدینہ منورہ میں کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اصحاب صفہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد چھ سو صحابہ تک پہنچ گئی تھی۔ یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھتے اور کھاتے پیتے تھے۔ صحابہ کرام میں سے بہت سے حضرات دو دو یا تین تین اصحاب صفہ کو اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلاتے۔ وہ کھجور کے خوشے بھی لے کر آتے اور انھیں صفہ کی چھت سے باندھ کر لٹکا دیا کرتے تھے اور حسب حاجت ان میں سے کھایا کرتے تھے۔ مشہور اصحاب صفہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام سرفہرست ہے۔ آپ صفہ ہی کے ہو کر رہ گئے تھے۔ اسی لیے آپ کو اللہ کے رسول کی بے شمار حدیثوں کا علم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ صفہ میں تین سو سے زائد افراد رہتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک بعد میں کسی نہ کسی علاقے کا امیر، گورنر یا والی بنایا گیا۔

بھائی یہاں تو بدعت میں نہ پڑو!

یہاں سے نکل کر ہم گنبد خضرا کی طرف آئے۔ یہیں اس کے سامنے جو صحن ہے وہاں مولانا عبد الوحید کی ڈیوٹی ہے۔ انھوں نے ایسے ہی اپنے ایک ساتھی سے ہمارا تعارف کرایا تو انھوں نے فوراً کہا کہ اچھا وہ جو دلی میں صحافت کرتے ہیں، آپ وہی

ہیں۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ پھر خیال آیا کہ عبدالوحید نے ہی ان کو بتایا ہوگا۔ ان لوگوں کا کام یہ ہے کہ کوئی غلط حرکت دیکھیں تو اسے روکیں۔ یہاں خواتین کے بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ جگہ مردوں کے لیے مخصوص ہے۔ پھر بھی بہت سی خواتین بیٹھ جاتی ہیں۔ ان کو بڑے پیار سے وہاں سے ہٹایا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ گنبد خضرا کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دعا مانگنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یہ لوگ سمجھاتے ہیں کہ منہ قبلے کی طرف کر کے دعا مانگو۔ باب جبرئیل کے پاس بھی بہت سے لوگ قبر مبارک کی طرف منہ کر کے دعا مانگتے ہیں۔ میں وہاں کافی دیر تک ایک کرسی پر بیٹھا رہا اور لوگوں کی حرکات وسکنات دیکھتا رہا۔

مولانا عبدالوحید نے بتایا کہ ایک بار ایک ادھیڑ عمر شخص گنبد خضرا کی طرف منہ کر کے بیٹھا دعا مانگ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ بابا قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگو۔ اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ جب میں نے کئی بار کہا تو وہ غصے میں آ گیا اور اسی حالت میں اس نے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ میں گنبد خضرا کی طرف پیٹھ کر کے اس کی بے ادبی کروں۔ اس پر میں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ اور جو تم خانۂ کعبہ کی طرف پشت کر کے اس کی بے حرمتی کر رہے ہو وہ کیا ہے۔ لیکن وہ پھر بھی ٹس سے مس نہیں ہوا۔

مولانا شعیب نے بتایا کہ ایک بار ان کی ڈیوٹی قبر مبارک کے پاس لگی ہوئی تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص قبر مبارک کی طرف منہ کر کے دعا مانگ رہا ہے۔ اس سے انھوں نے کہا کہ قبلے کی طرف منہ کر کے دعا مانگو جو کہ طریقہ ہے۔ لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی۔ کئی بار کہنے کے باوجود وہ نہیں مانا۔ اسی اثنا میں ایک عرب آ گیا۔ اس نے بھی کئی بار اس سے کہا کہ قبلے کی طرف منہ کر کے دعا مانگو۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ جب کافی دیر ہو گئی تو عرب نے کہا کہ تم اپنا منہ پھیرتے ہو یا میں پولیس کو بلاؤں۔ اس شخص نے غصے میں کہا کہ بلالو پولیس کو۔ عرب نے فوراً فون کیا اور چند منٹ کے اندر ایک پولیس والا آ گیا جو اسے وہاں سے لے کر چلتا بنا۔

خوبصورت چھتریاں

آج جمعہ کا دن ہے۔ ہمارے ایک اور عزیز محمد سعید بھی آگئے ہیں۔ وہ مولانا محمد شعیب کے چچا ہیں۔ ان سے شاپنگ اور پیکنگ میں بہت مدد ملی۔ جب ہم نماز سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے مسجد نبوی میں پہنچے تو دیکھا کہ پوری مسجد بھری ہوئی ہے۔ نیچے جگہ مل تو جاتی لیکن بہت جدوجہد کرنی پڑتی۔ ہم لوگ چھت پر گئے۔ چھت اتنی وسیع و عریض ہے کہ آدمی چلتے چلتے تھک جائے۔ بہر حال ایک جگہ صف خالی تھی وہاں ہم لوگ بیٹھ گئے۔ اوپر تھوڑی تھوڑی مسافت پر بڑے بڑے گنبد بنے ہوئے ہیں۔ یہ عام اور معمولی گنبد نہیں ہیں۔ یہ کھلنے والے گنبد ہیں۔ الیکٹرانک سسٹم سے ان کو اوپر اٹھا دیا جاتا ہے۔ ایسا ہمیشہ نہیں کبھی کبھار بوقت ضرورت ہوتا ہے۔

مسجد کے چاروں طرف جو کھلا صحن ہے اس میں چھتریاں نصب ہیں۔ دس سال قبل جب ہم حج کرنے آئے تھے تو باب فہد کی جانب چار چھ چھتریاں تھیں۔ لیکن اب تو مسجد کی عمارت کے چاروں طرف درجنوں کے حساب سے چھتریاں نصب ہیں جو سائے کا کام کرتی ہیں۔ یہ بڑی ہی خوبصورت ہیں۔ ان کو رات کے وقت بند کر دیا جاتا ہے۔ صبح کے وقت کھول دیا جاتا ہے۔ بیسمنٹ میں ایک الیکٹرانک نظام ہے۔ اسی سے یہ کھلتی اور بند ہوتی ہیں۔ آج ہم فجر کی نماز کے بعد کچھ دیر ٹھہر گئے۔ یہ چھتریاں بند ہیں۔ بالکل ایسا لگ رہا ہے کہ یہ دسیوں میٹر لمبے چھاتے ہیں جن کو بند کر کے اور ان کے فیتے کس کر انھیں پول پر فٹ کر دیا گیا ہے۔ ان کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہ وہی ہیں جو کھلنے کے بعد انتہائی خوبصورت لگتی ہیں۔

سورج نکلنے سے عین قبل اچانک ہماری نظر ایک چھتری پر پڑی تو دیکھا کہ وہ کھل رہی ہے۔ پھر ہم نے نظر گھما گھما کر چاروں طرف دیکھا تو ساری چھتریاں بیک وقت اور بیک رفتار کھل رہی ہیں۔ بالکل ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے صبح کا وقت ہے، ہم کسی باغ میں ہیں اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں اور ان ہواؤں سے مدہوش ہو کر پھولوں نے

کھلنا شروع کر دیا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اپنے موبائل میں اس خوبصورت منظر کو قید کر رہے ہیں اور ویڈیو بنارہے ہیں۔ ہم کف افسوس مل کے رہ گئے۔ کیونکہ ہم اپنا موبائل ہوٹل ہی میں چھوڑ آئے تھے۔ چھتریوں کے کھلنے کے منظر نے ہمیں بھی مدہوش کر دیا اور ہم کافی دیر تک کھلتی ہوئی چھتریوں کو دیکھتے اور لطف اندوز ہوتے رہے۔

ہوٹل سما الماسی کے بالکل سامنے اور مسجد نبوی کے درمیان جس قطعۂ زمین پر مسجد کی توسیع ہو رہی ہے اور ابھی اسے مسجد کا حصہ نہیں بنایا گیا ہے، وہاں ہم نے بے شمار برقع پوش خواتین کو کھڑے یا بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے بیشتر مردوں کے پیچھے دوڑتی نظر آئیں۔ جب غور سے دیکھا تو اندازہ ہوا کہ وہ بھیک مانگ رہی ہیں۔ ان کے آنچل ریال سے بھرے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کے پاس کوئی بڑا نوٹ ہے تو وہ آپ کو چینج بھی دے دیتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کی اکثریت بھی بنگلہ دیشیوں اور پاکستانیوں پر مبنی ہے۔ غالباً یہ خواتین ان لوگوں کے مبینہ ریکٹ کا حصہ ہیں جو مکہ و مدینہ میں بھیک منگوانے کے لیے مذکورہ ملکوں سے خواتین کو بلاتے ہیں۔

مسجد نبوی سے جدائی

گنبد خضرا کے سامنے جو صحن ہے وہیں ایک جگہ کی نشاندہی کرتے ہوئے مولانا شعیب نے بتایا کہ وہیں حضرت ابوایوب انصاری کا مکان تھا۔ اس صحابی رسول کی قسمت پر رشک کیوں نہیں آتا کہ جب وہ حیات تھے تو میزبانِ رسولؐ بنے اور اب ان کا مکان مسجد نبوی میں شامل ہوگیا۔ مسجد نبوی کی توسیع سال بہ سال ہوتی رہتی ہے۔ جس طرح لوگوں کی بھیڑ بڑھ رہی ہے اسی طرح وہ جگہ بھی چھوٹی ہوتی جارہی ہے۔ پہلے جتنی بھیڑ ایام حج میں ہوتی تھی اب تقریباً اتنی ہمیشہ رہتی ہے۔ کئی سال قبل ہم نے سنا تھا کہ جو قدیم مدینہ شہر تھا وہ تمام کا تمام مسجد نبوی میں آگیا ہے۔ اب تو اور بھی توسیع ہوگئی ہے۔ مسجد کی اصل عمارت کے چاروں طرف بہت وسیع وعریض صحن ہے۔ ہم اپنے ہوٹل سے نکل کر گیٹ نمبر سات سے اندر داخل ہوتے ہیں تو مسجد کی عمارت تک پہنچنے کے لیے کافی چلنا پڑتا ہے۔ اگر آپ مسجد کا بیرونی چکر لگانا چاہیں تو کم از کم ایک گھنٹہ لگ جائے گا۔ مسجد نبوی میں کل ۴۴؍گیٹ ہیں۔

شمالی یعنی قبلہ کی مخالف سمت میں تین بڑے دروازے ہیں جن میں سے درمیان والا باب فہد کہلاتا ہے۔ یہ مردوں کے لیے مخصوص ہے اور دوسرے دو دروازے خواتین کے لیے مخصوص ہیں۔ مسجد کے شمالی حصے میں دائیں اور بائیں خواتین کے لئے مخصوص جگہیں ہیں۔ مسجد کی مشرقی اور مغربی دیواروں میں بھی خواتین کے لیے مخصوص دروازے ہیں۔ اس کے علاوہ مشرقی دیوار میں باب عبدالعزیز اور مغربی دیوار میں باب سعود مردوں کے لیے مخصوص ہیں۔ عثمانی دور کی مسجد میں مغربی دیوار میں باب سلام اور باب صدیق ہیں جبکہ مشرقی دیوار میں باب بقیع، باب جبریل اور باب نسا ہیں۔ باب جبریل اور باب

نسا سے داخل ہو کر بھی سیدھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے بالکل قریب پہنچا جاسکتا ہے۔

مسجد کے اندر دو دروازے باب عمر اور باب عثمان ہیں۔ دراصل یہ پہلی سعودی تعمیر کے دروازے تھے جو اب مسجد کے اندر آگئے ہیں۔ ان دونوں دروازوں کے ساتھ تین منزلہ لائبریری قائم کی گئی ہے۔ مسجد کے درمیان کھلی چھت چھوڑ دی گئی ہے جس پر چھتریاں لگی ہوئی ہیں۔ دھوپ اور گرمی میں ان چھتریوں کو کھول دیا جاتا ہے جبکہ رات اور سردی کے دنوں میں انہیں بند کر دیا جاتا ہے۔

جامعہ اسلامیہ

جو ٹور آپریٹر معتمرین کو لے جاتے ہیں ان کے پیکج میں زیارت بھی شامل ہوتی ہے۔ یعنی وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے اہم مقامات کی زیارت کراتے ہیں۔ ہمارے گروپ کو ۲۱رفروری کو مدینہ کے اہم مقامات کی زیارت کرائی گئی۔ اسی روز ہم نے بھی کی۔ مگر گروپ میں شامل ہو کر نہیں بلکہ الگ سے۔ اس کے دوسرے روز یعنی ۲۲رفروری کو مولوی افضل اپنی گاڑی لے کر آگئے اور ان کے ساتھ ہم عالمی شہرت یافتہ اسلامی یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ دیکھنے گئے۔ اس کو دیکھنے کی تمنا بہت دنوں سے تھی۔ ہمارے بہت سے شناسا اسی یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں۔ ہمارے چھوٹے بھائی ڈاکٹر شمس کمال انجم بھی یہیں کے فارغ ہیں۔ اب بھی ہمارے علاقے کے بہت سے بچے یہاں زیر تعلیم ہیں۔ یہیں ہمارے ایک اور عزیز مولانا شعیب حسان سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہ یونیورسٹی کافی وسیع وعریض ہے۔ متعدد شعبے ہیں۔ یہاں سال بہ سال تعمیر نو ہوتی ہے اور نئے نئے کورسز کا اضافہ ہوتا ہے۔ یہ یونیورسٹی ۱۹۶۱ء میں قائم ہوئی تھی۔ دنیا کے کئی ملکوں کے طلبہ یہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور یہاں سے فارغ ہونے کے بعد دنیا کے مختلف مقامات پر دین کی توسیع کا کام کرتے ہیں۔ اس وقت یہاں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد تقریباً پندرہ ہزار ہے۔ یہاں کے فارغین اپنے نام کے ساتھ مدنی لگاتے ہیں۔

یہاں ہماری ملاقات حافظ عبدالصبور ابوبکر صاحب سے ہوئی۔ وہ اتر پردیش کے ضلع سدھارتھ نگر کے موضع طیبہ پور کے باشندہ ہیں۔ وہ پی ایچ ڈی کر چکے ہیں اور شعبۂ ''عمادۃ التطویر الاکادیمی والاداری'' میں برسرکار ہیں۔ انھوں نے قہوہ اور کھجور سے تواضع کی۔ قہوہ بہت چھوٹے سے کپ میں بہت تھوڑی مقدار میں دیا جاتا ہے۔ مہمان رک رک کر چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے کر پیتا ہے۔ درمیان میں کھجور بھی کھاتا جاتا ہے تاکہ قہوے کی تلخی کم رہے۔ جب میں نے آداب قہوہ نوشی کے بارے میں پوچھا تو ان لوگوں نے بتایا کہ ایسا اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ میزبان کافی دیر تک مہمان کی خاطر مدارات کرتا رہے۔

حافظ عبدالصبور ابوبکر صاحب اور ہمارے کئی شناساؤں نے ساتھ میں کھانا کھانے کی فرمائش کی لیکن میں نے عدم صحت کی وجہ سے معذرت کر لی۔ خاکسار سے محبت کرنے والے کچھ طلبہ نے مل کر ایک پروگرام بھی ترتیب دیا تھا۔ اس کے لیے بھی معذرت کرنی پڑی۔ میں نے بدرجہ مجبوری معذرت کی ندامت برداشت کی اور ان تمام لوگوں سے عرض کیا کہ دعا کریں کہ پھر اس دیار مبارک میں میری حاضری ہو۔ اس وقت میں آپ لوگوں کی خواہش کا پورا احترام کروں گا۔

جامعہ اسلامیہ کے بالمقابل عصری تعلیم کی ایک یونیورسٹی ''طیبہ یونیورسٹی'' بھی قائم کی گئی ہے۔ میری خواہش تھی کہ میں اسے بھی دیکھوں اور یہ جاننے کی کوشش کروں کہ یہاں کیا تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن میری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی۔

ابھی کچھ ماہ قبل حافظ عبدالصبور صاحب دہلی آئے تھے تو ان سے میری ملاقات ہوئی۔ خوب باتیں ہوئیں۔ یہاں سے واپس جانے کے بعد ایک روز ان کا فون آیا کہ ان کی پی ایچ ڈی مکمل ہوگئی ہے۔ انھوں نے امتیازی پوزیشن حاصل کی ہے۔ جامعہ نے ان کے مقالے کو شائع کرنے اور طلبہ کے استفادے کے لیے دوسری یونیورسٹیوں میں بھیجنے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ خبر یہاں کے کچھ اخباروں میں چھپ جائے۔ میں نے اپنی کوشش سے اس خبر کو کئی اخباروں اور ویب سائٹوں پر شائع کرا دیا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور انھوں نے ڈھیروں دعائیں دیں۔

نماز کے وقت بازار بند

آج کچھ شاپنگ کرنی ہے۔ ہم لوگ بعد نماز مغرب مسجد نبوی کے ملک فہد گیٹ کے سامنے کی طرف واقع شاندار اور کثیر المنزلہ طیبہ مارکیٹ گئے۔ اس مارکیٹ میں زینے کے علاوہ لفٹ کا بھی انتظام ہے۔ خاص طور پر خواتین اور بچے اس کا استعمال کرتے ہیں۔ ہماری قیادت مولوی افضل کر رہے ہیں۔ شاپنگ کرتے کرتے عشا کا وقت قریب آگیا۔ بالآخر اذان بھی ہوگئی۔ اسی دوران دیکھا کہ تمام دکانوں کے شٹر دھڑا دھڑ گرنے لگے۔ ایسا لگا جیسے پولیس کا چھاپہ پڑا ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام دکانیں بند ہوگئیں اور سناٹا چھا گیا۔ لوگ مسجد نبوی کی طرف دوڑ لگا رہے ہیں۔ چند منٹ قبل جہاں جشن کا عالم تھا وہیں اب ہو کا عالم ہے۔ جیسے کرفیو لگ گیا ہو۔ نماز کی ایسی پابندی بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ بہر حال ہم لوگ جس دکان میں تھے وہ بھی بند ہونے لگی۔ فٹافٹ فارغ ہو کر ہم لوگ یہاں سے نکل پڑے۔

مسجد نبوی کے برابر میں ایک اور بڑا مارکیٹ ہے جسے بنگالی مارکیٹ کہتے ہیں۔ استفسار پر معلوم ہوا کہ اس مارکیٹ میں بہت سے دکاندار اور ان میں کام کرنے والے بیشتر لوگ بنگالی ہیں اس لیے اس کا نام بنگالی مارکیٹ پڑ گیا ہے۔ یہاں خاص طور پر مختلف اقسام کے مصلے اور قالین ملتے ہیں۔ سستے بھی اور مہنگے بھی۔ ٹوپیاں اور تسبیح بھی اور زیتون کا تیل بھی۔ کافی بڑا مارکیٹ ہے۔ یہاں سے ہم نے مصلے، ٹوپیاں اور تسبیح اور زیتون کے تیل کے ڈبے لیے۔ اس کے سامنے بھی بہت سی دکانیں ہیں۔ یہاں بھی یہ تمام اشیا ملتی ہیں لیکن ان کی کوالٹی دوسرے درجے کی ہوتی ہے۔ اچھی کوالٹی کی چیزیں طیبہ مارکیٹ ہی میں ملتی ہیں۔

ہوٹل میں پھر شب باشی

ہم لوگوں کو ۲۵ رفروری بروز ہفتہ مدینہ سے مکہ کے لیے روانہ ہونا ہے۔ وہاں سے ۲۸ رفروری کو

جدہ جانا ہے۔ اسی روز دہلی واپسی کا ٹکٹ ہے۔ اب تک ہمارے پاسپورٹ ہمارے پاس ہیں۔ ہم نے سوچا کہ پہلی شب ہوٹل میں گزاری تھی اب آخری بھی گزار لی جائے۔ تاکہ ہمارے گروپ لیڈر اور دوسرے ساتھیوں کو ہماری موجودگی کا احساس ہو۔ ۲۴ ؍فروری کی شام کو ہم ہوٹل سما الماسی آگئے۔ رات کا کھانا یہیں کھایا۔ اگلے روز نماز ظہر کے بعد نکلنا ہے۔ ۲۸ ؍فروری آگئی۔ نماز ظہر سے قبل کھانا کھلوادیا گیا تاکہ تاخیر نہ ہو۔ اب ہم نے اپنے پاسپورٹ مسٹر سعد کو دے دیے۔ انھوں نے کہا کہ آپ پر اعتماد ہے۔ ہم لوگ پاسپورٹ اس لیے لے لیتے ہیں کہ سب ساتھ رہیں کوئی یہیں کہیں رک نہ جائے۔ دراصل اس سے قبل ایسے کئی واقعات پیش آچکے ہیں کہ لوگ عمرہ کرنے گئے اور فرار ہوگئے۔ واپس ہی نہیں ہوئے۔ یہیں رک کر چوری چھپے کام کرنے لگے۔ اگر کسی ٹریول ایجنٹ کا کوئی مسافر فرار ہو جائے تو اب قانون بہت سخت کر دیا گیا ہے۔ ایجنٹ کا لائسنس ہی منسوخ ہو جاتا ہے۔ بہر حال ہم نے اپنے پاسپورٹ اس لیے دے دیے کہ ایک تو راستے میں ضرورت پڑ سکتی ہے اور دوسرے یہ کہ جدہ ایئرپورٹ پر پاسپورٹ دکھا کر ہی آب زم زم ملتا ہے۔ جتنے پاسپورٹ اتنے کین آب زم زم۔

کبھی دائیں تو کبھی بائیں

پروگرام نماز ظہر کے بعد ہی یہاں سے نکلنے کا تھا لیکن بعض ساتھیوں کی وجہ سے تاخیر ہوئی اور دو بجے کے بجائے تقریباً ساڑھے تین بجے یہاں سے ہم لوگ نکل سکے۔ ہمارے دونوں عزیز مولانا شعیب اور شاہ فیصل ہوٹل آگئے اور وہ اس وقت تک وہاں ٹھہرے رہے جب تک کہ بس نے چلنا نہیں شروع کر دیا۔ ہمارا سامان انھوں نے ہی بس میں رکھوایا۔ بس مختلف سڑکوں سے گزرنے لگی۔ کبھی مسجد نبوی کے دائیں تو کبھی بائیں کا راستہ اختیار کرتی۔ اس وقت ہماری کیفیت عجیب سی ہوگئی۔ مدینہ منورہ اور بالخصوص مسجد نبوی کی جدائی ستانے لگی۔ ہم مسجد نبوی سے جتنا دور ہوتے گئے دل کی تڑپ اتنی ہی بڑھتی گئی۔ جب مسجد کے منارے کافی دور ہو گئے تو ہم اچک اچک کر اسے دیکھتے رہے اور اس پر حسرت بھری نگاہ ڈالتے رہے کہ اب پتہ نہیں کب آنا ہوتا ہے۔ آنا ہوتا بھی ہے

یا نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسجد نبوی کا یہ آخری دیدار ہو۔ یوں بھی دس برسوں کی طویل مدت کے بعد اس کا دیدار کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ کسی کی زندگی کا کیا بھروسہ۔ دس سال تو بہت ہوتے ہیں دس سیکنڈ کا بھی اعتبار نہیں۔ کسی کا یہ شعر کثرت استعمال سے بہت فرسودہ ہو گیا ہے لیکن ہے بالکل برمحل: آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں، سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں۔

سچ پوچھیے تو مسجد نبوی میں جس قدر عبادتوں اور قیام کا ہم نے دل ہی دل میں پروگرام بنایا تھا وہ سب خرابی صحت کی نذر ہو گیا۔ دل تو چاہتا رہا کہ صحن مسجد میں زیادہ سے زیادہ قیام کریں اور پانچوں وقت کی نمازیں اسی میں ادا کریں لیکن یہ تمنا پوری نہیں ہوئی۔ طبیعت کا غبار دلی کیفیات پر غالب آتا رہا اور ہم مسجد نبوی میں تادیر قیام کرنے اور نمازیں ادا کرنے سے محروم رہے۔ لیکن پھر بھی قلب کو ایک اطمینان ہے کہ جہاں تمام امیدیں خاک بسر ہو رہی تھیں اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عمرہ کی سعادت ہمارے نصیب میں نہیں لکھی ہے، اسی لیے طبیعت ناساز ہو گئی ہے، وہیں یہی کیا کم ہے کہ اللہ نے ہمیں توفیق بخشی اور اتنی ہمت دی کہ ہم نے برعکس حالات کے باوجود قصد سفر کیا اور عمرہ کی ادائیگی سے فراغت حاصل کی۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اس لائق ہی نہیں رکھتا کہ ہم آسکیں تو کیا کر لیتے۔ کس سے فریاد کرتے۔ کون ہمیں یہاں پہنچاتا۔ مرضی مولیٰ کے آگے کسی کی چلی ہے کہ چلے گی۔ یہ اس کا بہت بڑا کرم اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس سرزمین مقدس کی دوبارہ زیارت کی توفیق بخشی۔

عمرہ یا پکنک؟

بس کی تمام نشستیں تقریباً پُر ہیں۔ ہمارے گروپ کے علاوہ دوسرے گروپ کے بھی کچھ لوگ اس میں سوار ہیں۔ بس جب مدینہ کے مضافات سے نکل گئی تو لوگ بآواز بلند باتیں کرنے لگے۔ خاص طور پر ہمارے گروپ کے وہ لوگ جو مغربی یو پی سے تعلق رکھتے ہیں۔ صرف باتیں ہو رہی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ لوگ ٹھٹھا مار کر ہنستے بھی

ہیں۔ ایک دوسرے سے مذاق بھی کرتے۔ دوسروں کو تختۂ مشق بنانے میں انھیں بہت لطف آرہا ہے۔ وہ لوگ بس کی درمیانی اور پچھلی نشستوں پر ہیں۔ ہم آگے بائیں جانب بالکل دوسری نشست پر ہیں۔ ہمارے برابر دوسرے گروپ کے لوگ ہیں۔ تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹہ ہوگیا اور ان لوگوں کی بے ادبی کی حد تک قہقہہ بازی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی ہے۔ بالآخر ہمارے برابر والی نشست پر بیٹھے ہوئے ایک بزرگ نے ان لوگوں کو ڈانٹا اور انھیں سختی کے ساتھ یاد دلایا کہ وہ کون ہیں اور اس سرزمین پر کیوں آئے ہیں۔ ان کی خفگی نے کچھ اثر کیا اور پھر ان لوگوں کی آوازوں کا والیوم ذرا ہلکا ہوگیا۔

جب واپسی پر ہم لوگ مکہ سے جدہ کے لیے جا رہے تھے اس وقت بھی ان لوگوں کا یہی رویہ رہا۔ وہی باآواز بلند گفتگو اور بے ادبی کی حد تک قہقہہ بازی۔ ان میں سے دو تین شاید کسی مغربی ملک کی سیاحت کرتے ہوئے آئے ہیں لہٰذا وہ اپنے مشاہدات کی کمنٹری کر رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کی طبیعتوں پر مغربی تہذیب نے جو جادو کیا ہے وہ اب بھی قائم ہے۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ اب بھی اسی سرزمین کی سیاحت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ یا تو سیاحت کرنے آئے ہیں یا پکنک منانے۔ ان لوگوں کو اس کا احساس تک نہیں کہ وہ زائرین حرمین شریفین ہیں۔ وہ یہاں سیاحت کی غرض سے نہیں آئے ہیں کہ لمحے لمحے سے لطف اندوز ہوں۔ بلکہ عمرہ جیسے مقدس اسلامی رکن کی ادائیگی کی غرض سے آئے ہیں اور اب وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں و برکتوں کی پھوار سے شرابور ہو کر واپس جا رہے ہیں۔

ایک چھوٹا حادثہ

بہر حال مسجد نبوی سے جدائی کا بار دل و دماغ پر لیے ہوئے ہم مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کر گئے۔ راستے میں چائے ناشتے اور نماز کے لیے بس رکتی رہی۔ ہم جوں جوں مدینہ سے دور اور مکہ سے قریب ہوتے جا رہے ہیں موسم میں تبدیلی کا احساس بڑھتا جا رہا ہے۔ پہلے جہاں بس کی اے سی کی ہوا بری لگ رہی تھی وہیں اب بھلی لگنے لگی۔ بس کے باہر نکلنے

پر گرم ہوائیں استقبال کر رہی ہیں۔ خیال تھا کہ ہم لوگ دس گیارہ بجے شب میں مکہ پہنچ جائیں گے۔ لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہم لوگوں کو ایک حادثے سے دو چار ہونا پڑا۔ حادثہ کوئی ایسا خطرناک نہیں۔ بات یہ ہے کہ مکہ کے دیدار کا وقفہ بڑھتا جا رہا تھا۔

ابھی ہم لوگ بیس پچیس کلومیٹر پہلے ہی تھے کہ بس خراب ہوگئی۔ جب بس چلی تھی تو اس کا اے سی آن تھا۔ بس میں خنکی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس لیے ہمارے قہقہہ بردوش ساتھیوں نے ڈرائیور کے علم میں لائے بغیر از خود اے سی کے تمام بٹن آف کر دیے جس کی وجہ سے ٹھنڈی ہوائیں آنی بند ہوگئیں۔ کچھ گھنٹے کے بعد جب ڈرائیور کو کچھ احساس ہوا تو اس نے بس روک کر جائزہ لیا۔ اس نے اظہار ناراضگی کرتے ہوئے تمام بٹن آن کر دیے۔ لیکن تب تک کافی تاخیر ہو چکی تھی۔ غالباً اے سی پر زور پڑا اور فین بیلٹ ٹوٹ گئی۔ ڈرائیور نے بہت کوشش کی مگر وہ ٹھیک نہیں کر سکا۔ دو گھنٹے تک محنت کرنے کے باوجود جب وہ بس کو چلنے کی پوزیشن میں نہیں لا سکا تو اس نے اعلان کر دیا کہ اب ہمیں دوسری بس منگانی پڑے گی اور جب تک بس نہ آجائے ہمیں یہیں رکنا پڑے گا۔

نیچے کئی لوگ کھڑے تھے۔ میں بھی وہیں پہنچ گیا۔ میں نے ایک نسبتاً عمر دراز شخص سے جو کہ دوسرے گروپ سے متعلق تھا، پوچھ لیا کہ کیا اب ہم لوگوں کو دوسری بس کا انتظار کرنا پڑے گا۔ وہ پتہ نہیں کس موڈ یا کس ترنگ میں تھا، شاید بس کی خرابی نے اس کے ذہن کو کافی متاثر کیا تھا، کہنے لگا کہ نہیں تو، آپ کے پاس کوئی اور راستہ ہو تو بتائیں۔ میں خاموشی سے بس میں آکر بیٹھ گیا۔

ابھی دس منٹ قبل ہم لوگ ایک ہوٹل کے پاس نصف گھنٹے تک رکے تھے اور اب اس وادی غیر ذی زرع میں بھی رکنا ہے۔ ڈرائیور نے مکہ مکرمہ میں اپنی کمپنی میں فون کیا۔ کافی دیر کے بعد ایک بس آئی اور ہم لوگوں کو حکم دیا گیا کہ اپنا اپنا سامان بس سے اتاریں اور دوسری بس میں رکھیں۔ حالانکہ یہ کام بس کے کنڈکٹر کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے حساب سے رکھے۔ مدینہ میں بس کے کنڈکٹر نے خود رکھا تھا۔ پہلے بھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ سامان بس والے ہی رکھواتے ہیں۔ لیکن اب جو یہ حکم صادر ہوا تو ہمارے ہاتھ پاؤں

پھول گئے۔ چونکہ ہمارا سامان ہمارے عزیزوں نے رکھوایا تھا اس لیے ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ ڈکی میں کس طرف کو رکھا ہوا ہے۔ رات کے وقت روڈ کی تیز لائٹ میں اپنا سامان پہچاننا بھی مشکل ہے۔ لیکن کیا کرتے۔ بس ایک افراتفری سی مچ گئی۔ لوگ اپنا سامان ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنے لگے۔ سب کے پاس دو دو تین تین اٹیچیوں اور بیگ کے علاوہ کھجور کے کارٹن بھی ہیں۔ سب ایک جیسے۔ ان کو پہچاننا اور بحفاظت رکھوانا بھی ایک مسئلہ ہے۔

افراتفری اور سامان کی گمشدگی

جب تمام لوگ اپنا سامان نکال چکے تو ہم نے اپنا سامان تلاش کیا۔ ایک بیگ لاپتہ ہے۔ دوسری بس میں لوگوں نے سامان رکھ دیا ہے۔ بس کی ڈکی بند ہوگئی ہے۔ پہلی والی بس کے ڈرائیور نے بھی اپنی ڈکی بند کر دی ہے۔ ہم حواس باختہ اپنا بیگ تلاش کر رہے ہیں۔ ہم نے مسٹر سعد سے کہا کہ ابھی بس کو مت چلنے دو۔ ہمارا ایک بیگ نہیں مل رہا ہے۔ ایک اور صاحب آگئے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارا بھی ایک بیگ غائب ہے۔ ہم نے جا کر پہلی والی بس کے ڈرائیور سے استفسار کیا۔ اس نے کہا کہ سامان تو سارا اتر گیا۔ ہمارے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں وہ بیگ مدینہ ہی میں تو نہیں چھوٹ گیا۔ سعد نے بھی یہی اندیشہ ظاہر کیا اور یہ بھی پوچھا کہ آپ نے خود اپنا سامان رکھوایا تھا۔ اب ہم کیا جواب دیتے۔ پہلی بس کے ڈرائیور نے ہماری التجا پر بس کی ڈکی کھولی اور اندر موبائل کی روشنی ڈالی تو دور ایک کونے میں دو چھوٹے بیگ نیچے اوپر پڑے ہوئے تھے۔ اب ہماری جان میں جان آئی۔

اس تفصیل کو بیان کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قارئین ہماری پریشانی سے لطف اندوز ہوں یا اس میں شامل ہوں بلکہ یہ بتانا ہے کہ سفر میں کسی پر کوئی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ سامان وغیرہ بھی اپنی نگرانی میں اور اپنی نگاہوں کے سامنے رکھوانا چاہیے اور اس کی حفاظت خود کرنی چاہیے۔ اس طرح ہم لوگ رات میں تقریباً بارہ بجے مکہ مکرمہ کے ہوٹل ''اریج الہجرہ'' پہنچے۔ کمرہ ملتے اور سامان وغیرہ رکھتے رات کا ایک بج گیا۔ اس کے بعد ہم عمرہ کرنے کی غرض سے حرم شریف گئے۔

مسجد الحرام میں
نماز فجر کا ایمان افروز منظر

ہم لوگ ۲۵ر فروری کو مکہ مکرمہ سے چلے تھے۔ اب ۲۶ر تاریخ ہوگئی ہے۔ ہوٹل میں سامان رکھنے کے بعد ذرا سا آرام کر کے اہلیہ کے ساتھ عمرہ ادا کرنے حرم شریف میں پہنچے۔ ہوٹل سے پندرہ بیس منٹ کی مسافت ہے۔ باہر نکلیے تو بازار پڑتا ہے۔ اسے عبور کیجیے تو مسفلہ کے پاس ایک بڑا سا میدان ہے جسے کبوتر چوک کہتے ہیں۔ وہاں لوگ کبوتروں کو دانہ ڈالتے ہیں۔ اس کو پار کرنے کے بعد ہی حرم شریف کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے قریب بھی بہت سی دکانیں ہیں۔ جب ہم وہاں سے گزرے تو ایک دکان والا کچھ تبرک لوگوں کو تقسیم کر رہا تھا جسے حرم شریف میں جانے والے لوگ ہاتھوں ہاتھ لے رہے تھے۔ ہم آگے بڑھے۔ فلک بوس کلاک ٹاور کے بائیں جانب یعنی باب فہد سے، جو کہ شاندار ہوٹل دار التوحید کے بالمقابل ہے، اندر حرم شریف میں داخل ہوگئے۔

ہمارے ساتھ تین افراد اور تھے۔ ایک ادھیڑ عمر خاتون اور ایک معمر خاتون اور ان کا جواں سال بیٹا۔ معمر خاتون راستے میں جگہ جگہ تھک کر بیٹھ جاتی ہیں۔ کبوتر چوک کے پاس پہنچے تو ایک شخص وہیل چیئر لیے ہمارے پاس آیا اور دو سو ریال کے عوض معمر خاتون کو طواف اور سعی کرانے کی پیشکش کی۔ نوجوان نے اس کی پیشکش ٹھکرا دی۔ کچھ دور اور آگے بڑھے تو ایک اور شخص آیا۔ اس نے بھی ایسی ہی پیشکش کی۔ نوجوان نے اس سے بات چیت شروع کی اور بالآخر وہ شخص ۸۰ ریال کے عوض طواف اور سعی کرانے اور پھر واپس ہوٹل چھوڑنے پر راضی ہوگیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی ایجنٹ ہے۔ اس نے کسی کو فون کیا کہ فلاں جگہ وہیل چیئر لے کر آجاؤ۔ بالکل اسی طرح جیسے نئی اور پرانی دہلی کے

ریلوے اسٹیشنوں پر ٹیکسی والے سواریوں کو راضی کرتے ہیں اور پھر انھیں ڈرائیوروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

لیکن اس سے قبل کہ وہ شخص وہیل چیئر لے کر آتا معمر خاتون کی ایمانی غیرت جوش میں آگئی۔ اس میں اچانک بہت زیادہ طاقت آگئی۔ ایسا لگا جیسے اسے مالک کعبہ آواز دے رہا ہے کہ آؤ، آجاؤ، ایسے ہی پیدل آجاؤ۔ کوئی بات نہیں۔ یہاں نہ تو سواری والے کو اضافی عزت ملتی ہے اور نہ ہی پیدل شخص کی بے توقیری ہوتی ہے۔ میرے دربار میں سب برابر ہیں۔ سب میرے بندے ہیں۔ یہاں نہ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا۔ نہ امیر ہے نہ غریب۔ میں تو سب کو عزیز رکھتا ہوں۔ شاید خاتون کو بھی احساس ہوا کہ اللہ کے دربار میں سواری سے کیا جانا۔ ہم پیدل ہی جائیں گے اور پیدل طواف وسعی میں جو تکان ہوگی اس میں بھی ایک ایمانی لذت ہے۔ اس سے ہم کیوں محروم رہیں۔ پھر تو ہم نے دیکھا کہ خاتون کا ارادہ بدل گیا اور انھوں نے از خود پیدل چل کر طواف اور سعی کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد ہم لوگ آگے بڑھ گئے۔

یوں تو حرم شریف میں طواف کرنے والوں کا ہمیشہ ازدحام رہتا ہے۔ البتہ رات میں ایک اور تین بجے کے درمیان کچھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں بالکل قریب سے طواف کرنے کا موقع مل گیا۔ لیکن پھر بھی ہم حجر اسود تک نہیں پہنچ سکے۔ وہاں اس وقت بھی عشاق کا زبردست رش ہے۔ وہ ایک دوسرے پر گرے جا رہے ہیں۔ ہر زائر کی یہ خواہش ہے کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دے کر اللہ کے رسولؐ کی سنت ادا کر لے۔ بوسہ نہ دے سکے تو کم از کم اسے ہاتھ سے مس ہی کر لے۔ ہم یہ سعادت تو حاصل نہیں کر سکے البتہ ایک بار حطیم اور رکن یمانی کے درمیان جہاں بھیڑ نسبتاً کم ہو جاتی ہے، خانۂ کعبہ کی دیوار کو ہاتھوں سے مس کیا۔ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے سامنے دو رکعت نماز ادا کی۔ آب زم زم پیا۔ کچھ دیر آرام کیا۔ پھر سعی کے لیے نکل پڑے۔ گراؤنڈ فلور پر سعی کی۔ زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ پھر بھی ایک گھنٹے سے زیادہ وقت لگا۔ سعی صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان کی جاتی ہے۔ جہاں حضرت ہاجرہ نے پانی کے لیے چکر لگائے تھے۔ دونوں پہاڑیاں اب

بہت چھوٹی ہو گئی ہیں۔ لیکن ان کو بہر حال کسی نہ کسی شکل میں برقرار رکھا گیا ہے۔ دونوں کے درمیان دو رویہ ہموار راستہ سڑک کی شکل میں بنا دیا گیا ہے جس پر سفید پتھر بچھا دیے گئے ہیں۔ چونکہ وہ جگہ چاروں طرف سے بند ہے اس لیے وہاں ہمیشہ اے سی اور پنکھے چلتے رہتے ہیں۔ حضرت ہاجرہ کی سنت کی ادائیگی کی خاطر درمیان میں ایک حصے پر ہلکا سا دوڑنا پڑتا ہے۔ مرد دوڑتے ہیں۔ عورتوں کے لیے ضروری نہیں۔ یہ دوڑ اس طرح کی ہوتی ہے کہ جیسے کوئی عورت بوجھ لے کر ذرا تیز قدم چل رہی ہو۔ دوڑنے کی جگہ پر ہرے رنگ کی ٹیوب لائٹیں لگا دی گئی ہیں۔

طواف اور سعی میں یہ منظر بار بار دیکھنے کو ملتا ہے کہ کوئی گروپ ہے جس کا ایک قائد ہے۔ قائد کسی کتاب میں سے کچھ دعائیں پڑھتا ہے اور گروپ کے باقی ممبران اس کو دوہراتے ہیں۔ ایسے کئی گروپ دونوں جگہ مل جاتے ہیں۔ بعض گروپ والے آرام آرام سے پڑھتے ہیں اور بعض بلند آواز سے۔ بعض گروپ والے آہستہ خرامی کے ساتھ چلتے ہیں اور بعض تیز رفتاری کے ساتھ۔ یہاں تک کہ اگر باقی دوسرے لوگ خود کو نہ سنبھالیں تو انھیں دھکا لگنے کا خطرہ رہتا ہے۔ بہت سے گروپ صرف خواتین پر مشتمل ہوتے ہیں۔ وہ سب ایک ہی رنگ کے لباس میں رہتے ہیں تا کہ ان کی شناخت آسان رہے اور ان میں سے کسی کے گم ہونے کا خطرہ نہ رہے۔ ایسے گروپ عام طور پر انڈونیشیا اور ملیشیا وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ بعض افریقی ممالک کے لوگ بھی اسی طرح گروپ بنا کر چلتے ہیں۔

سعی سے فارغ ہونے کے بعد جب ہم مطاف کی طرف آ رہے ہیں اور خیال ہے کہ ہوٹل چل کر آرام کریں گے کہ کانوں میں اذان کی آواز سنائی دی۔ یہ تہجد کی اذان ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ حرمین میں تہجد کی اذان ہوتی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ لوگ اذان سے قبل ہی مسجد میں پہنچنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ لوگ صفوں میں بیٹھ رہے ہیں۔ جس وقت ہم سعی کے لیے گئے تھے تو پورا مطاف خالی تھا۔ بس وہی لوگ تھے جو طواف کر رہے تھے۔ لیکن اب یہاں کا منظر دیدنی ہے۔ صرف اس جگہ صف نہیں

بنی ہے جہاں لوگ طواف کر رہے ہیں۔ ورنہ پورے مطاف میں صفیں بن گئی ہیں اور لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ بہت سے نماز کی ادائیگی کر رہے ہیں۔ باہر سے لوگوں کی آمد کا طویل سلسلہ جاری ہے۔

ہم لوگوں نے سوچا کہ اب جبکہ تہجد کی اذان ہوگئی ہے تو کیوں نہ تہجد پڑھ لی جائے اور فجر کی نماز پڑھ کر ہوٹل جایا جائے۔ اہلیہ یہ کہتے ہوئے خواتین کی صفوں کی جانب چلی گئیں کہ میں فلاں مقام پر نماز کے بعد ملوں گی۔ اگر وہاں ملنے ملانے کے لیے کوئی جگہ متعین نہ کی جائے تو گم ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اب میں نے مطاف میں صفوں میں جگہ دیکھنے کی کوشش کی تو کہیں کوئی جگہ خالی نہیں تھی۔ بالکل آخری صف میں جہاں سے مرد اور خواتین جگہ کی تلاش میں ادھر ادھر آ جا رہے تھے، تھوڑی سی جگہ نظر آئی۔ میں وہاں بیٹھ گیا۔ نماز پڑھنے لگا۔ لیکن میرا دل مسلسل دھڑک رہا تھا کہ نماز کے بعد اہلیہ سے ملاقات ہوگی یا نہیں۔ کہیں ہم دونوں بچھڑ نہ جائیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں تمام نمازوں میں غیر معمولی بھیڑ ہوتی ہے۔ اور پولیس والے لوگوں کو ہٹاتے رہتے ہیں کہ یہاں نہیں وہاں جا کے بیٹھو۔ میں اپنا موبائل ہوٹل میں بھول آیا تھا۔ ورنہ یہ خیال تھا کہ فون کر کے کسی جگہ بلا لیں گے۔

بہر حال دل بے چین ہے۔ پانچ بج کر ۳۵ رمنٹ پر فجر کی اذان ہوئی۔ اس وقت تک کہیں بھی تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ فجر کی دو رکعت سنت پڑھنے کے بعد میں نے سوچا کہ جا کر کہہ دوں کہ اگر متعینہ جگہ پر ملاقات نہ ہو تو اس بورڈ کے نیچے مل لیں گے جس پر ''باب فہد'' لکھا ہوا ہے۔ یہ سوچے بغیر کہ لاکھوں کی اس بھیڑ میں اب کوئی کہاں ملے گا، میں اپنی صف سے اٹھ گیا۔ خواتین کی صفوں کی جانب گیا تو منظر ہی عجیب و غریب پایا۔ عورتوں کی زبردست بھیڑ ہے۔ کوئی کہیں نماز ادا کر رہا ہے تو کوئی کہیں۔ منتظمین عورتوں کو یہاں وہاں سے ہٹا رہے ہیں۔ بڑی تعداد ایسی عورتوں کی ہے جنھیں کہیں جگہ نہیں ملی ہے اور وہ ادھر ادھر بھٹک رہی ہیں۔ جبکہ بہت سی ایک جگہ کھڑی ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ نماز شروع ہو اور منتظمین وہاں سے ہٹیں تو وہ کہیں بھی صف بنا لیں۔ بہر حال میں نے

چاروں طرف دیکھا۔ لیکن اس عالم میں کسی کو تلاش کر لینا بھوسے کے ڈھیر سے سوئی تلاش کرنے جیسا ہے۔ میں مایوس ہو کر واپس آ گیا۔

میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اپنی جگہ چھوڑ دوں گا تو دوسرا اس کو پُر کر لے گا۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ سمندر سے ایک بالٹی پانی نکالو تو دوسری طرف سے پانی آ کر اس خلا کو پُر کر لیتا ہے۔ جوں ہی میں اٹھا ایک دوسرا شخص وہاں بیٹھ گیا۔ اب مجھے کہیں جگہ نہیں مل رہی ہے۔ بالکل آخری صف کے بعد جو راستہ ہے میں وہاں کھڑا ہو گیا اور جب نماز شروع ہوئی تو دوسرے بہت سے لوگوں کے ساتھ میں نے بھی وہیں ہاتھ باندھ لیے۔ جب تک نماز شروع نہیں ہوئی تھی طواف کا سلسلہ جاری تھا۔ نماز شروع ہوتے ہی طواف کرنے والوں نے بھی صفیں بنا لیں۔ اس دوران پرندے غالباً چیلیں خانۂ کعبہ کے اوپر مسلسل چکراتی رہیں۔ کبھی کبھار ان کی آوازیں بھی آنے لگتیں۔ فجر کا وقت ہونے کی وجہ سے پرندوں کی بھرمار ہے۔ انسان تو خالق کائنات کی حمد وثنا کرنے کے لیے صبح وقت پر بیدار نہیں ہوتا لیکن پرندے بیدار ہو جاتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے لکھا ہے کہ ان کی چہچہاہٹ دراصل خالق کائنات کی حمد وثنا ہوتی ہے۔ اس لیے جب میں نے پرندوں کو وہاں چکر لگاتے دیکھا تو خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ بھی اللہ رب العزت کی کبریائی اور بڑائی بیان کرنے کے لیے حرم شریف میں آ گئے ہیں۔

اذان کے دس منٹ کے بعد نماز شروع ہوئی اور امام صاحب نے جو قرأت شروع کی تو تمام الجھنیں دور ہو گئیں۔ دل جو یکسو ہونے کے لیے کسی بھی قیمت پر راضی نہیں ہو رہا تھا از خود راضی ہو گیا۔ فجر کا وقت، کھلے آسمان کے نیچے، کسی عرب عالم دین کی زبان سے بہترین تلاوت کلام پاک، شاندار ساؤنڈ سسٹم کہ جیسے ذرے ذرے سے آواز آ رہی ہو اور ہزاروں بلکہ لاکھوں کا مجمع۔ ایسا لطف زندگی میں کبھی نہیں آیا تھا۔ امام صاحب نے کوئی بڑی سورت چھیڑ دی ہے۔ بوقت ضرورت ان کی آواز میں پیدا ہونے والے زیر و بم اور اتار چڑھاؤ نے دل پر عجیب و غریب کیفیت پیدا کر دی۔ بس یہی طبیعت چاہتی تھی کہ وہ اسی طرح پڑھتے رہیں اور ہم کھڑے ہو کر گھنٹوں اسی طرح سنتے رہیں۔ دوسری

رکعت میں پڑھی جانے والی سورت قدرے چھوٹی تھی۔ لیکن دونوں رکعتوں کی قرأت نے جو سماں باندھا وہ ناقابل بیان ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ اس وقت حاصل ہونے والی ایمانی لذت حاصلِ زیست ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ پھر اس طرح حرم میں نماز فجر ادا کرنے کا موقع نہیں ملا۔ دل تو بہت چاہتا تھا کہ یہ جو دو دن مکہ شریف میں گزارنے ہیں حرم ہی میں گزارے جائیں۔ لیکن بوجوہ ایسا نہیں ہوسکا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ پھر اس سرزمین پر بلائے اور اس بار وہاں زیادہ وقت گزارنے کا موقع ملے۔

خانۂ کعبہ میں بہتر سماعت کے لیے ایک جدید نظام کے تحت بہت بڑے بڑے لاؤڈ اسپیکر نصب کیے گئے ہیں تاکہ نمازی کئی میل دور سے بھی مسجد میں ہونے والی اذان اور قرأت کی آواز سن سکیں۔ اخبار عرب نیوز کے مطابق مسجد کے چاروں طرف کوئی تقریباً چار ہزار بڑے بڑے اسپیکر نصب ہیں۔ اس کا مقصد اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ زائرین آیاتِ قرآنی اور دعاؤں کی آوازیں بآسانی اور صاف طور پر سن سکیں۔

ہم بھٹک گئے

نماز فجر کے بعد ہوٹل جانے کے لیے حرم سے نکلے۔ خیال تھا کہ چونکہ سیدھا راستہ ہے اور ذہن میں راستہ بٹھا بھی لیا تھا، اس لیے آسانی سے ہوٹل پہنچ جائیں گے۔ کبوتر چوک سے آگے بڑھے اور بازار میں بڑھتے چلے گئے۔ ہوٹل سے نکلتے وقت اس کا کارڈ لے لیا تھا۔ جب کافی آگے تک چلے گئے اور ہوٹل نہیں آیا تو تشویش ہوئی۔ کچھ دور اور چلنے کے بعد ایک دکان پر ہوٹل اریج الجزہ کے بارے میں پوچھا۔ اتفاق سے وہ عرب تھا۔ اس نے جو کچھ کہا سمجھ میں نہیں آیا۔ ایک دوسرے شخص سے پوچھا اس نے پچھلی گلی کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن پھر بھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ کچھ اور آگے گئے تو ایک حجام کی دکان نظر آئی۔ خیال آیا کہ یہاں حلق کرالیں اور حجام سے پوچھ بھی لیں۔ حلق کرانے کے بعد حجام سے ہوٹل کے بارے میں پوچھا۔ وہ ایک نوجوان تھا اور غالباً پاکستانی تھا۔ اس نے اردو میں بتایا کہ یہ برابر میں جو گلی جارہی ہے اس میں جائیں۔ سامنے ایک کار کھڑی نظر

آرہی ہے اس سے بائیں مڑ جائیں۔ پھر وہ گلی آگے جا کر ایک بازار میں ملتی ہے۔ وہیں ہوٹل اریج الہجرہ ہے۔ اس کی بات سمجھ میں آ گئی۔ جب ہم مذکورہ گلی سے نکلے تو ہوٹل کے سامنے والے بازار میں پہنچ گئے۔ سامنے ہی وہ ہوٹل نظر آ گیا۔ دراصل یہ ایک پتلی گلی ہے۔ یہاں بھی دونوں طرف دکانیں ہی دکانیں ہیں۔ ہم جس بازار میں چلے گئے تھے وہ مین بازار تھا۔ یہ گلی اس بازار کی ایک شاخ ہے۔ اس طرح بھٹک جانے کے بعد اپنے ہوٹل پہنچے اور بستر پر دراز ہو گئے۔

زیارت مکہ

۲۶ر فروری کو دن میں کچھ آرام کیا کچھ حرم شریف میں عبادت کی۔ ۲۷ر فروری کو زیارت کا پروگرام بنا۔ ہم جس بس سے زیارت کے لیے نکلے اس میں دوسرے گروپ کے لوگ بھی موجود ہیں۔ اس بس کے گائڈ کا نام قاری الطاف ہے۔ وہ پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب سب لوگ بس میں بیٹھ گئے اور انھیں اطمینان ہوگیا تو انھوں نے ڈرائیور کے برابر میں کھڑے ہوکر بآواز بلند اہل بس کو سلام کیا۔ بس والوں کو اس کا اندازہ نہیں تھا کہ یہی گائڈ صاحب ہیں جو ہمیں زیارت کروانے لے جارہے ہیں۔ کچھ نے ہلکی آواز میں سلام کا جواب دیا اور بیشتر خاموش ہی رہے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ آپ لوگوں نے جس طرح میرے سلام کا جواب دیا ہے اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ میں بس سے اتر جاؤں۔ اس کے بعد انھوں نے پھر سلام کیا اور اس بار لوگوں نے پر جوش انداز میں جواب دیا۔ پھر ان کا موڈ بن گیا اور انھوں نے تقریر کرنی شروع کر دی۔ مقدس مقامات کی زیارت کے بارے میں بتایا اور یہ بھی ہدایت دی کہ کہیں بھی کوئی ان کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے۔

اہم مقامات کا دیدار

بس جب چل پڑی تو انھوں نے پھر بہت ہی خوبصورت تقریر کی۔ تھوڑی دیر کے بعد بس ایک جگہ رک گئی۔ انھوں نے اعلان کیا کہ ہم غار ثور کی زیارت کریں گے۔ سب لوگ نیچے اتر آئیں۔ ان کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ جس بلند و بالا پہاڑی پر غار ثور واقع ہے اور جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق غار حضرت ابوبکر صدیق رضی

اللہ عنہ نے تین دن اور تین راتیں گزاری تھیں، اس کے کنارے پر لے جا کر انھوں نے سب کو روک دیا اور اشارے سے بتایا کہ وہ اوپر جو چوٹی دکھائی دے رہی ہے وہیں غار ثور ہے۔ وہ بہت بلندی پر واقع ہے۔ انھوں نے معتمرین سے کہا کہ ہم یہیں سے اس کی زیارت کریں گے کوئی پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش نہ کرے۔ انھوں نے سب کو ایک جگہ جمع کرنے کے بعد اس مخصوص واقعہ کے سلسلے میں تقریباً پانچ سات منٹ تک تقریر کی اور پھر دعا کرائی۔

ہم نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اس پہاڑی پر چڑھے ہوئے ہیں۔ ان کی ہمت کی داد دی۔ اس کے ساتھ ہی اس واقعہ کی تفصیلات ذہن میں گردش کرنے لگیں اور دل و دماغ حیران و پریشان کہ اتنی بلندی پر اور اتنے خطرناک راستے پر کیسے اللہ کے رسول اور صحابیِ رسول چڑھ کر گئے ہوں گے اور کیسے حضرت ابوبکر صدیق کی کمسن صاحبزادی وہاں کھانا لے کر جاتی رہی ہوں گی۔ قاری الطاف نے بتایا کہ ان کی بیٹی جب بھی گئیں الگ راستے سے گئیں تاکہ کوئی ان کو وہاں جاتا نہ دیکھ لے اور یہ راز فاش نہ ہو جائے کہ غار ثور میں اللہ کے حبیب اور ان کے حبیب محوِ استراحت ہیں۔

غار ثور کے بعد انھوں نے جبل رحمت، عرفات، مزدلفہ، منیٰ، مسجد نمرہ، مسجد مشعر الحرام، نہر زبیدہ، مسجد خیف اور آخر میں غار حرا کی زیارت کرائی۔ اس طرح بعض مقامات کی ہم نے دوبارہ زیارت کی۔ ان مقامات کے علاوہ بھی راستے میں متعدد چھوٹی بڑی مسجدیں پڑتی رہیں اور قاری الطاف ان کے بارے میں معتمرین کو بتاتے رہے۔ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ اس بس میں انڈیا کے بھی کافی معتمرین ہیں تو انھوں نے ایک جگہ ہندوستان اور پاکستان کے مابین تعلقات کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور دہشت گردی کے خاتمے اور دونوں ملکوں میں دوستی کی دعا کرائی۔

جبل نور اور غار حرا

ہماری بس جبل نور کے دامن میں کھڑی ہو گئی اور قاری الطاف نے اشارہ کرتے

ہوئے بتایا کہ وہ اونچائی پر غار حرا ہے۔ ہم نے جب غور سے دیکھا تو بہت سے لوگ وہاں چلتے پھرتے ہوئے نظر آئے۔ ہماری بس چونکہ تھوڑی دیر کے لیے رکی تھی اور کسی میں وہاں تک جانے کی ہمت بھی نہیں تھی اس لیے کوئی نہیں گیا۔ الطاف صاحب نے منع بھی کر دیا تھا۔ لیکن بہت سے لوگ جبل نور پر جاتے ہیں اور غار حرا کی زیارت کرتے ہیں۔ دور سے پہاڑ پر زینہ جیسا نظر آرہا تھا جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زائرین کے وہاں تک جانے کے لیے یہ سہولت فراہم کی گئی ہوگی۔

گائڈ کی حس مزاح

ہمارے گائڈ قاری الطاف کے اندر حس مزاح بھی تھی۔ جب جبل رحمت کے پاس بس رکی تو انھوں نے اہل بس سے کہا کہ یہاں ہم بیس منٹ رکیں گے۔ اس کے بعد چل پڑیں گے۔ بس سے جبل رحمت تک جانے اور وہاں سے واپس آنے کے راستے کے بارے میں بھی انھوں نے بتایا اور کہا کہ اگر کسی شخص کو تاخیر ہو جائے اور وہ اس بس کو نہ پا سکے تو اسے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں بہت سی ٹیکسیاں ہیں جو لوگوں کو زیارت کراتی ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک ٹیکسی پکڑے۔ وہ اس کو دیگر تمام مقامات کی زیارت کرائے گی اور پھر آپ کے ہوٹل اریج الہجرہ لے جا کر چھوڑ دے گی۔ آپ کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس آپ کو صرف اتنا کرنا ہے کہ ہوٹل پہنچنے کے بعد ٹیکسی کے ڈرائیور کو اپنی جیب سے ایک سو بیس ریال بطور کرایہ دے دینا ہے۔ ہم نے محسوس کیا کہ اس کے بعد کسی نے تاخیر کرنے کی جرأت نہیں کی۔ ویسے بھی قاری الطاف مقررہ وقت سے دس پانچ منٹ زیادہ ہی رکتے رہے ہیں۔

وہ دلچسپ انداز میں تمام مقامات کی تاریخ اور اس کی اہمیت بتاتے رہے اور اس طرح تین چار گھنٹے کا یہ سفر ایک یادگار سفر بن گیا۔ ہم نے پہلے جو مقامات دیکھے تھے ان کو دوسری بار دیکھا اور جو نہیں دیکھے تھے وہ اس بار دیکھ لیے۔ ظہر کی نماز کے وقت ہم لوگ واپس ہوٹل آگئے۔ ہم جس مقام پر بھی گئے وہاں لوگوں کی زبردست بھیڑ دیکھی۔ ہر بس

کے ساتھ ایک گائڈ ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک لاؤڈ اسپیکر ہوتا ہے۔ ہماری بس کے اندر تو لاؤڈ اسپیکر تھا مگر بس کے باہر نہیں تھا۔ جبکہ دوسری بس کے کئی گائڈوں کو دیکھا کہ وہ باہر نکل کر جب کسی مقام کی زیارت کراتے تو کندھے پر لٹکائے ہوئے لاؤڈ اسپیکر سے ہی تفصیلات بتاتے۔

نہر زبیدہ

قاری الطاف نے نہر زبیدہ کے بارے میں جو کچھ بتایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ خلیفہ ہارون رشید کی بیوی زبیدہ رحمۃ اللہ علیہا بہت ہی دیندار اور صاحب علم وفضل خاتون تھیں۔ ان کے محل میں ایک ہزار باندیاں چوبیس گھنٹے قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہتی تھیں۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں پانی کی شدید قلت ہوگئی اور پانی کا ایک مشکیزہ دس درہم سے لے کر ایک دینار تک بک گیا۔ حجاج کرام کو بہت تکلیف اٹھانا پڑی۔ زبیدہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو ان کو بہت دکھ ہوا۔ انھوں نے اپنے انجینئروں کو جمع کر کے حکم دیا کہ کسی طرح مکہ مکرمہ کے لیے پانی کا بندوبست کرو اور پانی کے چشمے تلاش کرو۔ چنانچہ انھوں نے کافی تگ ودو کے بعد ایک چشمہ طائف کے راستے میں اور دوسرا چشمہ نعمان وادی میں دریافت کیا۔ لیکن ان کا پانی مکہ مکرمہ تک پہنچانا بڑا جان جوکھوں کا کام تھا۔ راستے میں پہاڑیاں تھیں جن کو کھودنا انتہائی دشوار تھا۔ لیکن اس نیک خاتون نے حکم دیا کہ جتنا بھی خرچ ہو مکہ مکرمہ کے لیے پانی کا بندوبست کیا جائے اور اگر کوئی مزدور پتھر پر ایک کدال مارنے کی ایک اشرفی بھی طلب کرے تو دے دو۔

چنانچہ تین سال کی شب وروز محنت کے بعد ۳۳/ہزار میٹر (۳۳/کلومیٹر لمبی) نہر تیار ہوگئی جس کو ریت سے بچانے کے لیے اوپر سے ڈھانپا گیا۔ راستے میں کئی جگہ مسافروں کے پانی پینے کے لیے انتظام کیا گیا اور بارش کے پانی کو بھی نہر میں ڈالنے کا بندوبست کیا گیا۔ اس میں ایسا مسالہ استعمال کیا گیا کہ اس کا پانی رِس کر ریتیلی زمین میں جذب نہ ہو۔ نہر کی تیاری پر ۷۰/لاکھ دینار خرچ ہوئے۔ جب حساب کا پرچہ ملکہ کو پیش کیا

گیا تو اس وقت وہ دریائے دجلہ کے کنارے اپنے محل میں بیٹھی تھی۔ اس نے وہ پرچہ لے کر اس کو دیکھے بغیر یہ کہہ کر پانی میں بہا دیا کہ ''حساب کو حساب کے دن کے لیے چھوڑا'' اور کہا کہ جس کو مجھ سے اس حساب میں کچھ لینا ہو لے لے۔ اس نے خزانے کا دروازہ کھلوا دیا اور لوگوں سے کہا کہ جس کو جتنا لینا ہو خزانے سے لے لے۔ نہر کے مکمل ہونے پر بہت خوشی منائی گئی اور تعمیر کرنے والوں کو بہت سے انعام واکرام سے نوازا گیا۔ اس طرح یہ نہر ''نہر زبیدہ'' کے نام سے مشہور ہو گئی۔

قدم کھنچتے چلے گئے

زیارت سے لوٹ کر ہم لوگ قبل از نماز ظہر ہوٹل پہنچ گئے۔ کھانا کھایا اور آرام کیا۔ آج ہی رات میں جدہ کے لیے نکلنا ہے۔ ۲۸ر کی صبح کو دہلی آنے کی فلائٹ ہے۔ نماز مغرب کے بعد بڑی بے چینی محسوس ہونے لگی۔ میں ہوٹل سے تنہا نکل آیا۔ یوں ہی چہل قدمی کی غرض سے تاکہ کچھ بے چینی رفع ہو۔ بے ارادہ چلتے چلتے میرے قدم خانۂ کعبہ کی طرف مڑ گئے۔ بے چینی کا وہی عالم ہے۔ جب میں نے کبوتر چوک عبور کیا اور فلائی اوور کے پاس پہنچا جہاں سے سامنے خانۂ کعبہ تک جانے والا راستہ ہے تو اسے بند پایا۔ معلوم ہوا کہ ہر نماز سے کچھ پہلے اس راستے کو بند کر دیا جاتا ہے۔ لوگ بائیں جانب کنارے کنارے چلتے ہیں یعنی دارالتوحید کی طرف سے۔ میں بھی لوگوں کے پیچھے ہو لیا۔ گھومتے گھماتے ہم حرم میں پہنچ گئے۔

وہاں لوگوں کی زبردست بھیڑ تھی۔ عشا کی اذان میں کچھ وقت تھا۔ لوگ نفلوں کی ادائیگی میں مصروف تھے۔ میں نے بھی تحیۃ المسجد پڑھی۔ بیٹھ گیا۔ لوگوں کے ساتھ ذکر و اذکار میں مصروف ہو گیا۔ اس وقت بھی مسجد بھری ہوئی تھی۔ مجھے آگے جانے کا موقع نہیں ملا۔ پیچھے ہی کی جانب بیٹھا رہا۔ کچھ دیر کے بعد اذان ہوئی اور پھر دس منٹ کے بعد نماز کی ادائیگی ہوئی۔ بے چینی کسی حد تک کم ہو گئی۔ میں نماز کے بعد واپس ہوٹل آیا۔ یہاں اہلیہ پریشان تھیں کہ میں کہاں چلا گیا۔ انھوں نے کہا کہ اگر دو چار منٹ اور نہیں آئے

ہوتے تو میں آپ کو فون کرتی۔ کہاں چلے گئے تھے۔ میں نے بتایا کہ باہر نکلا تو قدم اپنے آپ حرم کی طرف اٹھ گئے۔ میں وہیں سے عشا کی نماز ادا کر کے آ رہا ہوں۔ انھوں نے شکوہ کیا کہ مجھے بھی بتاتے میں بھی چلتی۔ میں نے سمجھایا کہ وہاں جانے کا ارادہ نہیں تھا۔ بس یوں ہی باہر نکلا تھا۔ لیکن چلتے چلتے حرم پہنچ گیا۔

مکہ میں ہمارا ایک بھتیجہ یوسف الفوزان بھی رہتا ہے۔ اس سے فون پر باتیں ہوتی رہی ہیں۔ اس نے بتایا کہ رات میں دس بجے تک اس کی ڈیوٹی ہوتی ہے اس کے بعد ہی وہ مل پائے گا۔ ۲۶ر فروری کی رات میں دس بجے ہم لوگ حرم شریف گئے۔ فوزان کو بتا دیا گیا کہ وہ باب فہد کی جانب آئے جو کہ ہوٹل دار التوحید کے بالکل سامنے ہے۔ اس کو اس باب کے بالکل اپوزٹ سائڈ سے آنا ہے۔ ہم نے سمجھا کہ دس پانچ منٹ میں آجائے گا لیکن ہمیں وہاں نصف گھنٹے تک اس کا انتظار کرنا پڑا۔ ہم فلک بوس کلاک ٹاور کے بائیں جانب اس کا انتظار کر رہے تھے اور اسے اس کے بالکل سامنے سے آنا تھا۔ اس نے بتایا کہ حرم شریف کا نصف چکر لگانے میں اسے نصف گھنٹہ لگا ہے۔ اس درمیان ہمارے دونوں چھوٹے بھائیوں جدہ میں رہنے والے قمر جمال اور دمام میں رہنے والے آصف ہلال سے تقریباً روزانہ فون پر باتیں ہوتی رہی ہیں۔

سفر واپسی

۲۸ر فروری کو واپسی ہے۔ گروپ لیڈر نے اعلان کر دیا کہ ۲۷ر کی شب میں بارہ بجے ہم لوگوں کو جدہ کے لیے نکل جانا ہے۔ حالانکہ فلائٹ کا وقت اگلے دن گیارہ بجے ہے۔ کیا کرتے، سامان سمیت بس میں بیٹھ گئے اور اس طرح صبح تقریباً چار بجے جدہ ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ آفیشیل کارروائیوں میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ چھ بجے تک تمام کارروائیوں سے فارغ ہو گئے۔ ایئرپورٹ کے اندر بنی عارضی مسجد میں فجر کی نماز ادا کی گئی اور پھر تمام لوگ اسی مسجد میں لیٹ گئے۔ ہم لوگوں کے علاوہ دوسرے بہت سے لوگ بھی یہیں آرام کر رہے ہیں۔ بہر حال وقت کسی طرح کٹا اور فلائٹ کا وقت آن پہنچا۔ اس طرح ہم لوگ شام میں چھ بجے اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہنچے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ایک بار پھر اس سرزمین مقدس کی زیارت کروائے اور جو مسلمان اپنے دل میں اس کی خواہش رکھتے ہوں ان کی بھی خواہش پوری ہو۔

ایک مفتی صاحب کی کہانی

ہم لوگوں کے گروپ میں ایک ''مفتی'' صاحب بھی ہیں۔ اپنی اہمیت جتانا اور لوگوں کو لیٹ کرانا ان کی عادت میں شامل ہے۔ کئی بار لوگوں کو لیٹ کرا چکے ہیں۔ مدینہ سے مکہ جانے کے وقت بھی انھوں نے یہی کیا۔ وہ اور دو ایک اور ساتھی غائب ہیں۔ بس پہنچنے والی ہے۔ جناب سعد نے بس والے سے کہا کہ ابھی ہمارے کچھ ساتھی موجود نہیں ہیں اس لیے ذرا لیٹ آئے۔ لیٹ آنے کا معاملہ یہ ہوا کہ جہاں دو بجے مکہ کے لیے روانہ ہونا تھا وہاں ساڑھے تین بج گئے۔

مفتی صاحب کا ایک اور واقعہ سن لیجیے۔ جب ہم لوگ بذریعہ طیارہ دہلی واپس آرہے تھے تو ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد موسم خراب ہو گیا۔ جہاز میں اعلان کیا گیا کہ چونکہ موسم خراب ہو گیا ہے اس لیے تمام مسافر اپنی اپنی بیلٹ کمر سے باندھ لیں۔ کسی کو اٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی اپنی نشست پر بیٹھے رہیں۔ یہ اعلان دو تین بار ہوا۔ انگریزی، اردو اور عربی میں ہوا۔ لیکن اسی دوران مفتی صاحب لاپتہ ہو گئے۔ ایئر ہوسٹس نے جب دیکھا کہ ایک مسافر غائب ہے تو اس نے ان کو تلاش کرنا شروع کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک جگہ نماز ادا کر رہے ہیں۔ نماز کے دوران ایئر ہوسٹس نے کچھ نہیں کہا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو کر اپنی نشست پر آکر بیٹھ گئے تو ایئر ہوسٹس ایک پائلٹ کو ساتھ لیے ان کو تلاش کرنے لگی۔ پورے جہاز میں ان لوگوں نے چھان مارا۔ بہر حال وہ پہچان لیے گئے اور ایئر ہوسٹس نے ان کے سامنے ایک بار پھر پائلٹ سے ان کی شکایت کی۔ اس نے کہا کہ جب اعلان ہو گیا کہ بیلٹ باندھ لیں اور کوئی اٹھے گا نہیں تو آپ کیوں اٹھے۔ آپ کو ہماری بات ہر حال میں ماننی ہوگی۔ اس نے قدرے سختی سے کہا۔

بات بھی اس کی درست تھی۔ طیارے کو کنٹرول کرنے اور اس کا نظام سنبھالنے کی ذمہ داری تو انہی لوگوں کی ہوتی ہے۔ ایک ایک شخص اور ایک ایک سامان کی حفاظت ان کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ مسافروں کو ان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ اب اگر کوئی مسافر ان کی ہدایات کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ یقینی طور پر قانون شکنی کرتا ہے۔ عملہ کو اس کا پورا حق ہے کہ وہ تنبیہ کرے۔ پائلٹ نے بھی مفتی صاحب کو سمجھایا اور کہا کہ آپ لوگوں کی حفاظت کے لیے ہی اعلان کیا گیا تھا۔ آپ کو اس کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ مفتی صاحب خاموش۔ ایک چپ ہزار چپ۔ نماز کی ادائیگی سے کوئی کسی کو نہیں روکتا اور وہ بھی سعودی ایئر لائنس میں تو روکنے کا سوال ہی نہیں۔ عام حالات میں لوگ پڑھتے بھی ہیں۔ مخصوص حالات میں اور ان حالات میں کہ جب موسم خراب ہو اور عملے کی طرف سے اعلان کیا گیا ہو تو اس کی خلاف ورزی کر کے نماز کی ادائیگی کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ان کے پاس اس کی گنجائش تھی کہ وہ گھر جا کر نماز جمع کر لیتے جیسا کہ دوسرے

مسافر کرتے ہیں۔ اس سے قبل جب ہم لوگ مکہ پہنچ گئے تھے اور ۲۷؍فروری کو زیارت کے لیے فجر کے بعد ناشتہ کر کے نکلنا تھا تو تمام لوگ موجود تھے مگر مفتی صاحب غائب تھے۔ بہت دیر تک ان کا انتظار کیا گیا۔ انھوں نے گروپ لیڈر سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ جب کافی دیر تک انتظار کے باوجود وہ نہیں ملے تو گروپ لیڈر نے ان کو فون کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ حرم شریف میں ہیں اور زیارت کے لیے جانے کا ان کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اس کے بعد ڈرائیور سے بس لے چلنے کو کہا گیا۔

حج وعمرہ سے ہونے والی آمدنی کے سعودی معیشت پر اثرات

دنیا بھر سے لاکھوں مسلمان ہر سال حج اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب جاتے ہیں جس سے سعودی معیشت کو خاصی تقویت ملتی ہے۔ تاہم بہت سے لوگوں کے ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ حج اور عمرہ پر جانے والے عازمین سے سعودی عرب کو کتنی آمدنی ہوتی ہے اور سعودی عرب کی معیشت میں اس کا کتنا حصہ ہے۔

اس کے لیے یہ دیکھنا ہوگا کہ پوری دنیا سے کتنے مسلمان حج اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب جاتے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق گزشتہ سال مجموعی طور پر ۸۳ر لاکھ لوگ حج اور عمرہ کے لیے سعودی عرب گئے تھے۔ ایک بات یہ کہ سال کے ایک خاص وقت میں ہی حج کیا جاتا ہے اور دوسری بات یہ کہ سعودی عرب نے حج کے لیے آنے والوں کی تعداد کو قابو میں رکھنے کے لیے ہر ملک کا ایک کوٹا مقرر کر رکھا ہے۔

حج کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد سعودی عرب میں رہنے والے لوگوں کی بھی ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے بہت سے لوگ مختلف ممالک کے شہری ہوتے ہیں۔ گزشتہ دس برسوں میں سعودی عرب کے اندر سے حج کرنے والے مسلمانوں کی تعداد دوسرے ممالک سے جانے والے حجاج کرام کے مقابلے میں تقریباً نصف رہی ہے۔ قابل ذکر ہے کہ دنیا بھر میں مسلمانوں کی جتنی آبادی ہے اس کی محض دو فیصد آبادی ہی سعودی عرب میں رہتی ہے۔

مسلمان پورے سال عمرہ کے لیے جاتے رہتے ہیں۔ ۲۰۱۶ء میں ۶۰ر لاکھ سے

زیادہ لوگوں نے عمرہ کی ادائیگی کی تھی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے سعودی عرب جانے والے مسلمانوں میں ۸۰ ؍فیصد سے زیادہ لوگ وہاں عمرہ کرنے جاتے ہیں۔ چند سال قبل عمرہ پر جانے والوں کی تعداد ۴۰ ؍لاکھ تھی۔ معتمرین کی تعداد میں اضافہ کے پیش نظر سعودی حکومت کو امید ہے کہ آنے والے برسوں میں یہ تعداد ایک کروڑ ۲۰ ؍لاکھ ہو جائے گی۔

مختلف اخبارات میں شائع تفصیلات کے مطابق ۲۰۱۶ء میں سعودی عرب کو حج و عمرہ سے ۱۲ ؍ارب ڈالر کی براہ راست آمدنی ہوئی تھی۔ ہندوستانی کرنسی میں یہ رقم تقریباً ۱۲۵۰ ؍ارب روپے بنتی ہے۔ صرف حج سے تقریباً ۶ ؍ارب ڈالر کا اضافہ ہوا تھا۔ سعودی عرب جانے والے حجاج کرام نے وہاں جا کر تقریباً ۲۳ ؍ارب ڈالر کی رقم خرچ کی تھی۔ حرم شریف کے اطراف میں جو نئے فائیو اسٹار ہوٹل تعمیر ہوئے ہیں وہ انتہائی مہنگے ہیں۔ ان لگژری ہوٹلوں میں ایک سوٹ کا ایک رات کا کرایہ ۵۸۸۰ ؍ڈالر ہے۔ حج کے لیے سعودی عرب جانے والے مسلمان جو ڈالر وہاں خرچ کرتے ہیں وہ سعودی معیشت کا حصہ بن جاتا ہے۔ یہ تمام رقم سعودی عرب کی براہِ راست آمدنی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ بھی آمدنی کے بہت سے ذرائع ہیں۔ لیکن اس خاص آمدنی سے اس کی معیشت کو بہت بڑا اسہارا ملتا ہے۔

حج پر جانے والے افراد کے اخراجات الگ الگ ہوتے ہیں۔ ایک ملک سے جانے والوں میں ہی حاجیوں کے اخراجات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ سعودی عرب کے لیے تیل کے ذرائع معیشت کو مضبوط کرنے کے بہترین اور مضبوط ذرائع ہیں۔ حجاج اور معتمرین سے جو غیر ملکی کرنسی آتی ہے وہ بھی اس کی معیشت کو مضبوط کرنے میں زبردست مدد کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اب سعودی عرب سیاحت کو فروغ دے کر مضبوط معیشت کا ایک نیا راستہ تلاش کر رہا ہے۔ خام تیل کی فروخت سے ہونے والی آمدنی کے لحاظ سے دیکھیں تو سعودی عرب کو حج سے زیادہ آمدنی نہیں ہوتی لیکن اس کی کوشش ہے کہ تیل کے علاوہ ہونے والی آمدنی کا ذریعہ بڑھایا جائے۔

سعودی حکومت نے اپنی معیشت کو مضبوط کرنے کے لیے حج و عمرہ سے ہونے والی

آمدنی کے علاوہ ویزہ فیس میں بھی گزشتہ سال اضافہ کیا تھا۔ اس اضافہ کی رو سے دوسری بار حج کے لیے ویزے کے خواہش مند سے دو ہزار سعودی ریال لیے جائیں گے۔ اس فیس کا اطلاق ان افراد پر بھی ہوگا جو دوسری بار عمرہ کرنے کے خواہشمند ہوں گے۔

اسی طرح سعودی عرب میں ویسے ہی جانے کی صورت میں بھی ویزہ فیس کی مد میں دو ماہ کے ویزہ کی فیس میں ۲۰۰ر جبکہ تین ماہ کے ویزے کی فیس میں ۳۰۰ر ریال کا اضافہ کیا گیا ہے۔ بہر کیف حج اور عمرہ سعودی عرب کی معیشت مضبوط کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور تیل کا خزانہ کم ہو جانے کی صورت میں بھی حج و عمرہ کی آمدنی اس کی معیشت کو لڑکھڑانے سے روکے رکھے گی۔ اس طرح دیکھا جائے تو حج عازمین کے لئے نعمت ہے تو سعودی عرب کے لیے خصوصی نعمت ہے۔

مکہ چیمبر آف کامرس کے اندازے کے مطابق بیرونی ممالک سے آنے والے مسلمانوں کو حج پر ۴۶۰۰ر ڈالر خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ جبکہ سعودی عرب کے حجاج کرام کے حج میں ۱۵۰۰ر ڈالر لگتے ہیں۔ مختلف ممالک کے لوگوں کے لیے حج کا خرچ مختلف ہوتا ہے۔ ایران سے جانے والے قافلے میں ہر ایک شخص پر یہ خرچ ۳۰۰۰ر ڈالر کے قریب پڑتا ہے۔ اس میں سفر، کھانے پینے اور خریداری کا بجٹ شامل ہے۔ پاکستان اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں کو بھی تقریباً اتنا ہی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ ایک ایرانی حاجی نے بی بی سی لندن کی فارسی سروس کو نام نہ ظاہر کرنے کی شرط پر بتایا کہ اس بار حج کا ان کا بجٹ ۸۰۰۰ر امریکی ڈالر کا ہے۔ اس میں ان کے بہت سے ذاتی اخراجات بھی شامل ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ پیسہ کسی نہ کسی طرح سعودی عرب کی معیشت کا حصہ بن جاتا ہے۔

انڈونیشیا کا کوٹا سب سے زیادہ ہے۔ وہاں سے ہر سال دو لاکھ ۲۰ر ہزار افراد فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب جا سکتے ہیں۔ جو کل حجاج اکرام کا ۱۴ر فیصد ہے۔ اس کے بعد پاکستان ۱۱ر فیصد، ہندوستان ۱۱ر فیصد اور بنگلہ دیش کا کوٹا آٹھ فیصد ہے۔ اس فہرست میں نائیجیریا، ایران، ترکی، مصر جیسے ملک بھی شامل ہیں۔

ام القراء یونیورسٹی میں شعبۂ حج معیشت سے وابستہ پروفیسر عبداللہ المرزوقی نے

روزنامہ اخبار ''عرب نیوز'' سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ حج سے حاصل ہونے والی آمدنی میں اضافے کے مثبت اشارے مل رہے ہیں۔ انھوں نے کہا ''یہ اس سال حج اور عمرہ کے لیے آنے والے ۹۰/لاکھ حاجیوں کی بدولت ہے''۔ انھوں نے حج اور عمرہ کے سیزن میں سعودی شہریوں کے لیے ملازمت کے زیادہ مواقع فراہم کرنے پر بھی زور دیا۔ حج اور عمرہ کی خدمات فراہم کرنے والی ایک کمپنی کے منیجر خالد رمضان نے بتایا کہ حاجیوں کی آمد سے سعودی مصنوعات کی فروخت میں بھی اضافہ ہوتا ہے جس میں تحائف بھی شامل ہیں۔ اس حوالے سے سعودی عرب کی تحائف ساز کمپنیوں کو چینی کمپنیوں کی طرف سے سخت مقابلے کا بھی سامنا ہے۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ بہتر مارکیٹنگ سے سعودی مصنوعات ۸۰/کروڑ سعودی ریال تک کی آمدنی حاصل کر سکتی ہیں۔

اگر ہم سابقہ اعداد و شمار پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ۲۰۱۴ء میں سعودی معیشت کو ایک ارب ۶۰/کروڑ ڈالر کی آمدنی ہوئی تھی۔ مکہ مکرمہ کے ایوان صنعت وتجارت کی ٹرانسپورٹیشن کمیٹی کے سربراہ سعد القریشی کے مطابق عمرہ کے لیے آنے والے زائرین نے اوسطاً فی کس ۲۷۰/ڈالر صرف کیے۔ اس طرح زائرین عمرہ کی رہائش، ٹرانسپورٹ اور انھیں خوراک کی فراہمی کی مد میں سعودی معیشت میں ایک ارب ساٹھ کروڑ ڈالر کا اضافہ ہوا۔

ان کا کہنا ہے کہ اس مرتبہ عمرہ کا سیزن گزشتہ سال کے مقابلے میں بہت اچھا رہا ہے اور شکایات میں نمایاں کمی واقع ہوئی ہے۔ مکہ مکرمہ کے وسطی علاقے میں فائیو اسٹار ہوٹل زائرین سے سو فی صد پر رہے ہیں جبکہ وسطی علاقے کے نواح میں ہوٹلوں میں رہائش کی شرح ساٹھ فی صد رہی ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ اب عمرہ کمپنیاں بہت تجربے کار ہو چکی ہیں۔ وہ اپنے نقصانات کے ازالے کا بندوبست کر سکتی ہیں اور درپیش رکاوٹوں کو بھی وور کر سکتی ہیں۔

ہندوستانی زائرین اور معیشت

ممبئی کی ایک نیوز ویب سائٹ ''معیشت ڈاٹ کام'' کے مطابق مذہبی سیاحت

تجارتی دنیا میں اب نئی بلندیوں کو چھونے لگی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلم دنیا میں کبھی مذہبی سیاحت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا تھا۔ البتہ مذہبی مقامات کی زیارت کی پذیرائی کی جاتی رہی ہے۔ لیکن بدلتے ماحول میں مذہبی زیارت نے مذہبی سیاحت کی شکل اختیار کر لی ہے۔

اسلام میں تین مساجد کا سفر کرنا مسنون ہے اور کارثواب سمجھا جاتا ہے۔ ماضی میں جبکہ نقل وحمل کے محدود ذرائع تھے لوگ اونٹ، گھوڑا گاڑی یا خچر و گدھوں پر سفر کرتے تھے تو مذہبی سیاحت کا تصور بھی معدوم تھا۔ لیکن اب مذہبی اسفار اور مقدس مقامات کی زیارت نے باقاعدہ منڈی کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اگر وسیع تر تناظر میں دیکھیں تو ایران وعراق کے بعض مقامات کا سفر شیعہ حضرات مذہبی زیارت کے ساتھ ساتھ مذہبی سیاحت کے طور پر بھی کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم مذہبی سیاحت کو محض حج تک ہی محدود رکھیں تو ہندوستان کے حاجی حضرات ہر سال تین ہزار کروڑ روپے سفر حج و مکہ ومدینہ میں قیام و طعام پر خرچ کرتے ہیں۔ سال بھر خصوصاً رمضان المبارک میں عمرہ پر جانے والوں کے اخراجات کا اگر تخمینہ لگایا جائے تو تین ہزار کروڑ کو کئی گنا سے تقسیم کرنا پڑے گا۔

حج کمیٹی آف انڈیا کے سابق سی ای او شاکر حسین کہتے ہیں ”حج کمیٹی آف انڈیا کی معرفت ہندوستان سے ہر سال ایک لاکھ پچیس ہزار حاجی سفر حج کے لیے جاتے ہیں۔ جو لوگ گرین کیٹیگری میں سفر کرتے ہیں ان سے ایک لاکھ پینسٹھ ہزار روپے لیے جاتے ہیں۔ جبکہ عزیزیہ میں قیام کرنے والوں سے ایک لاکھ پینتیس ہزار روپے وصول کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر دونوں کیٹیگری کی رقم ملادی جائے تو تخمیناً رقم ۱۵۰۰ر کروڑ تک پہنچتی ہے۔“

(۲۰۱۸ء میں ہندوستان سے ایک لاکھ ۷۶ر ہزار حاجیوں نے فریضۂ حج کی ادائیگی کی۔ ایک لاکھ ۲۶ر ہزار حج کمیٹی آف انڈیا کے توسط سے اور باقی پرائیویٹ ٹور آپریٹروں کے توسط سے۔ امسال حاجیوں کو ملنے والی سبسڈی ختم ہوگئی جس کی وجہ سے ان کو زیادہ ادائیگی کرنی پڑی۔ حج کمیٹی نے دہلی سے جانے والے ایک حاجی سے دو لاکھ ۳۷ر ہزار روپے وصول کیے۔ جبکہ ہندوستانی کرنسی کی قدر میں گراوٹ کی وجہ سے حج کمیٹی

کے بقول اس کو بڑا نقصان ہوا ہے لہٰذا حاجیوں سے ابھی اور وصول کیا جائے گا۔)

ایک پرائیویٹ ٹور آپریٹر ظفر جمال کہتے ہیں کہ ہندوستان کے پرائیویٹ ٹور آپریٹروں کا کوٹا پینتالیس ہزار زائرین کا ہے۔ (امسال پرائیویٹ سے ۶۷ / ہزار لوگ حج کرنے گئے تھے)۔ لوگ بہتر سہولت حاصل کرنے کے لئے ڈھائی لاکھ سے تین لاکھ روپے تک کی رقم خرچ کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر مجموعی رقم کا تخمینہ لگایا جائے تو یہ رقم تین ہزار کروڑ روپے تک پہنچتی ہے۔" (امسال پرائیویٹ ٹور آپریٹروں نے ساڑھے تین لاکھ سے لے کر چار لاکھ روپے تک لیے ہیں)۔

حقیقت یہ ہے کہ حج وعمرہ کا جو فریضہ کبھی خالصتاً مذہبی رنگ اختیار کیے ہوئے ہوتا تھا اب اس نے تجارتی روپ لے لیا ہے۔ اگر صرف مکہ مکرمہ کے بازار کا ہی جائزہ لیں تو زائرین کے مطابق دنیا کا ہر سامان وہاں ملتا ہے۔ حتیٰ کہ میڈ ان چائنا کا ٹیگ اب بیشتر سامان پر نظر آجائے گا۔ حال ہی میں سفرِ حج سے لوٹے ایک زائر کہتے ہیں "سعودی عرب کے بازاروں، حتیٰ کہ مکۃ المکرمہ اور مدینہ منورہ کے شاپنگ مالس میں ایسی چیزیں کھلے عام فروخت کی جاتی ہیں جن کا عموماً پابندِ شرع مسلمان تصور بھی نہیں کرسکتا۔ مغربی ممالک کے ساتھ ایشیائی اور یوروپی ممالک کے پروڈکٹس کا جس طرح بے تحاشہ استعمال وہاں کیا جاتا ہے اور زائرین جس طرح منہ مانگی قیمتوں پر وہاں سامان خریدتے ہیں، کسی اور بازار میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔"

مختلف لوگوں کے تجربات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حج اور عمرہ کے مقدس فریضے کی ادائیگی اب صرف خلوص وللّٰہیت کے لئے نہیں ہے بلکہ تجارتی مفاد کے لیے بھی ہوتی ہے۔ بہت سے لوگوں نے اسے ایک کاروبار بنا لیا ہے۔ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ہر سال فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے جاتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو حج بدل کرانے والوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اس کے توسط سے وہ حج تو کرتے ہی ہیں، بالواسطہ طور پر تجارت بھی کرتے ہیں۔ لیکن بہر حال اس پر تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ حج وعمرہ کی ادائیگی سے ہندوستانی معیشت کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے۔

سعودی حکومت کے بعض اہم اعلانات

سعودی عرب میں حج اور عمرے کی حکمت عملی کے لیے حکومت نے مخصوص پروگراموں کا اعلان کیا ہے جس کے تحت سال ۲۰۲۰ء تک شراکت داریوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کو بڑھا کر ۱۹/ارب ریال تک پہنچانا ہے۔

حج اور عمرے کے لیے تبدیلی پروگرام کے مقاصد:

پہلا: نجی سیکٹر کے ساتھ شراکت داریوں کا قیام تا کہ وہ پورے سال حاجی اور معتمر کی خدمت میں کردار ادا کرنے میں کامیاب رہے۔

دوسرا: نجی سیکٹر کے ساتھ حالیہ مؤثر شراکت داری کی سطح کو بڑھانا۔

تیسرا: ان شراکت داریوں سے حاصل آمدنی کو ۱۹/ارب ریال تک پہنچانا۔

چوتھا: حجاج اور معتمرین کی آمد سے قبل ان کی آگاہی کی سطح کو بلند کرنا اور اس مقصد کے لیے ذرائع ابلاغ کے لوازمات میں اضافہ کرنا۔

پانچواں: سرکاری اور نجی سیکٹر کے درمیان اقدامات کا نظام قائم کرنا تا کہ بنیادی ڈھانچے کے نظام کو جدید بنایا جاسکے اور ضیوف اللہ کی خدمت میں مصروف ورکروں کی اہلیت کو بڑھایا جاسکے۔

چھٹا: سال ۲۰۲۰ء تک مملکت کے اندرون و بیرون سے حجاج کی تعداد کو بڑھا کر ۲۵/لاکھ تک پہنچانا۔

ساتواں: سال ۲۰۲۰ء تک بیرون ملک سے آنے والے معتمرین کی سالانہ تعداد ۶۰/لاکھ سے بڑھا کر ڈیڑھ کروڑ تک پہنچانا۔

تبدیلی پروگرام کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ حج اور عمرے کے نظام میں کام کرنے

والوں کے لیے تربیتی پروگراموں سے مستفید ہونے والوں کی مجموعی تعداد سال ۲۰۲۰ء تک سات ہزار سے بڑھا کر ۴۰ ہزار تک پہنچانا ہے۔

پروگرام میں ایک تزویراتی ہدف بھی شامل کیا گیا ہے جس کا مقصد حج اور عمرے کے نظام میں فیصلوں اور اقدامات سے متعلقہ اداروں کے درمیان رابطے کی سطح کو بڑھانے کے لیے ایک نظام وضع کرنا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو آسانی اور سہولت کے ساتھ مناسک کی ادائیگی کا موقع مل سکے۔

سعودی وزیر برائے حج وعمرہ ڈاکٹر محمد صالح بنتن نے جدہ میں منعقدہ وزارتوں کی کانفرنس میں بتایا کہ تبدیلی پروگرام درحقیقت اس امر پر کام کر رہا ہے کہ اللہ کے مہمان حج اور عمرے کو مکمل سہولت اور مذہبی سفر اور ثقافتی تجربے کے ساتھ ادا کرنے میں کامیاب ہوسکیں۔ ''ہم مقامی اور بین الاقوامی سرمایہ کاروں کے لیے پرکشش ماحول کے قیام پر کام کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کوشش ہے کہ ہماری معیشت پر ان لوگوں کے اعتماد میں اضافہ ہو اور سعودی تاریخی ثقافتی اور عرب اور اسلامی ورثے کو برقرار رکھا جائے''۔

حج وعمرہ: وِژن ۲۰۳۰ء

عبدالرحمٰن الراشد عالمی شہرت یافتہ صحافی ہیں۔ وہ لندن سے شائع ہونے والے عرب روزنامہ الشرق الاوسط کے ایڈیٹر انچیف اور العربیہ نیوز چینل دبئی کے جنرل منیجر رہ چکے ہیں۔ الشرق الاوسط کے ساتھ اب بھی کالم نگار کی حیثیت سے وابستہ ہیں۔ انھوں نے سعودی حکومت کے وژن ۲۰۳۰ء کے حوالے سے ۱۰ ستمبر ۲۰۱۷ء کو عربی روزنامہ ''عکاز'' میں ایک مضمون قلمبند کیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

دنیا بھر میں تقریباً ڈیڑھ ارب مسلمان بستے ہیں۔ فرض کیجیے کہ اگر ان میں سے صاحب استطاعت ایک ارب افراد زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ اسلام کا پانچواں رکن حج ادا کرنا چاہیں تو موجودہ وسائل کے اندر اتنی بڑی تعداد کو حج کرانے کے لیے پانچ سو برس درکار ہوں گے۔

بیس لاکھ افراد کو سالانہ حج کرایا جا سکتا ہے کیونکہ فی الوقت مکہ شہر اتنی ہی تعداد میں حجاج کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مناسک حج کی ادائیگی چونکہ مخصوص وقت اور مقامات پر ممکن ہے اس لیے اس فریضہ کا کوئی متبادل تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ آنے والے برسوں میں مختلف توسیعی منصوبوں اور انتظامات میں مزید بہتری کے باوجود ایک سیزن میں پچاس لاکھ افراد سے زیادہ لوگوں کو حج نہیں کرایا جا سکتا۔ اگر ایسا ہو جائے تو دنیا بھر کے مسلمانوں کی ایک تہائی تعداد اگلے سو برسوں میں حج کرنے مکہ جا سکے گی۔

مسلمانوں کی بڑی اکثریت کی دلی خواہش پوری کرنے کی ممکنہ صورت عازمین حج کے بجائے عمرہ زائرین کی تعداد میں اضافہ ہے۔ اس وقت عمرہ زائرین کی سالانہ تعداد

۷۰ ر لاکھ ہے۔ تاہم سعودی حکومت کے پروگرام وژن ۲۰۳۰ء میں اسے تین کروڑ سالانہ کرنے کا ہدف ہے۔

اولوالعزم منصوبہ

وژن ۲۰۳۰ء اولوالعزمی کا مظہر پروگرام ہے جس کی تکمیل کے لیے بہت سی سروسز اور متعلقہ سہولتوں کو ترقی دینا مقصود ہے۔ نگرانی کرنے والے اعلیٰ حکومتی اداروں کی صلاحیت کار کا جائزہ لیے بغیر اس پروگرام کو شرمندۂ تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ منصوبہ بندی کی حکمت عملی تبدیل کرنے کی ضرورت ہے جس میں زائرین کو مکہ کے وسط میں جمع کرنے کے بجائے انھیں مضافاتی علاقوں میں پھیلایا جائے۔

کیا دنیا بھر سے تیس کروڑ زائرین سالانہ مکہ آئیں گے؟ یقیناً آئیں گے۔ تاہم حج اور عمرہ کے مواقع پر سیکورٹی اور سلامتی سے متعلق خدشات برقرار رہیں گے۔ یہ بات فطری ہے کہ ایسے منصوبے کی وجہ سے مکہ میں پورا سال سیکورٹی الرٹ رہے گا۔ اس منصوبے پر عمل درآمد کی صورت میں سعودی عرب کے اندر سے عمرہ اور حج ادا کرنے والوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوگا۔

سعودی حکومت نے دنیا کی سب سے بڑی انجینئرنگ اور تعمیراتی مہارت کو بروئے کار لاتے ہوئے متعدد مقامات مقدسہ کی توسیع مکمل کر لی ہے۔ اس توسیع کی برکت سے ان میں اب کئی لاکھ مسلمان زائرین بیک وقت عبادت کر سکتے ہیں۔ انھی جگہوں کو سال بھر لاکھوں زائرین کے لیے کھلا رکھنے اور اللہ کے مہمانوں کی میزبانی کے لیے وسیع رہائشی سہولتوں کے حامل ایک نئے شہر کی تعمیر ناگزیر ہو گئی ہے۔

حکومت اپنی کارکردگی اور ترجیحات پر نظر ثانی سے اس کام کو بہتر بنا سکتی ہے۔ فی الوقت حکومت زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کر رہی ہے۔ تاہم اب اس کام میں نجی شعبے کو شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ حکومت کا کام منصوبہ بندی اور اس کی نگرانی ہے۔ نیز ایک مبصر اور زیرک اکاؤنٹنٹ کے طور پر بھی حکومت سارے عمل پر نظر رکھے۔

ایک نیا شہر

ساری صورتحال اس بات کی متقاضی ہے کہ مقدس شہر کی وسعت کو دوگنا کرنے کے لیے ایک نیا شہر مکہ آباد کیا جائے۔ نجی شعبے کے لیے بھی اس میں بہت زیادہ مواقع ہوں گے۔ نئے شہر کی وجہ سے ٹریفک کے رش کو کم کرنے میں مدد ملے گی۔ مکہ فی الوقت سنگلاخ چٹانوں میں کنکریٹ کی عمارتوں کا ایک جنگل بن چکا ہے۔ میری رائے ہے کہ حرم کے گرد کے علاقے سے جدہ کی جانب باہر نکل کر اس عظیم الشان منصوبے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

مقدس شہر کے وسط میں تعمیرات پر پابندی سے رش کی صورت حال پر قابو پانے میں مدد ملے گی۔ نیز زائرین کی نقل و حرکت اور سلامتی سے متعلق مختلف سہولتیں فراہم کرنے والے اداروں کو اپنا کام کرنے میں آسانی ہو گی۔

مکہ شہر کے وسط سے داخلی راستے تک ۲۰ کلومیٹر کا فاصلہ ہے جہاں سیکڑوں ہوٹل، دکانیں اور سہولتیں تعمیر کی جا سکتی ہیں جو تین کروڑ زائرین کی میزبانی کے لئے کافی ہوں گی۔ اس سے مکہ کے وسطی علاقے پر دباؤ کم ہو گا۔

نئی ٹرین سروس مواصلات کی بہتر سہولت فراہم کرے گی۔ یہ سہولتیں اور ہوٹل پورا سال کاروبار کریں گے جس کی وجہ سے نجی شعبہ بھی وہاں سرمایہ لگانے کے لیے تیار ہو گا۔ حج اور عمرہ کے ماسٹر پلان تیار کرنے والوں کے لیے سب سے بڑا چیلنج دنیا بھر کی مسلم آبادی کی خواہشات کی تکمیل ہو گا۔ عمرہ ادا کرنے والوں کی تعداد میں تین گنا اضافہ ہو گا"۔

اقتصادی ماہرین کا کہنا ہے کہ نقل و حمل، تجارتی اسٹوروں اور چھوٹی اور متوسط تجارتوں کی توسیع کے حوالے سے حج اور عمرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اقتصادی بلاکوں اور گروپوں کے انضمام کے نتیجے میں توقع ہے کہ ۲۰۲۲ء تک حج و عمرہ سے حاصل ہونے والی آمدنی بڑھ کر ڈیڑھ ارب ڈالر تک پہنچ جائے گی۔ کمیٹی برائے رئیل اسٹیٹ و

سرمایہ کاری کے ایک رکن محسن آل شریف کے مطابق حج سے حاصل ہونے والی مالیات سے ملک کی معیشت کو تقویت حاصل ہوگی۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مالیات اور ان کے ذرائع کو اس طرح کنٹرول کیا جائے کہ وژن ۲۰۳۰ء کی کامیابی میں مدد مل سکے۔ اس سے قومی معیشت کو فائدہ پہنچے گا اور نہ صرف موسمی ملازمتوں کے مواقع پیدا ہوں گے بلکہ مستقل ملازمتیں بھی پیدا ہوں گی جو حج وعمرہ کے لیے شہ رگ ثابت ہوں گی۔

انھوں نے مزید کہا کہ ۲۰۳۰ء تک تین کروڑ زائرین کی مہمان نوازی کا جو اعلان کیا گیا ہے وہ مکہ اور مدینہ میں غیر منظم مارکیٹ کو منظم شکل دینے کا ایک آئینہ ہے جس سے سالانہ اربوں ڈالر کا فائدہ ہوگا۔ لہٰذا خادم حرمین شریفین وحج وعمرہ کے انسٹی ٹیوٹ اور مکہ چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے ساتھ مل کر خصوصی تحقیقاتی مراکز قائم کیے جانے چاہئیں تاکہ قومی معیشت کا ایک جدول تیار کیا جا سکے۔ چھوٹی اور متوسط تجارت سے زائرین کے شعبے کو خاصی مدد ملتی ہے اور مذکورہ پروگرام سے بہت سے مواقع پیدا ہوں گے۔ آل شریف نے کہا کہ حج اور عمرہ کے اقتصادی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس سے قومی معیشت کو زبردست سہارا ملتا ہے۔

مصنف کی دیگر تصنیفات

۱۔ میڈیا روپ اور بہروپ (چار ایڈیشن)

۲۔ میڈیا روپ اور بہروپ (ہندی)

۳۔ میڈیا اردو اور جدید رجحانات

۴۔ مغربی میڈیا اور اسلام

۵۔ احوال صحافت

۶۔ مولانا محمد عثمان فارقلیط: حیات وخدمات

۷۔ مولانا محمد عثمان فارقلیط کے منتخب اداریے

۸۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری: حیات وخدمات (یادگار مجلّہ)

۹۔ دہلی کے ممتاز صحافی

۱۰۔ اردو صحافت اور علماء

۱۱۔ دینی رسائل کی صحافتی خدمات

۱۲۔ محفوظ الرحمٰن: اردو صحافت کا نشان امتیاز

۱۳۔ موہن چراغی اور قومی آواز

۱۴۔ باتیں اخبار نویسوں کی

۱۵۔ نقش بر آب (شخصی خاکوں کا مجموعہ)

۱۶۔ پھر سُوئے حرم لے چل (سفر نامہ حج)

۱۷۔ لبراہن رپورٹ اور بابری مسجد

۱۸۔ بازیافت (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)

۱۹۔ مطالعات (۹۹ کتابوں پر تبصرے)

۲۰۔ فرقہ وارانہ جنون (ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کا تحقیقی جائزہ)

۲۱۔ فاروق انصار کے افسانے

۲۲۔ ڈاکٹر حنیف ترین: فن اور شخصیت

۲۳۔ عکس مطالعہ (ادبی وصحافتی مضامین)

BAZDEED-E-HARAM

by

Suhail Anjum

یہ کتاب حج کا سفرنامہ ہی نہیں بلکہ اس میں رپورتاژ بھی ہے اور انشائیہ بھی۔ زبان کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی ہے۔ سلاست اور روانی کا یہ عالم ہے کہ اس پر کسی آبشار کا گمان ہوتا ہے۔ منظر نگاری ایسی کہ جملہ مناظر اور کردار زندہ ہو کر چشم تصور کے سامنے نمودار ہو جاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اب بھی حالتِ احرام میں ہیں اور طواف و سعی میں مصروف ہیں۔ مدینہ، مکہ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور پھر منیٰ اور آخر میں مکہ بلکہ جدہ ایرپورٹ سے لے کر دہلی ایرپورٹ تک ہم سہیل انجم کے قدم بہ قدم چل رہے ہیں۔ ہر حاجی کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے جو نہ صرف اُسے خود اپنی روداد معلوم ہوگی بلکہ معلومات میں یک گونہ اضافہ بھی ہوگا اور جن لوگوں نے ابھی تک حج نہیں کیا ہے انہیں بھی کافی رہنمائی حاصل ہوگی اور حج کی سعادت حاصل کرنے کی تڑپ دل میں پیدا ہوگی۔

ڈاکٹر خورشید احمد شفقت اعظمی

سہیل انجم سینئر صحافی، قلمکار اور باذوق مصنف ہیں۔ جب ان کو پہلی بار حج کی سعادت حاصل ہوئی تو ان کا سفرنامہ بعنوان "پھر سوئے حرم لے چل" منصۂ شہود پر آیا۔ اس دعائیہ عنوان کو اللہ نے شرفِ قبولیت سے نوازا اور وہ عمرہ اور پھر دوسرے حج کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے تو روداد عمرہ بھی حیطۂ تحریر میں آ گئی اور دوسرا سفرنامۂ حج بھی تیار ہو گیا۔ یہ کتاب ایک طرف دلچسپ اور پُر از معلومات ہے تو دوسری طرف جذبے کی صداقت نے اسے پرتاثیر بھی بنا دیا ہے۔

شیخ صلاح الدین احمد

ISBN 978-93-89002-79-9

978-93-89002-79-9

www.ephbooks.com

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
New Delhi . INDIA